2782

سوز ضمیر
از
نظامی

سوز میر
از
نظامی۔



# ردیف الف

## دیوانِ اوّل

ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر — اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

---

کیا میں بھی پریشانیٔ خاطر سے قریں تھا — آنکھیں تو کہیں تھیں دلِ غم دیدہ کہیں تھا
اب کوفت سے ہجراں کی جہاں تن پہ رکھا ہاتھ — جو درد و الم تھا سو کہے تو کہ وہیں تھا
جانا نہیں کچھ جز غزل آ کر کے جہاں میں — کل میرے تصرف میں یہی قطعہ زمیں تھا
مسجد میں امام آج ہوا آ کے کہاں سے — کل تک تو یہی میر خرابات نشیں تھا

---

بسہ گری کا

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا
چھوڑا وفا کو اُن نے مروّت کو کیا ہوا

اُمیدوارِ وعدۂ دیدار مر چلے
آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا

اُس کے گئے پر ایسی گئی دل سے ہم نشیں
معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا

تھی صعبِ عاشقی کی ہدایت ہی میرؔ پر
کیا جانئے کہ حالِ نہایت کو کیا ہوا

کہا میں نے کتنا ہے گُل کا ثبات
کلی نے یہ سُن کر تبسُّم کیا

جگر ہی میں یک قطرۂ خوں ہے سرشک
پلک تک گیا تو تلاطُم کیا

کسو وقت پاتے نہیں اُس کو گھر
بہت میرؔ نے آپ کو گُم کیا

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں مُوند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اُس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا

س کا کعبہ کیسا قبلہ، کون حرم ہے، کیا احرام
کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کو یہیں سے سلام کیا

شیخ جو ہے مسجد میں ننگا رات کو تھا میخانے میں
جُبّہ، خرقہ، کرتا، ٹوپی مستی میں انعام کیا

یہاں کی سُپید و سیاہ میں ہم کو دخل جو ہے سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا دن کو جوں توں شام کیا

ساعدِ سیمیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اُس کے قول و قسم پر ہائے خیالِ خام کیا

یسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی مشکل تھی
سحر کیا، اعجاز کیا جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو اُن نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

لگا نہ دل کو کہیں کیا سُنا نہیں تُو نے — جو کچھ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا

دل دینے کی ایسی حرکت اُن نے نہیں کی — جب تک جیئے گا میر پشیمان رہے گا

اب کے جو تیرے کوچے سے جاؤں گا تو سُنیو — پھر جیتے جی اس راہ وہ بدنام نہ آیا
ے خون ہو آنکھوں سے بہا ٹک نہ ہوا داغ — اپنا تو یہ دل میر کسو کام نہ آیا

صد موسمِ گُل ہم کو تہِ بال ہی گُزرے — مقدور نہ دیکھا کبھی بے بال و پری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام — آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے  
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

---

منہ تکا ہی کرے ہے جس تس کا  
حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے  
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

تھے برے مغبچوں کے تیور لیک  
شیخ مے خانے سے بھلا کھسکا

تاب کس کو جو حالِ میر سنے  
حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

---

قامت خمیدہ، رنگ شکستہ، بدن نزار  
تیرا تو میر غم میں عجب حال ہو گیا

---

بیتاب جی کو دیکھا، دل کو کباب دیکھا  
جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

دل کا نہیں ٹھکانا، بابت جگر کی گم ہے  
تیرے بلاکشوں کا ہم نے حساب دیکھا

آباد جس میں تجھ کو دیکھا تھا ایک مدت  
اس دل کی مملکت کو اب ہم خراب دیکھا

لیتے ہی نام اس کا سونے سے چونک اٹھے ہو  
ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا

---

کب تلک دھونی لگائے جوگیوں کی سی رہوں  
بیٹھے بیٹھے در پہ تیرے تو مرا آسن جلا

آگ سی اک دل میں سلگے ہے کبھو بھڑکی جو میر  
دے گی میری ہڈیوں کا ڈھیر جوں ایندھن جلا

---

کوئی ان طور سے گزرے ہے ترے غم میں مری  
گاہ تو نے نہ سنا حال مرا گاہ سنا

---

جب جنوں سے ہمیں توسل تھا  
اپنی زنجیر پا ہی کا غل تھا

یک نگہ کو وفا نہ کی گویا  
موسم گل صفیر بلبل تھا

اُن نے پہچان کر ہمیں مارا
مُنہ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا

اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار
یادِ ایام جب تحمّل تھا

جا پھنسا دامِ زلف میں آخر
دل نہایت ہی بے تامل تھا

خوب دریافت جو کیا ہم نے
وقتِ خوش میرؔ نکہتِ گُل تھا

---

دیکھا جو میں نے یار تو وہ میرؔ ہی نہیں
تیرے غمِ فراق میں رنجور ہو گیا

---

فرہاد ہاتھ تیشہ پہ ٹک رہ کے ڈالتا
پتھر تلے کا ہاتھ ہی اپنا ہی تھا

یہ سر تبھی سے گوئے ہے میدانِ عشق کا
پھرتا تھا جن دنوں میں تُو گیندیں اُچھالتا

بن سر کے پھوڑے بنتی نہ تھی کوہکن کے تئیں
خسرو سے سنگ سینہ کو کس طور ٹالتا

چھاتی سے ایک بار لگاتا جو وہ تو میرؔ
برسوں یہ زخم سینے کا ہم کو نہ سالتا

---

گُل برگ کا یہ رنگ ہے مرجاں کا ایسا ڈھنگ ہے
دیکھو نہ جھمکے ہے پڑا وہ ہونٹ لعل ناب سا

دلِ تاب ہی لایا نہ ٹک تا یاد رہتا ہم نشیں
اب عیش روزِ وصل کا ہے جی میں بھُولا خواب سا

سنا ہے میں جان کے ہوش و حواس و دم نہ تھا
اسباب سارا لے گیا آیا تھا ایک سیلاب سا

ہم سرکشی سے مدتوں مسجد سے بچ بچ کر چلے
اب سجدے ہی میں گزرے ہے قدجو ہوا محراب سا

رکھ ہاتھ دل پر میرؔ کے دریافت کر کیا حال ہے
رہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ ان دنوں بیتاب سا

---

اُس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ
ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہوا

---

مانندِ شمع مجلس شب اشک بار پایا
القصہ میرؔ کو ہم بے اختیار پایا

شہرِ دل ایک مدّت اُجڑا بسا غموں میں
آخر اُجاڑ دینا اُس کو قرار پایا

اتنا نہ تجھ سے ملتے نہ دل کو کھو کے روتے
جیسا کیا تھا ہم نے ویسا ہی یار پایا

---

لگتی نہیں ہے دارو ہیں سب طبیب حیراں
اک روگ میں بسا یا جی کو کہاں لگایا

---

ناحق یہ ظلم کرنا انصاف کر پیارے
ہے کون سی جگہ کا کس شہر کا کہاں کا

یا روٗئے یار لایا اپنی تو یوں ہی گذری
کیا ذکر ہم صفیراں یارانِ شادماں کا

قیدِ قفس میں ہیں تو خدمت ہے نالگی کی
گلشن میں تھے تو ہم کو منصب تھا روضہ خواں کا

پوچھو تو میرؔ سے کیا کوئی نظر پڑا ہے
چہرہ اُتر رہا ہے کچھ آج اُس جواں کا

---

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے مے خانے
نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا

وہ کج روش نہ ملا راستی میں مجھ سے کبھی
نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلام لیا

بڑے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ
یہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

کس طرح سے مانئے یارو کہ یہ عاشق نہیں — رنگ اُڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر

---

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا — جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

---

دل جو نہ تھا تو رات زخود رفتگی میں میر — گہ انتظار و گاہ مجھے اضطراب تھا

---

کیا طرح ہے آشنا گاہے گہے نا آشنا — یا تو بیگانے ہی رہیے ہو جیے یا آشنا
جس کی ہیں چاہی وساطت اُن نے یہ مجھ سے کہا — ہم تو کہتے گر میاں ہم سے وہ ہوتا آشنا

---

گُل کو محبوب ہم قیاس کیا — فرق نکلا بہت جو باس کیا
دل نے ہم کو مثالِ آئینہ — ایک عالم کا روشناس کیا
عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے — قیس کی آبرو کا پاس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی — کیا پتنگے نے التماس کیا
ایسے وحشی کہاں ہیں اے خوباں — میر کو تم عبث اُداس کیا

---

مفت آبروئے زاہدِ علامہ لے گیا — ایک مُغبچہ اُتار کے عمامہ لے گیا
اُس راہزن کے ڈھنگوں سے دیوے خدا پناہ — اک مرتبہ جو میر کا جی جامہ لے گیا

---

بے کسی مدت تلک برسا کی اپنی گور پر — جو ہماری خاک پر سے ہو کے گزرا رو گیا

---

سینکڑوں طرحیں نکالیں یار کے آنے کی لیک — عذر ہی جا ہے چلا اُس کے دِل بدخواہ کا

مرکوئی پیرِ مغاں مجھ کو کرے تو دیکھے پھر
مے کدہ سارے کا سارا صرف ہے اللہ کا

---

ایسی گلی اک شہر اسلام نہیں رکھتا
جس کوچے میں وہ بُتِ صد بدنام نہیں رکھتا
یوں تو رہ و رسم اس کو اس شہر میں سب سے ہے
اک میر ہی سے خط و پیغام نہیں رکھتا

---

نکلی تھی تیغ بے دریغ اس کی
میں ہی اک امتحان سے نکلا
نامرادی کی رسم میر سے ہے
طور یہ اُس جوان سے نکلا

---

مستی میں چھوڑ دیر کو کعبے چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا

---

سُنا ہے حال ترے کشتگاں بچاروں کا
ہوا نہ گور گڑھا اِن ستم کے ماروں کا
ملا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں
نکل کے شہر سے ٹک سیر کر مزاروں کا

---

یوں نکلے ہے فلک ایدھر سے ناز کناں جو جانے تو
خاک سے سبزہ میری اُگا کر اُن نے مجھ کو نہال کیا
حال نہیں ہے عشق سے مجھ میں کس سے میر اب حال کہوں
آپ ہی چاہ کر اُس ظالم کو یہ اپنا میں حال کیا

---

آنکھوں میں جی مرا ہے اُدھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا
اک قطرہ خون ہو کے پلک سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دلِ غفراں پناہ کا
بیمار تو نہ ہووے جیے جب تلک کہ میر
سونے نہ دے گا شور تری آہ آہ کا

دِل سے شوقِ رُخِ نکو نہ گیا
جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا
ہر قدم پر تھی اُس کی منزل لیک
سر سے سودائے جستجو نہ گیا
دل میں کتنے مسوّدے تھے ولے
ایک پیش اُس کے روبرو نہ گیا
سبحہ گرداں ہی میرؔ ہم تو رہے
دستِ کوتاہ تا سبو نہ گیا

---

جل گیا دل سفید ہیں آنکھیں
یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
آبلے کا بھی ہونا دامن گیر
تیرے کوچے کے خار میں دیکھا
جن بلاؤں کو میرؔ سُنتے تھے
اُن کو اس روزگار میں دیکھا

---

دلِ خستہ جو لہو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک
کبھو سوزِ سینہ سے داغ تھا کبھو دردو غم سے فگار تھا

دلِ مضطرب سے گزر گئی شبِ وصل اپنی ہی فکر میں
نہ دماغ تھا، نہ فراغ، نہ شکیب تھا، نہ قرار تھا

یہ تمہاری ان دنوں دوستاں مژہ جس کے غم میں ہے خونچکاں
وہی آفتِ دلِ عاشقاں کسو وقت ہم سے بھی یار تھا

---

دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا
ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرف اے میرؔ
پر ترا نامہ تو اک شوق کا دفتر نکلا

---

تمام زلف کے کوچے ہیں مار پیچ اُس کے
تجھی کو آوے دلا چلنا ایسی راہوں کا
کہاں سے تہ کریں پیدا یہ ناظمانِ حال
کہ پوچ باقی ہے کام ان جلاہوں کا
تیری جو آنکھیں ہیں تلوار کے تلے بھی اُدھر
فریب خوردہ ہے تو میرؔ کن نگاہوں کا

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
یاد اُس کی اِتنی خوب نہیں میرؔ باز آ
نادان پھر وہ جی سے بُھلایا نہ جائے گا

کیا اُن نے نشے میں مجھ کو مارا
اتنا بھی تو بے خبر نہ ہو گا
اب دل کے تئیں دیا تو سمجھا
محنت زدوں کے جگر نہ ہو گا

غم اُس کو ساری رات سُنایا تو کیا ہوا
یا روز اُٹھ کے سر کو پھرایا تو کیا ہوا
مت رنج کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد
دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

دِل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لُوٹا گیا
میرؔ کس کو اب دماغِ گفتگو
عمر گزری ریختہ چھوٹا گیا

اتنی گذری جو ترے ہجر میں سو اس کے سبب
صبر مرحوم عجب مُونس تنہائی تھا
یہی زلفوں کی تری بات تھی یا کاکل کی
میرؔ کو خوب کیا سیر تو سودائی تھا

کیا میرے آنے پہ تو اے بُتِ مغرور گیا
کبھی اس راہ سے نکلا تو تجھے گھور گیا
چشمِ خوں لب تہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا
ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسُور گیا
نالۂ میرؔ نہیں رات سے سُنتے ہم لوگ
کیا ترے کوچے سے اے شوخ وہ رنجور گیا

تا بمقدور انتظار کیا
دل نے اب زور بے قرار کیا
دشمنی ہم سے کی زمانے نے
کہ جفا کار تجھ سا یار کیا

یہ توہم کا کارخانہ ہے — یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
ہم فقیروں سے بے ادائی کیا — آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے میر — مذہب عشق اختیار کیا

---

اب تو اُس کی گلی میں خوار ہے لیک — میر بے جاں عزیز کوئی تھا

---

پھوٹا کئے پیالے، لنڈھتا پھرا قرابا
مستی میں میری تھا یاں اک شور اور شرابا
ان صحبتوں میں آخر جانیں ہی جاتیاں ہیں
نے عشق کو ہے صرفہ نے حُسن کو محابا
وے دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں
سوکھا پڑا ہے اب تو مدّت سے یہ دوآبا

---

ستم کچھ آج گلی میں تری نہیں مجھ پر — کب آ کے خون میں مَیں یاں نہا نہیں جاتا

---

سمجھے تھے میر ہم کہ یہ ناسور کم ہوا — پھر ان دنوں میں دیدۂ خوں بار نم ہوا
کیا کیا عزیز دوست ملے میر خاک میں — نادان یاں کسو کا کسو کو بھی غم ہوا

---

نمود کر کے وہیں بحرِ غم میں بیٹھ گیا — کہے تو میر بھی اک بُلبُلا تھا پانی کا

---

موا میں سجدے میں پر نقش میرا بار رہا — اُس آستاں پہ مری خاک سے غبار رہا
گلی میں اُس کی گیا سو گیا نہ بولا پھر — میں میر میر کر اُس کو بہت پکار رہا

جیتے جی کوچۂ دلدار سے جایا نہ گیا　　اُس کی دیوار کا سر سے مرے سایہ نہ گیا
وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رہا　　ہم سے ہی حالِ تباہ اپنا دکھایا نہ گیا
زیرِ شمشیرِ ستم میرؔ تڑپنا کیسا　　سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا

---

دل کے تئیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا　　گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا
شہرِ دل آہ عجب جائے تھی پر اُس کے گئے　　ایسا اُجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

---

گُل میں اس کی سی جو بُو آئی تو آیا نہ گیا　　ہم کو بن دوشِ ہوا باغ سے لایا نہ گیا
سر نشینِ رہِ مے خانہ ہوں میں کیا جانوں　　رسمِ مسجد کے تئیں شیخ کہ آیا نہ گیا
میرؔ مت عذر گریباں کے پھٹے رہنے کا کر　　زخمِ دل چاکِ جگر تھا کہ سِلایا نہ گیا

---

گریباں سے رہا کوتہ تو پھر ہے　　ہمارے ہاتھ میں دامن ہمارا
گئے جوں شمع اُس مجلس میں جلنے　　سبھوں پہ حال ہے روشن ہمارا
چمن میں ہم بھی زنجیری رہے ہیں　　سُنا ہوگا کبھی شیون ہمارا
کیا تھا ریختہ پردہ سخن کا　　سو ٹھیرا ہے یہی اب فن ہمارا

---

مقصود کو دیکھیں کب تک پہنچتے ہیں ہم　　بالفعل اب ارادہ تا گور ہے ہمارا
تیں آہ عشق بازی چوپڑ عجب بچھائی　　کچی پڑیں ہیں نردیں گھر دُور ہے ہمارا
تا چند پشتِ پا پر شرم و حیا سے آنکھیں　　احوال کچھ بھی تم کو منظور ہے ہمارا
بے طاقتی کریں تو تم بھی معاف رکھیو　　کیا کیجئے کہ دل بھی مجبور ہے ہمارا
ہیں مُشتِ خاک لیکن جو کچھ ہیں میرؔ ہم ہیں　　مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

سحر گہ عید میں دورِ سبو تھا — پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا
چمن کی وضع نے ہم کو کیا داغ — کہ ہر غنچہ دلِ پُر آرزو تھا
کروگے یاد باتیں تو کہو گے — کہ کوئی رفتۂ بسیار گو تھا
جہاں پُر ہے فسانے سے ہمارے — دماغِ عشق ہم کو بھی کبھو تھا
مگر دیوانہ تھا گُل بھی کسو کا — کہ پیراہن میں سو جاگہ رفو تھا
نہ دیکھا میرؔ آوارہ کو لیکن — غبار اک ناتواں سا کو بکو تھا

---

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
قافلے میں صبح کے اک شور ہے — یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں — تخمِ خواہش دل میں تُو بوتا ہے کیا
یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں — داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا

---

پہلو میں اک گرہ سی نہ خاک سانٹھ ہے — شاید کہ مر گئے یہ بھی خاطر میں کچھ رہا
آنکھوں نے رازداری محبت کی خوب کی — آنسو جو آتے آتے رہے تو لہو بہا
آئے تھے اک امید پہ تیری گلی میں ہم — سو آہ اس طرح چلے لوہو میں ہم نہا
کس کس طرح سے میرؔ نے کاٹا ہے عمر کو — اب آخر آخر آن کے یہ ریختہ کہا

---

ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر و حرم کی راہ چل — اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

---

غمزے نے اُس کے چوری میں دل کی ہنر کیا — اُس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا
ہیں چاروں طرف خیمے کھڑے گرد باد کے — کیا جانئے حسینوں نے ارادہ کدھر کیا

کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلۂ پُر پیچ و تاب　　شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانا گیا
گُل کھِلے صد رنگ تو کیلے پڑی ہے اے نسیم　　مدتیں گزریں کہ وہ گُل زار کا جانا گیا
دُور تجھ سے میرؔ نے ایسا تعب کھینچا کہ شوخ　　کل جو میں دیکھا اُسے مطلق نہ پہچانا گیا

---

وصل و ہجراں سے جو دو منزل ہیں راہِ عشق کی
دلِ غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا

کب نیازِ عشق نازِ حُسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر میرؔ سر بر آستاں مارا گیا

---

نہ پوچھ اپنی مجلس میں ہے میرؔ بھی یاں　　جو ہوگا تو جیسے گنہگار ہوگا

---

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا　　لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن　　جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
صبر تھا ایک مونسِ ہجراں　　سو وہ مدت سے اب نہیں آتا
دل سے رُخصت ہوئی کوئی خواہش　　گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
دُور بیٹھا غبارِ میرؔ اس سے　　عشق بن یہ ادب نہیں آتا

---

تُو برسوں میں ملے ہے یاں فکر یہ رہے ہے　　جی جائیگا ہمارا اک دم کو یار رہے گا
کیا ہے جو اُٹھ گیا ہے پر بستۂ وفا ہے　　قیدِ حیات میں ہے تو میرؔ آ رہے گا

---

جگہ جا کی ، ناکامی . دنیا ہے آخر　　نہیں آئے جو میرؔ کچھ کام ہوگا

خوبرو اب نہیں ہیں گندم گوں		میر ہندوستاں میں کال پڑا

رہِ طلب میں گرے ہوتے سر کے بل ہم بھی		شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
رہوں ہوں برسوں سے ہم دوش پرنیاں نے		گلے میں ہاتھ مرا پیار سے نہ ڈال لیا
بتاں کی میر ستم وہ نگاہ ہے جس نے		خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

نہ وے زنجیر کے غل ہیں نہ وے جرگے غزالوں کے
مرے دیوان پن تک ہی رہا معمور ویرانا
نہ ہو کیوں ریختہ بے شورش و کیفیت و معنی
گیا ہو میر دیوانہ رہا سودا سو مستانا

بارہا گورِ دل جھنکا لایا		اب کے شرطِ وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل		سارے عالم میں میں دکھا لایا
دل کہ اک قطرۂ خوں نہیں ہے بیش		ایک عالم کے سر بلا لایا
دل مجھے اس گلی میں لے جا کر		اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار		عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر		پھر ملیں گے اگر خدا لایا

ہم عشق میں نہ جانا غم ہی سدا رہے گا		دس دن جو ہے یہ مہلت سو یاں دہا رہے گا
مذکورِ یار ہم سے مت ہم نشیں کیا کر		دل جو بجا نہیں ہے پھر اس میں جا رہے گا

بھلا ہو گا کچھ اک احوال اس سے یا بُرا ہو گا
مآل اپنا ترے غم میں خدا جانے کہ کیا ہو گا

خیال اُس بے وفا کا ہم نشیں اتنا نہیں اچھا
گماں رکھتے تھے ہم بھی یہ کہ ہم سے آشنا ہو گا

بہت ہمسائے اس گلشن کے زنجیری رہا ہوں میں
کبھو تم نے بھی میرا شور نالوں کا سُنا ہو گا

کہیں ہیں میرؔ کو مارا گیا شب اُس کے کوچے میں
کہیں وحشت میں شاید بیٹھے بیٹھے اُٹھ گیا ہو گا

---

ایسی ہے میرؔ کی بھی مدت سی رُونی صورت
چہرے پہ اُس کے کس دن آنسو رواں نہ پایا

---

کیا کیا عزیز خلع بدن ہائے کر گئے
تشریف تم کو یاں تئیں لانا ضرور تھا

---

جاتی نہیں اُٹھائی اپنے پہ یہ خشونت
اب رہ گیا ہے آنا میرا کبھو کبھو کا

اپنے تڑپنے کی تو تدبیر پہلے کر لوں
تب فکر میں کروں گا زخموں کے بھی رفو کا

---

پند گویوں نے بہت سینے کی تدبیریں کیں
آہ ثابت بھی نہ نکلا یہ گریباں یک جا

تو بھی رونے کو بلا دل ہے ہمارا بھی بھرا
ہو جیے اے ابر بیاباں میں گریباں یک جا

---

بسانِ شمع جو مجلس سے ہم گئے تو گئے
سُراغ کچھو نہ پھر تو نشاں پایا

شریفِ مکہ رہا ہے تمام عمر اے شیخ
یہ میرؔ اب جو گدا ہے شراب خانے کا

---

افسوس میر وے جو ہونے شہید آئے　　پھر کام اُن کا اُس کی تلوار تک نہ پہنچا

---

کب تلک یہ ستم اُٹھایئے گا　　ایک دن یوں ہی جی سے جایئے گا
شکلِ تصویر بے خودی کب تک　　کسو دن آپ میں بھی آیئے گا
سب سے مِل چل کہ حادثے سے پھر　　کہیں ڈھونڈا بھی تو نہ پایئے گا
شرکتِ شیخ و برہمن سے میر　　کعبہ و دیر سے بھی جایئے گا
اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جُدی مسجد　　کسی ویرانے میں بنایئے گا

---

دل پہنچا ہلاکی کو نپٹ کھینچ کسالا　　لے یار مرے سلمہ اللہ تعالےٰ
کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث　　برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

---

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا　　اک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا
لگتی نہیں پلک سے پلک انتظار میں　　آنکھیں اگر یہی ہیں تو بھر نیند سو چکا

---

اس کارواں سرا میں کیا میر بار کھولیں　　یاں کوچ لگ رہا ہے شام و سحر ہمارا

---

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا　　دم کے جانے کا نہایت غم رہا
صبحِ پیری شام ہونے آئی میر　　تو نہ جیتا یاں بہت دن کم رہا

---

چوری میں دل کی وہ ہنر کر گیا　　دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا
دیر میں میں خاک بسر ہی رہا　　عمر کو اس طور بسر کر گیا
کس کو مرے حال سے آگاہی تھی　　نالۂ شب سب کو خبر کر گیا

مجلسِ آفاق میں پروانہ ساں ۔۔۔ میر بھی شام اپنی سحر کر گیا

---

تھی مصلحت کہ رُک کر ہجراں میں جان دیجے ۔۔۔ دل کھول کر نہ غم میں میں ایک بار رویا
اِک عجز عشق اُس کا اسباب صد الم تھا ۔۔۔ کل میر سے بہت میں ہو کر دو چار رویا

---

یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ ۔۔۔ یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا
ایسے بُت بے مہر سے ملتا ہے کوئی بھی ۔۔۔ دل میر کو بھاری تھا کہ پتھر سے لگایا

---

دِل جو زیرِ غبار اکثر تھا ۔۔۔ کچھ مزاج ان دنوں مکدّر تھا
اُس پہ تکیہ کیا تو تھا لیکن ۔۔۔ رات دن ہم تھے اور بستر تھا
سر سری تم جہان سے گزرے ۔۔۔ ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا
دل کی کچھ قدر کرتے رہیو تم ۔۔۔ یہ ہمارا بھی نازپرور تھا
بعد اک عمر جو ہوا معلوم ۔۔۔ دل اُس آئینہ رُو کا پتھر تھا
خوش رہا جب تلک رہا جیتا ۔۔۔ میر معلوم ہے قلندر تھا

---

ہم وے ہیں سُن رکھو تم مر جائیں رُک کے یک جا ۔۔۔ کیا کوچہ کوچہ پھرنا عنوان ہے ہمارا

---

کب مصیبت زدہ دلِ مائل آزار نہ تھا ۔۔۔ کون سے درد و ستم کا یہ طرف دار نہ تھا
دُھوپ میں جلتی ہیں غربت وطنوں کی لاشیں ۔۔۔ تیرے کوچے میں مگر سایۂ دیوار نہ تھا

رات حیران ہوں کچھ چُپ ہی مجھے لگ گئی میر
دردِ پنہاں تھے بہت پر لبِ اظہار نہ تھا

---

پوچھا جو میں نے دردِ محبت سے میرؔ کو | رکھ ہاتھ اُن نے دل پہ ٹک اک اپنے رو دیا

---

کل چمن میں گُل و سمن دیکھا | آج دیکھا تو باغ بَن دیکھا
کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں | عاشقوں کا جلا وطن دیکھا
حسرت اُس کی جگہ تھی خوابیدہ | میرؔ کا کھول کر کفن دیکھا

---

کُھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اُس کی میرؔ | سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

---

اے گردِ باد منت دے ہر آن عرضِ وحشت | میں بھی کسو زمانے اس کام میں بلا تھا
یہ سرگزشت میری افسانہ جو ہوئی ہے | مذکور اُس کا اُس کے کوچے میں جا بجا تھا
سُن کر کسی سے وہ بھی کہنے لگا تھا کچھ کچھ | بے درد کتنے بولے ہاں اُس کو کیا ہوا تھا
کہنے لگا کہ جانے میری بلا عزیزاں | احوال تھا کسی کا کچھ میں بھی سُن لیا تھا
آنکھیں مری کُھلیں جب جی میرؔ کا گیا تب | دیکھے سے اُس کو ورنہ میرا بھی جی جلا تھا

---

کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے | چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
آنکھیں چرائیو نہ ٹک ابرِ بہار سے | میری طرف بھی دیدۂ خوں بار دیکھنا
گر زمزمہ یہی ہے کوئی دن تو ہم صفیر | اِس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا
اُس خوش نگہ کے عشق سے پرہیز کیجو میرؔ | جاتا ہے لے کے جی ہی یہ آزار دیکھنا

---

خرابی دل کی اس حد ہے کہ یہ سمجھا نہیں جاتا
کہ آبادی بھی یاں تھی یا کہ ویرانہ تھا مدت کا

جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا
مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

گزری مدام اُس کی جوانان مست میں
پیر مغاں بھی طرفہ کوئی پیر مرد تھا
عاشق ہیں ہم تو میرؔ کے بھی ضبط عشق کے
دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا

گئے قیدی ہو ہم آواز جب صیاد آ ٹوٹا
یہ ویراں آشیانے دیکھنے کو ایک میں چھوٹا

تو برسوں میں کہے ہے ملوں گا میں میرؔ سے
ہاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اُس جوان کا

کوئی رہتا ہے جی بے جی ترے کوچے میں آنے سے
تبھی آسودہ ہو گا میرؔ صاحب جی کو کھو دے گا

مجھے زنہار خوش آتا نہیں کعبے کا ہمسایا
صنم خانہ ہی یاں اے شیخ تُو نے کیوں نہ بنوایا

بشیخ کیا صورتیں رہتی تھیں بھلا جب تھا دیر
رو بہ ویرانی ہوا اس کعبے کی آبادی کا
ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اُس کا ہے
معتقد کون نہیں میرؔ کی اُستادی کا

کام پل میں مرا تمام کیا — غرض اُس شوخ نے بھی کام کیا
تیرے کوچے کے رہنے والوں نے — یہیں سے کعبے کو سلام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتلِ عام کیا
عشقِ خوباں کو میر میں اپنا — قبلہ و کعبہ و امام کیا

---

ٹک بھی نہ مڑ کے میری طرف تُو نے کی نگاہ — اک عمر تیرے پیچھے میں ظالم لگا پھرا
دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکے گا میر — ایدھر تو اُس سے بُت پھرے اُودھر خدا پھرا

---

بیٹھا ہوں جوں غبارِ ضعیف اب وگرنہ میں — پھرتا رہا ہوں گلیوں میں آوارہ گرد سا
کیا میر ہے یہی جو ترے در پہ تھا کھڑا — نم ناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

---

خزاں التفات اس پہ کرتی بجا تھی — یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
کہاں تھا تو اس طور آنے سے میرے — گلی میں تری کل تماشا ہوا تھا
زہے طالع اے میر اُن نے یہ پوچھا — کہاں تھا تو اب تک تجھے کیا ہوا تھا

---

اب تو جاتا ہی ہے کعبے کو تو بت خانے سے — جلد پھر پہنچیو اے میر خدا کو سونپا

---

خُدا کو کام تو سونپے ہیں میں نے سب لیکن — رہے ہے خوف مجھے واں کی بے نیازی کا
چلو ہو راہِ موافق کہے مخالف کے
طریق چھوڑ دیا تم نے دل نوازی کا

---

کیا کہیے کہ خوباں نے اب ہم میں ہے کیا رکھا
اُن چشم سیاہوں نے بہتوں کو سُلا رکھا
کہیے جو تمیز اُس کو کچھ اچھے بُرے کی ہو
دل جس کسو کا پایا چٹ اُن نے اُڑا رکھا

---

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں — دل سے اک داغ ہی جُدا نہ ہوا
ہم تو ناکام ہی جہاں میں رہے — یاں کبھو اپنا مُدعا نہ ہوا

---

یار عجب طرح نگہ کر گیا — دیکھنا وہ دل میں جگہ کر گیا
جانا ہی اس بزم سے آیا تو کیا — کوئی گھڑی گو کہ توقف کر گیا
وصفِ خط و خال میں خوباں کے میر — نامۂ اعمال سیاہ کر گیا

---

پوشیدہ رازِ عشق چلا جائے تھا سو آج
بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اُٹھا دیا
سب شور ما و من کو لیے سر میں مر گئے
یاروں کو اس فسانے نے آخر سُلا دیا
گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا
اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا
ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جُدا دیا
تکلیف دردِ دل عبث ہم نشیں نے لی
دردِ سخن نے میرے سبھوں کو رُلا دیا

اُن نے تو تیغ کھینچی تھی پر جی چلا کے میر
ہم نے بھی ایک دم میں تماشا دکھا دیا

## دیوان دوم

کب میر بسر آئے تم ویسے فریبی سے — دل کو تو لگا بیٹھے لیکن نہ لگا جانا

---

ہائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا — دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا
کچھ سوجھتا نہیں ہے مستی میں میر جی کو — کرتے ہیں پوچ گوئی پی کر شراب کیا کیا

---

کچھ بھی معاش ہے یہ کی اُن نے ایک چشمک — جب مدتوں ہمارا جی دیکھنے کو ترسا
انداز سے ہے پیدا سب کچھ خبر ہے اس کو — گو میر بے سر و پا ظاہر ہے بے خبر سا

---

اُس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھیے — جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا
کہتا تھا میر حال تو جب تک تو تھا بھلا — کچھ ضبط کرتے کرتے ترا حال کیا ہوا

---

اب بھی دماغِ رفتہ ہمارا ہے عرش پر — گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا
گرمی چراغ کی سی نہیں وہ مزاج میں — اب دل فسردگی سے ہوں جیسے بجھا دیا
اب گھٹتے گھٹتے جان میں طاقت نہیں رہی — ٹک لگ چلی صبا کہ دیا سا بڑھا دیا

---

کھو ہی رہا نہ جان کو ناآزمودہ کار — ہونا نہ میر کاش طلب گار عشق کا

حمیت اِس کے تئیں کہتے ہیں جو میر میں تھی — گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آ نہ

---

برسوں سے تو یوں ہے کہ گھٹا جب اُمنڈ آئی — تب دیدۂ تر سے بھی ہوا ایک جھڑ
تلوار کے سائے ہی میں کاٹے ہے تو اے میر — کس دل زدہ کو ہوئے ہے یہ ذوقِ فنا

---

دیکھا ہمیں جہاں وہ تہاں آگ ہو گیا — بھڑکا رکھا ہے لوگوں نے اُس کو لگا

---

عالم کی سیر میر کی صحبت میں ہوگئی — طالع سے میرے ہاتھ یہ بے دست و پا

---

سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اُسی گھڑی — جب سُن کے تیرا نام وہ بیتاب سا

---

پھر میر آج مسجد جامع کے تھے امام — داغِ شراب دُھوتے تھے کل جانماز

---

نظر میں طور رکھے اس کم نما کا — بھروسا کیا ہے عمرِ بے وفا کا
پرستش اب اسی بُت کی ہے ہر سو — رہا ہوگا کوئی بندہ خدا کا
مروّت چشم رکھنا سادگی ہے — نہیں شیوہ یہ اپنے آشنا کا
کہیں اُس زلف سے کیا لگ چلی ہے — پڑے ہے پاؤں بے ڈھب کچھ صبا کا
نہ جا نو میر کو ایسا ہی چُپ کا — نمونہ ہے یہ آشوبِ بلا کا
کرو دن ہی سے رخصت ورنہ شب کو — نہ سونے دیگا شور اس بے نوا کا

---

کہیں ہیں اب کی بہت رنگ اُڑ چلا گل کا — ہزار حیف کہ ہیں بال و پر نہیں رکھ

جُدا جُدا پھرے ہے میرؔ سب سے کس خاطر
خیال ملنے کا اُس کے اگر نہیں رکھتا

پھرا تھا دُور اُس سے مدّتوں میں کوہ و صحرا میں
بُلا کر پاس اپنے مجھ کو بٹھلاتا تو کیا ہوتا
کہے سے غیر کے وہ توڑ بیٹھا وہیں یاروں سے
کیے جاتا اگر ٹک چاہ کا ناتا تو کیا ہوتا
کبھو سر گرمِ بازی ہمدموں سے یاں بھی آجاتا
ہمیں یک چند اگر وہ اور بہلاتا تو کیا ہوتا

کس وقت شرحِ حال سے فرصت ہمیں ہوئی
کس دن نیا نہ قاصد اِدھر سے چلا گیا
کیا لُطف ہے جئے جو بُرے حال کوئی میرؔ
جینے سے تُونے ہاتھ اٹھایا بھلا کیا

وہ دل کہ تیرے ہوتے رہے تھا بھرا بھرا
اب اُس کو دیکھیے تو ہے اک گھر خراب سا

بھولوں نہیں تم جس دم سج نکلے تھے اک پیچا پہ    اس دن ہی تمہیں دیکھے ماتھا مرا ٹھنکا تھا
رہ میرؔ غریبانہ جاتا تھا چلا روتا
ہر گام گلہ لب پر یارانِ وطن کا تھا

کوئی عاشقوں کی پھبت اُنہوں نے اُٹھائی بھی ہے
انہیں بات ہو جو تھوڑی اُسے بھی دراز کرنا
یہی میر کھینچے قشقہ درِ دیر پر تھے ساجد
نہیں اعتماد قابل انہوں کا نماز کرنا

---

اک آن اس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا
کیا جانیے کہ میر زمانے کو کیا ہوا
ظاہر کو گو درست رکھا میں مرکے بھلے
دل کا لگاؤ کوئی رہا ہے چھپا ہوا
دیکھا نہ ایک گل کو بھی چشمک زنی میں ہائے
جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں رہا ہوا

---

کل دل آزردہ گلستاں سے گزر ہم نے کیا
گل لگے کہنے کہو منہ نہ اِدھر ہم نے کیا
سید ہی تلوار کے منہ پر ترے ہم آنے چلے
کیا کریں اس دلِ خستہ کو سپر ہم نے کیا
جیسے حسرت لئے جاتا ہے جہاں سے کوئی
آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر ہم نے کیا
بارے کل بھڑ گئے اُس ظالم خونخوار سے ہم
منصفی کیجئے تو کچھ کم نہ جگر ہم نے کیا

---

وصل ہجراں سے نہیں ہے عشق میں کچھ گفتگو
لاگ دل کی چاہیے ہے یاں قریب و دور کیا
سنگِ بالیں میر کا جو باٹ کا روڑا ہوا
سخت کرجی کو گیا اس جاسے وہ رنجور کیا

---

جوں ابرِ قبلہ دل ہے نہایت ہی بھر رہا
رونا مرا سُنو گے کہ طوفان کر رہا
شب مے کدے سے واردِ مسجد ہوا تھا میں
پر شکر ہے کہ صبح تئیں بے خبر رہا
تسکین دل ہو تب کہ کبھو آ گیا بھی ہو
برسوں سے اُس کا آنا یہی صبح پر رہا

اُس زُلف و رُخ کو بھُولے مجھے مدّتیں ہوئیں | لیکن مرا نہ گریۂ شام و سحر رہا
رہنے تو تھے مکان پہ ولے آپ میں نہ تھے | اُس بن ہمیں ہمیشہ وطن میں سفر رہا
اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ پوچھے ہے بار بار | کچھ وجہ بھی ہے کہ آپ کا مُنہ ہے اُتر رہا
کاہے کو میں نے میر کو چھیڑا کہ اُن نے آج | یہ دردِ دل کہا کہ مجھے دردِ سر رہا

---

جلوہ ترا تھا جب نئیں باغ و بہار تھا | اب دل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہو گیا
کل تک تو ہم وے ہنستے چلے آئے تھے یہیں | مرنا بھی میر جی کا تماشا سا ہو گیا

---

دل کی واشد کے لئے کل باغ میں ٹک میں گیا | سُن گلہ بُلبُل سے گل کا اور بھی جی رُک گیا
میر اس قاضی کے لونڈے کے لئے آخر مُوا | سب کو قضیہ اس کے جینے کا تھا بارے چُک گیا

---

آخر زمانہ سازی سے کھویا نہ وقر میر | بے اختیار رنم نے کیا روزگار کیا

---

تیشے سے کوہ کن کے کیا طرفہ کام نکلا | اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا ہُنر تھا
پھر آج یہ کہانی کل شب پہ رہ گئی ہے | سونا نہ رہنا ٹک تو قصہ ہی مختصر تھا
صد رنگ ہے خرابی کچھ تو بھی رہ گیا ہے | کیا نقل کریے یارو دل کوئی گھر سا گھر تھا

---

کہتے ہیں ضائع کیا اپنے تئیں | میر تو دانا تھا یہ کیا کر گیا

---

صنعت گریاں ہم نے کیں سینکڑوں یاں لیکن
جس سے کبھو وہ ملتا ایسا نہ ہنر آیا

---

دُودِ دل کو ہمارے ٹک دیکھو
یہ بھی پُرپیچ اب ہے کاکُل سا

شوق ان اس کے لمبے بالوں کا
یاں چلا جائے ہے تسلسل سا

کب تھی جرأت رقیب کی اتنی
تم نے بھی کچھ کیا تغافل سا

یک نگہ ایک چشمک ایک سخن
اس میں بھی تم کو ہے تامل سا

بارے مستوں نے ہوشیاری کی
دے کے کچھ محتسب کا منہ جھلسا

ٹوٹی زنجیر پائے میر مگر
رات سنتے رہے ہیں ہم غل سا

---

جی کوئی لگتا ہے اس کے اٹھ گئے پر باغ میں
گل نے بہتیرا کہا ہم سے نہ ٹک ٹھہرا گ

---

کہہ دل کو گنوایا ہے یا رنج اٹھایا ہے
اے میر تجھے ہم نے کچھ آج خفا دیک

---

دیکھیں گے آدمی کی روش میر ہم نری
گر سامنے سے ٹک وہ پری زاد آ گ

---

گرم مجو سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھ

---

خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا
مرنے موا پہ اس کے کبھو گھر نہ جا

---

پھرتے ہیں کب تک شہر میں اب سوئے صحرا رو کیا
کام اپنا اس جنوں میں ہم نے بھی یک سو ک

---

مدت ہوئی الفت گئے برسوں ہوئے طاقت گئے
دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانیے اب کیا ہ

ال صبح سیرِ باغ میں دل اور میرا رُک گیا
بُلبُل نہ بولا مُنہ سے کچھ گل تک نہ مجھ سے وا ہوا

ستی میں لغزش ہو گئی معذور رکھا چاہیئے
اے اہلِ مسجد اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا

رہاد و مجنوں دو دن گئے، ہم اور وامق یوں چلے
اِس عارضے سے چاہ کے وہ کون سا اچھا ہوا

ا صرف خط ہے درمیاں یا گیسوؤں کا ہے بیاں
کیا میر صاحب کے تئیں پھر ان دنوں سودا ہوا

---

ب رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا | بُلبُل نے کیا سمجھ کر یاں آشیاں بنایا
ہ تو مٹا گیا تھا تُربت بھی میر جی کی | دو چار اینٹیں رکھ کر پھر ہیں نشاں بنایا

---

ہتے نہ تھے کہ صاحب اِتنا کُڑھا نہ کیجیے | اس غم نے میر تم کو جی سے ندان مارا

---

یک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میر پہ | برسوں سے جلتا تھا شاید رات جل کر رہ گیا

---

گل پھول سے بھی تو جو لیتا ہے مُنہ کو پھیرے | مکھڑے سے کس کے تُو نے اے میر دل لگایا

---

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو | دیر سے انتظار ہے اپنا
رونے پھرتے ہیں ساری ساری رات | اب یہی روزگار ہے اپنا
صرفہ آزار میر میں نہ کرو | خستہ اپنا ہے یار ہے اپنا

---

کیونکر نہ مر رہے جو بے تاب میر سا ہو اک آدھ دن تو گھر سے دل تھام تھام نکلا

---

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا
کب تری رہ میں میر گرد آلود لوہو میں آ نہا نہیں جاتا

---

تحمل نہ تھا جس کو تک سو وہ میں ستم کیسے کیسے اُٹھانے لگا
رُندھے عشق میں کوئی یوں کب تلک جگر آہ مُنہ تک تو آنے لگا
پریشاں ہیں اس وقت میں نیک و بد مواجو کوئی وہ ٹھکانے لگا
کروں یاد اُسے ہوں جو میں آپ میں سو یاں جی ہی اب بھُول جانے لگا
نہیں رہتے غافل علاقے بغیر کہیں میر دل کو دوانے لگا

---

کہتے نہ تھے میر مت کُڑھا کر دل ہو نہ گیا گداز تیرا

---

نظر میں آئے گا جب جی کا کھونا ملے گا نیند بھر تب مجھ کو سونا
وصیت میر نے مجھ کو یہی کی کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

---

آنسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آجاتا تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
گر عشق نہیں ہے تو یہ کیا ہے بھلا مجھ کو جی خود بخود اے ہمدم کاہے کو کھپا جاتا
تکلیف نہ کی ہم نے اس وحشی کو مرنے کی تھا میر تو ایسا بھی دل جی سے اُٹھا جاتا

---

عمامہ لے گئے شیخ کہیں میکدے سے جا ۔۔۔ بس مغبچوں نے حد سے زیادہ ادب کیا
بچھڑے تمہارے اپنا عجب حال ہو گیا ۔۔۔ جس کی نگاہ پڑ گئی اُن نے عجب کیا
کی زندگی سو وہ کی موئے اب سو اس طرح ۔۔۔ جو کام میر جی نے کیا وہ کڈھب کیا

---

جب رات سر پٹکنے نے تاثیر کچھ نہ کی ۔۔۔ ناچار میر منڈ کری ہی مار سو گیا

---

کبھو جو آن کے ہم سے بھی تو ملا کرتا ۔۔۔ تو تیرے جی میں مخالف نہ اِتنی جا کرتا
چمن میں پھول گل اب کے ہزار رنگ کھلے ۔۔۔ دماغ کاش کہ اپنا بھی ٹک وفا کرتا
فقیر بستی میں تھا تو ترا زیاں کیا تھا ۔۔۔ کبھو جو آن نکلتا کوئی صدا کرتا
گلی سے یار کی ہم لے گئے سرِ پُرشور ۔۔۔ وگرنہ شام سے ہنگامہ ہی رہا کرتا
خراب مجھ کو کیا دل کی لاگ نے ورنہ ۔۔۔ فقیر تکیئے سے کاہے کو یوں اُٹھا کرتا
گئے پہ تیرے نہ تھا ہم نفس کوئی اے گُل ۔۔۔ کبھو نسیم سے میں دردِ دل کہا کرتا
کہیں کی خاک کوئی مُنہ پہ کب تلک ملتا ۔۔۔ خراب و خوار کہاں تک بھلا پھرا کرتا
ترے مزاج میں تابِ تعب تھی میر کہاں ۔۔۔ کسو سے عشق نہ کرتا تو تو بھلا کرتا

---

بندھا رات آنسو کا کچھ تار سا ۔۔۔ ہوا ابرِ رحمت گنہگار سا
کوئی سادہ ہی اُس کو سادہ کہے ۔۔۔ لگے ہے ہمیں تو وہ عیّار سا
محبت ہے یا کوئی جی کا ہے روگ ۔۔۔ سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا
جو ایسا ہی تم ہمکو سمجھو ہو سہل ۔۔۔ ہمیں بھی یہ جینا ہے دشوار سا
مگر آنکھ تیری بھی چپکی کہیں ۔۔۔ ٹپکتا ہے چتون سے کچھ پیار سا
دکھاؤں متاعِ وفا کب اُسے ۔۔۔ لگا واں تو رہتا ہے بازار سا

نہیں میرؔ مستانہ صحبت کا باب　　مصاحب کمو کوئی ہوشیار سا

---

کیا آج کل سے اُس کی یہ بے توجہی ہے　　مُنہ اُن نے اس طرف سے پھرا ہے میرؔ کب کا

---

کل نہ آنے میں ایک یاں تیرے　　آج سو سو طرف گمان گیا
کون جی سے نہ جائے گا اے میرؔ　　حیف یہ ہے کہ نوجوان گیا

---

یا خط چلے ہی آتے یا حرف ہی نہیں　　شاید کہ سادگی کا وہ ہنگام ہو چکا
تڑپے ہے جبکہ سینے میں اُچھلے ہے دو دو ہاتھ　　گر دل یہی ہے میرؔ تو آرام ہو چکا

---

داماں و جیب دونوں ہوئے ٹکڑے ایک جا　　اب کی یہ کام ہاتھ سے میرے سمٹ گیا

---

دفتر لکھے ہیں میرؔ نے دل کے الم کے یہ　　یاں اپنے طور و طرز میں وہ فرد ہو گیا

---

کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں　　کیا عشق میں ہوا ہے اے میرؔ حال تیرا

---

نہ ہو یوں مے کدہ مسجد سا پر واں ہوش جاتے ہیں
ہوا ہے دونوں جاگہ ایک دو باری گزر اپنا

---

میرؔ بھی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا　　کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

---

میر اے کاش زباں بند رکھا کرتے ہم　　صبح کے بولنے نے ہم کو گرفتار کیا

ہوئے یار کیا کیا خراب اُس بغیر　　وہ کس خانہ آباد کے گھر گیا
بہت رفتہ رہتے ہو تم اُسکے اب　　مزاج آپ کا میر کیدھر گیا

لوگوں کا پاس ہم کو مارے رکھے ہے ورنہ　　ماتم میں دل کے شیون دو دو پہر رہے گا
اب رفتگی رویہ، اپنا کیا ہے میں نے　　میرا یہ ڈھب دلوں میں کچھ راہ کر رہے گا
ہم کوئی بہت جا کر اس کے ہی مُنہ سُنیں گے　　وحشت زدہ کسو دن گر میر گھر رہے گا

کیا کہوں اب کی جنوں میں گھر کا بھی رہنا گیا　　کام جو مجھ سے ہوا سو عقل سے باہر ہوا

نہ ترک عشق جو کرتا تو میر کیا کرتا　　جفا کشی نہیں ہے کام ناز پرور کا

ہر چند شعر میر کا دل معتقد نہ تھا　　پر اس غزل کو ہم نے بھی سُن کر لکھا رکھا

میر کے ہوش کے ہیں ہم عاشق　　فصل گُل جب تلک تھی مست رہا

بہت روئے ہم شبنم و گُل کو دیکھ　　کہ جیسا ہمیں بھی کہیں پیار تھا
گیا میر یاں سے کر دگے جو یاد　　کہو گے کہ مسکین عجب یار تھا

دل گیا مفت اور دُکھ پایا　　ہو کے عاشق بہت میں پچھتایا

تم کو جیتا رکھے خدا اے بتاں — مر گئے ہم تو کر تے کرتے وفا
اُٹھ گیا میر وہ جو بالیں سے — پھر مری جان مجھ میں کچھ نہ رہا

---

میر اُن نے سر گذشت سُنی ساری رات کو — افسانہ عاشقی کا ہماری فسوں ہوا

---

دم گنتے گنتے اپنی کوئی جان کیوں نہ دو — وہ پاس آن بیٹھے کسو کے حساب کیا
ہر چند میر بستی کے لوگوں سے ہے نفور — پر ہائے آدمی ہے وہ خانہ خراب کیا

---

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا — کھب گئی جی میں تیری بانکی ادا
دل چلے جاتے ہیں خرام کے ساتھ — دیکھی چلنے میں اُن بتاں کی ادا

---

رہا میں تو عزت کا اعزاز کرتا — چلا عشق خواری کو ممتاز کرتا
گلو گیر ہی ہو گئی یا وہ گوئی — رہا میں خموشی کو آواز کرتا
زیارت گہ کبک تو ہو بلا سے — ٹک آ میر کی خاک پر ناز کرتا

---

ہیں افسردہ ہر چمن میں پھرا — غنچۂ دل مرا کہیں نہ کھلا

---

اگر جیتا رہا میں میر اے یار — تو شب کو مو بمو قصہ کہوں گا

---

عشق سے دل یہ تازہ داغ جلا — اس سیہ خانے میں چراغ جلا
میر کی گرمی تم سے اچرج ہے — کس سے ملتا ہے یہ دماغ جلا

---

## دیوانِ سُوم

مجھ کو شاعر نہ کہو میرؔ کہ صاحب ہیں نے    درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

یک جہاں مہر و وفا کی جنس تھی میرے کنے    لیکن اس کو پھیر ہی لایا جہاں ہیں لے گیا

باتیں ہماری ساری بے ڈھنگیاں ہیں وے ہی
بُوڑھے ہوئے پہ ہم کو اب تک نہ ڈھنگ آیا

تسبیح تک تو میرؔ نے رکھتا کلال کے    وقت نماز اب بھی ہوئے تھے امام کیا

چال یہ کیا تھی کہ ادھر کو گزارا نہ کیا    دُور ہی دُور پھرے پاس ہمارا نہ کیا

کہنے لگا کہ شب کو میرے تئیں نشا تھا    مستانہ میرؔ کو ہیں کیا جان کر کے مارا

گیا حُسن خوبانِ بد راہ کا    ہمیشہ رہے نام اللہ کا
پشیماں ہوا دوستی کر کے ہیں    بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا
رہوں جا کے مر حضرتِ یار ہیں    یہی قصد ہے بندہ درگاہ کا
عدم کو نہیں مل کے جاتے ہیں لوگ    غم اس راہ ہیں کیا ہے ہمراہ کا

چشم سے خوں ہزار نکلے گا    کوئی دل کا بخار نکلے گا

عزلتِ میر عشق میں کب تک ‏ ‏ ہو کے بے اختیار نکلے گا

---

راہ اس سے ہوئی خلق کو کس طور سے یارب ‏ ‏ ہم کو کبھی ملنے کا تو اُس کے نہ ڈھب آیا
کیا پوچھتے ہو دب کے سخن منہ سے نہ نکلا ‏ ‏ کچھ دیکھتے اُس کو مجھے ایسا ادب آیا
کہتے تو ہیں میلانِ طبیعت ہے اُسے بھی ‏ ‏ یہ باتیں ہیں ایدھر کو مزاج اُسکا کب آیا
جاتا تھا چلا راہ عجب چال سے کل میر ‏ ‏ دیکھا اُسے جس شخص نے اُس کو عجب آیا

---

کیا کام کیا ہم نے دل یوں نہ لگانا تھا
اس جان کی جوکھوں کو اس وقت نہ جانا تھا
کیونکر گلی سے اُس کی میں اُٹھ کے چلا جاتا
یاں خاک میں ملنا تھا لوہو میں نہانا تھا
کہنا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا منہ
کل میر کھڑا انتھا یاں سچ ہے کہ دوانا تھا

---

سہل ایسا نہ تھا آخر جی سے مرا جانا تھا ‏ ‏ ٹک رنجہ قدم کر کر مجھ تک اُسے آنا تھا
مت سہل ہمیں سمجھو پہنچے تھے ہم تب ہم ‏ ‏ برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
کہتے نہ تھے ہم واں سے پھر آچکے جیتے تم ‏ ‏ میر اس گلی میں تم کو زنہار نہ جانا تھا

---

لوگ دل دیتے سُنے تھے میر دے گزرا ہے جی
لیک اپنے طور پہ ان نے بھی اک سودا کیا

---

سینکڑوں افسوں دنوں کو پڑھتے تھے تس پر بھی میر
بیٹھنا راتوں کو باہم اب فسانہ بن گیا

---

لوگ ہی اس کارواں کے حرف نشنو تھے تمام
راہ چلنے تو جرس ہر گام چلاتا رہا
میر دیوانہ ہے اچھا بات کیا سمجھے مری
یوں تو مجھ سے جب ملا میں اس کو سمجھاتا رہا

---

بیں گلستاں بیں آکے عبث آشیاں کیا
بُلبُل نے بھی نہ طور گلوں کا بیاں کیا

---

وفا تھی مہر تھی اخلاق تھا تلطف تھا
کبھو مزاج میں اُس کے نہیں تصرف تھا
جہاں میں میر سے کا ہیکو ہوتے ہیں پیدا
سُنا یہ واقعہ جن نے اُسے تاسّف تھا

---

گلی میں اُس کے میری رات کیا آرام سے گذری
یہی تھا سنگ بالیں خاک تھی بستر جہاں میں تھا
غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جی میں
قیامت لحظہ لحظہ تھی مرے دل پر جہاں میں تھا
عجب دن میر تھے دیوانگی میں دشت گردی سے
سر اوپر سایہ گستر ہوتے تھے کیکر جہاں میں تھا

---

عاقلانہ حرف زن ہو میر تو کریئے بیاں
زیرلب کیا جانیئے کہنا ہے کیا مجذوب سا

---

نہیں اُس طرف میر جانے سے رہتا
رہے گا تو اودھر ہی مر کر رہے گا

---

میرؔ کو کتنے دنوں سے رہتی تھی بے طاقتی　　　رات دل تڑپا بہت شاید کہ مر کر رہ گیا

---

دن جی کے الجھنے کے ہی جھگڑے ہیں کٹے ہے
رات اُس کے خیالات سے رہتے ہیں قضا یا
کیا کہیے دماغ اُس کا کہ گل گشت میں کل میرؔ
گل شاخوں سے جھک آئے تھے پر مُنہ نہ لگایا

---

اب کی ہے حدیث اس سے سخن کر نکی میں نے　　　کیا میرؔ سے بولے کوئی ہے بیہودہ گو سا

---

کسو ہنر سے تو ملتے تھے باہم اگلے لوگ　　　ہمیں بھی کاش کہ ایسا کوئی ہنر آتا
شراب خانے میں شب مست ہو رہا شاید　　　جو میرؔ ہوش میں ہوتا تو اپنے گھر آتا

---

کیا تم کو پیار سے وہ اے میرؔ مُنہ لگاوے　　　پہلے ہی چُومے تم تو کاٹو ہو گال اس کا

---

زار رکھا بے حال رکھا بیتاب رکھا بیمار رکھا
حال رکھا تھا کچھ بھی ہم میں عشق نے آخر مار رکھا
میلان اُس کا تھا کا ہیکو جانب اُلفت کیشوں کے
اپنی طرف سے ہم نے اب تک اس ظالم سے پیار رکھا
عشق بھی ہم میں ہائے تصرّف کیسے کیسے کرتا ہے
دل کو چاک، جگر کو زخمی آنکھوں کو خوں بار رکھا
کام اس سے اک طور پر لینے بے طور اس کو ہونے نہ دینے
حیف ہے میرؔ سپہر دُوں نے ہم سے نہ اُس کو یار رکھا

تکلیفِ باغ ہم کو یاروں نے کی و گرنہ　　گُل پھول سے کوئی دم اپنا ہے دل بہلنا
کرنا ہے وے سلوک اب جس سے کہ جان جاوے　　ہم میرؔ یوں نہ مرتے اس پر جو دل نہ جلنا

---

بوسہ اُس بُت کا لیکے مُنہ موڑا　　بھاری پتھر تھا چُوم کر چھوڑا
دل نے کیا کیا نہ رات درد دیے　　جیسے پکتا رہے کوئی پھوڑا

---

دیکھو ہو تو دُور بھاگتے ہو　　کچھ پاس نہیں تمہیں ہمارا

---

کیا کہے حال کہیں دل زدہ جاکر اپنا　　دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا
دوریٔ یار میں ہے حالِ دل ابتر اپنا　　ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا

---

کہتے تھے ہم تباہ ہے اب حال میرؔ کا　　دیکھا نہ تم نے اُس میں بھلا کچھ بھی حال تھا

---

دل عجب شہر تھا خیالوں کا　　لوٹا مارا ہے حُسن والوں کا
جی کا جنجال دل کو ہے اُلجھاؤ　　یار کے حلقہ حلقہ بالوں کا
دم نہ لے اُس کی زلف کا مارا　　میرؔ کاٹا جئے نہ کالوں کا

---

پھرتا تھا میرؔ غمزدہ یک عمر سے خراب　　اب شکر ہے کہ بارے کسی در پہ جا گرا

---

یاں شہر شہر بستی اوجڑ ہی ہوتے پائی　　اقلیم عاشقی میں بستا نگر نہ دیکھا
اب کیا کریں کہ آیا آنکھوں میں جی ہمارا　　افسوس پہلے ہم نے ٹک سوچ کر نہ دیکھا
سوجھا نہ چاہ میں کچھ برباد کر چکے دل　　میرؔ اندھے ہو رہے تھے اپنا بھی گھر نہ دیکھا

خراب احوال کچھ بکتا پھرے ہے دیر و کعبے میں
سُخن کیا مُعتبر ہے میرؔ سے واہی تباہی کا

ساون ہرے نہ بھادوں میں ہم سوکھے اہلِ درد
سبزہ ہماری پلکوں کا سیراب تھا سو تھا

برسوں سے ہے تلاوت و سجّادہ و نماز
پر میلِ دل جو سوئے مۓ ناب تھا سو تھا

ہم خُشک سب جو روتے رہے جوئیں بہہ چلیں
پر میرؔ دشتِ عشق کا بے آب تھا سو تھا

## دیوان چہارم

غیرت سے تنگ آئے غیروں سے لڑ مرینگے
آگے بھی میرؔ سید کرتے گئے ہیں ساکا

گُل پھُول فصلِ گُل میں صد رنگ ہیں شگفتہ
میں دل زدہ ہوں اب کی رنگینیٔ ہوا کا

عاشق کی چشمِ تر میں گو دبتے آویں لیکن
پاؤں کا دلبروں کے چھُپتا نہیں چھپا کا

قصہ کہیں تو کیا کہیں ملنے کی رات کا
پھیروں چوا اُن نے رکھا بات بات کا

واعظ کبھو سو بیچ ہے ولے مے فروش سے
ہم ذکر بھی سُنا نہیں صوم صلوٰۃ کا

تجاہل تغافل تساہل کیا — ہوا کام مشکل توکل کیا

زمینِ غزل ملک سی ہو گئی — یہ قطعہ تصرف میں بالکل کیا

جنوں تھا نہ مجھ کو نہ چپ رہ سکا — کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غل کیا

ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا — غلاموں سے اُس کے توسل کیا

حقیقت نہ میرؔ اپنی سمجھی گئی — شب و روز ہم نے تامل کیا

---

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا — جا چکا ہوں جہان سے کب کا

لوگ جب ذکرِ یار کرتے ہیں — دیکھ رہتا ہوں دیدۂ منہ سب کا

مست رہتا ہوں جب سے ہوش آیا — میں بھی عاشق ہوں اپنے مشرب کا

ہم تو ناکام ہی چلے یاں سے — تم کو ہوگا وصول مطلب کا

زلف سا پیچدار ہے ہر شعر — ہے سخن میرؔ کا عجب ڈھب کا

---

کیا یاری کر دُور پھر اوہ کیا کیا اُن نے فریب کئے
جس کے لئے آوارہ ہوئے ہم چھوڑا شہر و دیار اپنا

بات کہے تلوار نکالے آنکھ لڑائے جی مارے
کیونکہ جتاوے اُس سے کوئی رابطہ محبت پیار اپنا

ہم نے یار وفاداری میں کوتاہی تقصیر نہ کی
کیا روویں چاہت کے اثر کو وہ نہ ہوا ٹک یار اپنا

رحم کیا کر، لُطف کیا کر، پُوچھ لیا کر آخر ہے
میرؔ اپنا غم خوار اپنا پھر زار اپنا بیمار اپنا

---

اے کاش مرے سر پر اک بار وہ آ جاتا — ٹھہراؤ سا ہو جاتا یوں جی نہ چلا جاتا

تب تک ہی تحمّل ہے جب تک نہیں آتا وہ
اس رستے نکلتا تو ہم سے نہ رہا جاتا

وسواس نہ کرنا تھا مر جانے سے ہجراں میں
تھا میرؔ تو ایسا بھی دل جیسے اُٹھا جاتا

---

مستانہ اگرچہ میں طاعت کو لگا جاتا
پر بعد نماز اُٹھ کر مے خانے چلا جاتا

تھا میرؔ بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے
ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا

---

گو بے کسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا
میں جوں چراغِ گور اکیلا جلا گیا

بدحال ٹھنڈی سانسیں بھرا کب تلک کرے
سرگرمِ مرگ میرؔ ہوا تو بھلا کیا

---

یہ نذر بدی ہے میں کعبے سے جو اُٹھتا ہوں
بُت خانے میں جاؤں گا زُنار بندھاؤں گا

سرگرمِ طلب ہو کر کھویا سا گیا آپ ہی
کیا جانیے پاؤں گا یا اُس کو نہ پاؤں گا

گر میرؔ ہوں چُپکا سا پر طرفہ ہنرور ہوں
بگڑے گا نہ تک وہ تو سو باتیں سنا دوں گا

---

گردن کشی سے اپنی مارے گئے ہم آخر
عاشق اگر ہوئے تھے ناز و غرور کیا تھا

اے وائے یہ نہ سمجھے مارے پڑینگے اس میں
اظہارِ عشق کرنا ہم کو ضرور کیا تھا

مرتا تھا جس کی خاطر اُس کی طرف نہ دیکھا
میرِ ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

---

دل کو گُل کہتے تھے درد و غم سے مُرجھایا گیا
جی کو مہماں سُنتے تھے مہمان سا آیا گیا

عشق سے جو حال جی میں کچھ تو کہیے دیکھیو
ایک دن باتیں ہی کرتے کرتے سنایا گیا

جیسے پرچھائیں دکھائی دے کے ہو جاتی ہے گم
میرؔ بھی اُس کام جاں کا دوہیں تھا سایا گیا

---

کہتے ہیں میر کعبے گیا ترکِ عشق کر ‌‌ راہِ دلِ شکستہ کدھر وہ کدھر گیا

---

دن رات خوں کیا ہی کئے ہم جگر کو پھر ‌‌ گر بھول سے کوئی گھڑی جی بہل گیا
تیور بدلنے سے تو نہیں اُس کے بے حواس ‌‌ اندیشہ یہ ہے طور ہی اُس کا بدل گیا
ہر چند میں نے شوق کو پنہاں کیا ولے ‌‌ اک آدھ حرف پیار کا مُنہ سے نکل گیا
چلنے لگے تھے راہِ طلب پہ ہزار شکر ‌‌ پہلے قدم ہی پاؤں ہمارا اچھل گیا
ہیں دو دلا تو آگے ہی تھا فرطِ شوق سے ‌‌ طور اُس کا دیکھ اور بھی کچھ دل دہل گیا
سرآب لگے جھکنے بہت خاک کی طرف ‌‌ شاید کہ میر جی کا دماغی خلل گیا

---

عشقِ رسوائی طلب نے مجھکو سرگرداں کیا ‌‌ کیا خرابی سر پہ لایا صومعہ ویراں کیا
ہم سے تو جُز مرگ کچھ تدبیر بن آتی نہیں ‌‌ تم کہو کیا تم نے دردِ عشق کا درماں کیا
لکھنوتی سے آیا یاں بھی رہتا ہے اُداس ‌‌ میر کو سرگشتگی نے بے دل و حیراں کیا

---

سوزشِ دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی ‌‌ اپنی غیرت میں وہ کچھ آپ ہی جلا جاتا تھا
میر کو واقعہ کیا جانئے کیا تھا درپیش ‌‌ کہ طرف دشت کے جوں سیل بلا جاتا تھا

---

ترکِ لباس سے میرے اُسے کیا وہ رفتہ رعنائی کا
جامے کا دامن پاؤں میں اُلجھا ہاتھ آنچل کلائی کا

---

میر سختی کش تھا غافل پر خدا نے خیر کی ‌‌ حادثے کا کیسا اُس کے سر پر سے ٹھہر گیا

---

کیا عشق سو پھر مجھے غم رہا　　مژہ نم رہیں حال درہم رہا
ہوا غم مجھے خوں جگر میں نہیں　　اگر آنسو آتے کوئی تھم رہا
رہی آتی آندھی سی سینے میں میر　　بہت دن تڑپنے کا اودھم رہا

---

مکے گیا مدینے گیا کربلا گیا　　جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آ گیا
دیکھا ہو کچھ اس آمد و شد میں تو میں کہوں　　خود گم ہوا ہوں بات کی تہ اب جو پا گیا
بیٹھا تو بوریے کے تئیں سر پہ رکھ کے میر　　صف کس ادب سے ہم فقرا کی اُٹھا گیا

---

عشق کی ہے بیماری ہم کو دل اپنا سب درد ہوا
رنگِ بدن میت کے رنگوں جیتے جی ہی پہ زرد ہوا

---

عشق کیا کیا آفتیں لاتا رہا　　آخر اب دُوری میں جی جاتا رہا
کیسے کیسے رُک گئے ہیں میر ہم　　مُدتوں مُنہ تک جگر آتا رہا

---

لُطف سے پوچھتا تھا ہر کوئی　　جب تلک لُطف کچھ تمہارا تھا
موسم گُل میں ہم نہ چھوٹے حیف　　گشت تھا دید تھا نظارا تھا
عشق بازی میں کیا موئے ہیں میر　　آگے ہی جی اُنہوں نے ہارا تھا

---

خوب کیا جو اہلِ کرم کے جودِ کا کچھ نہ خیال کیا
ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ہی ترک سوال کیا
میر سدا بے حال رہو ہو مہر و وفا سب کرتے ہیں
تم نے عشق کیا سو صاحب کیا یہ اپنا حال کیا

خلوت ہی رہا کی ہے مجلس ہیں تو یوں اُس کی ہوتا ہے جہاں یک جا ہیں میر جہاں آیا

---

آنکھیں لگی رہتی ہیں اکثر چاکِ قفس سے اسیروں کی
جھونکا بادِ بہاری کا گُل برگ کوئی یاں لاوے گا
ایک نگہ کی اُمید بھی اُس کی چشمِ شوخ سے ہم کو نہیں
ایدھر اُودھر دیکھے گا پر ہم سے آنکھ چھپاوے گا

---

بہار آئی چلو چمن ہیں ہوا کے اوپر بھی رنگ آیا
کہاں تلک گل نہ ہووے غنچہ یہاں تک منہ سوتنگ آیا
چلے ہیں ہونڈ سے چھٹی ہے کہنی جسی ہے چولی پھنسی ہوئی ہی
قیامت اس کی ہے تنگ پوشی ہمارا جی تو بہ تنگ آیا
وہی ہے رونا وہی ہے کڑھنا وہی ہے سوزش جوانی کی سی
بڑھاپا آیا ہے عشق ہی ہیں پہ یہ ہم کو نہ ڈھنگ آیا

---

دل کو کہیں لگنے دو میرے کیا کیا رنگ دکھاؤں گا
چہرے سے خونِ ناب ملوں گا پھولوں سے گُل کھاؤں گا
گرچہ نصیحت سب ضائع ہے لیکن خاطرِ ناصح کی
دل دیوانہ کیا سمجھے گا اور بھی بیں سمجھاؤں گا

دل کے تئیں اس راہ ہیں کھو افسوس کناں اب پھرتا ہوں
یعنی رفیق و شفیق پھر ایسے میر کہاں ہیں پاؤں گا

---

جانا تھا تجھ کو ہم نے پُختہ مغز ہوگا دیکھا تو میر تیرا سودا بھی خام نکلا

---

نے ہم سے کچھ نہ اس ستم ایجاد سے ہوا ظلم صریح عشق کی امداد سے ہوا
شیریں کا حُسن ایسا تھا جو خستہ جان دیں جو کچھ ہوا سو خواہش فرہاد سے ہوا

---

زار کیا بیمار کیا اس دل نے کیا آزار کیا
داغ سے تن گُل زار کیا سب آنکھوں کو خوں بار کیا

چاہا ہم نے کیا کیا تھا پر اپنا چاہا کچھ نہ ہوا
عزت کھینچی، ذلت کھینچی عشق نے خوار و زار کیا

سادگی میری نے آہ نہ جانا جی ہی اس میں جاتا ہے
عشق کا اُس پُر کار کے ہیں نے لوگوں میں اصرار کیا

---

چڑھی تیوری کبھو اُس کی نہ اتری غضب قہر ہے پیارا ہمارا
گلہ لب تک نہ آیا میر ہرگز کھپا جی ہی میں غم سارا ہمارا

---

## دیوان پنجم

دُور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھے طریق غزلوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا

پہلے تدارک کچھ ہوتا تو نفع بھی ہوتا سو تو میر
کام ہے آخر عشق میں اُس کے بیماروں بدحالوں کا

---

رُسوائے شہر ہے یاں حرف وسخن ہمارا کیا خاک میں ملا ہے افسوس فن ہمارا

---

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا
رہے ہم عالمِ مستی میں اکثر رہا کچھ اور ہی عالم ہمارا
بہت ہی دُور ہم سے بھاگتے ہو کرو ہو پاس کچھ تو کم ہمارا

---

کیا پوچھو ہو کیا کہیے یاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا ناکام رہا آخر کو کام تمام کیا
عجز کیا سو اس مُفسد نے قدر ہماری یہ کچھ کی
تیوری چڑھائی غصّہ کیا جب ہم نے جھک کے سلام کیا
کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کی بیتابی سے خط بھیجا پیغام کیا
عشق کی تُہمت جب نہ ہوئی تھی کاہیکو ایسی شہرت تھی
شہر میں اب رُسوا ہیں یعنی بدنامی سے کام کیا
ریگستاں میں جاکے رہیں یا سنگستاں میں ہم جوگی
رات ہوئی جس جاگہ ہم کو ہم نے وہیں بسرام کیا
جیسے کوئی جہاں سے جاوے رُخصت اس حسرت سے ہوئی
اس کوچے سے نکل کر ہم نے رُو بہ قفا ہر گام کیا

---

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا

عشق گیا سودین گیا ایمان گیا اسلام گیا
دل نے ایسا کام کیا کچھ جس سے بیں ناکام گیا

کس کس کو اپنی کل کو روے ہجراں میں بے کل اُس کا
خواب گئی ہے تاب گئی ہے چین گیا آرام گیا

آمایاں سے جانا ہے تو جی کا چھپانا کیا حاصل
آج گیا یا کل جاوے گا صبح گیا یا شام گیا

ہائے جوانی کیا کیا کہیے شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا

گالی جھڑکی خشم خشونت یہ تو سردست اکثر ہیں
لطف گیا احسان گیا انعام گیا اکرام گیا

لکھنا کہنا ترک ہوا تھا آپس میں تو مدت سے
اب جو قرار کیا ہے دل سے خط بھی گیا پیغام گیا

نالۂ میرؔ سواد میں ہم تک دوشیں شب سے نہیں آیا
شاید شہر سے ظالم کے عاشق وہ بدنام گیا

---

وصل میں رنگ اُڑ گیا میرا
کیا جدائی کو مُنہ دکھاؤں گا
چھانتا ہوں کسی گلی کی خاک
دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا

---

کیسا کیا جگر خوں آزار کیسے کھینچے
آساں نہیں ہوا دل اندوہ گیں ہمارا

---

رنج بہت کھینچے تھے ہم نے طاقت جی کی تمام ہوئی
اپنے کئے پر یاد رہے یہ وہ بھی بہت پچھتاوے گا

اندھے سے ہم چاہ میں اُس کی گو لے ناصح پھرتے ہیں
سُوجھنا بھی کچھ کر آئیں گے کیا تو ہم کو سمجھاوے گا

عاشق کی دل جوئی کی بھی راہ و رسم سے واقف رہ
ہو جو ایسا گُم شدہ اپنا اس کو نہ تو پھر پاوے گا

جنون بے ڈھب آنکھیں پھری ہیں پلکوں سے بھی نظر چھوٹی
عشق ابھی کیا جانئے ہم کو کیا کیا میر دکھاوے گا

---

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا
کُھپ گئی جی میں تیری بانکی ادا

خاک میں مل کے میر ہم سمجھے
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

---

رہا میں تو عزت کا اعزاز کرتا
چلا عشق خواری کو ممتاز کرتا

گلو گیر ہی ہو گئی یا وہ گوئی
رہا میں خموشی کو آواز کرتا

زیارت گہِ کمک تو ہو بلا سے
ٹک آ میر کی خاک پر ناز کرتا

---

شیخ حرم سے لڑ کے چلا ہوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تا بُت خانہ ہر قدم اُوپر سجدہ کرتا جاؤں گا

بہر پرستش پیشِ صنم ہاتھوں سے قسیس رہباں کے
رشتۂ سبحہ تڑاؤں گا زنار گلے سے بندھاؤں گا

طائف رستہ کعبے کا جو کوئی مجھ سے پوچھے گا
جانبِ دیر اشارت کر کے راہ اُدھر کی بھلاؤں گا
بے دین اب جو ہوا سو ہوا ہوں طوافِ حرم سے مجھ کو کیا
غیر از سوئے صنم خانہ میں رُو نہ اِدھر کو لاؤں گا
آ کے مسافر میرؔ عرب میں اور عجم میں کہتے ہیں
اب شہروں میں ہندوستاں کے کافر میر کہاؤں گا

---

خوگر ہونا حزن و بکا ہے میرؔ ہمارا یوں ہی نہیں
برسوں روتے کڑھتے رہے تب ہم دل کو غمناک کیا

---

بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہووے گا
دردِ آگیں انداز کی باتیں اکثر پڑھ پڑھ رووے گا

---

میرؔ افسردہ دل چمن میں پھرا　　غنچۂ دل کہیں نہ اس کا کھلا

---

نہ وہ آوے نہ جاوے بے قراری　　کسو دن میرؔ یوں ہی مر رہوں گا

---

گرم مزاج رہا نہیں اپنا ویسے اس کی ہجراں میں
ہوتے ہوتے افسردہ دیکھوگے اک دن سرد ہوا
میرؔ نہ اپنے دردِ دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب
صبح جو گوشِ دل سے سُنا تھا دل میں میرے درد ہوا

---

دل تڑپے ہے جان کھپے ہے حال جگر کا کیا ہوگا
مجنوں مجنوں لوگ کہے ہیں مجنوں کیا ہم سا ہوگا
کیا جانیں آشفتہ دلاں کچھ ان سے ہم کو بحث نہیں
وہ جانے گا حال ہمارا جس کا دل بے جا ہوگا
رُو بہ بھی اب لا ہی چکے ہیں ہم سے قطع اُمید کرو
روگ لگا ہے عشق کا جس کو وہ اب کیا اچھا ہوگا

---

صنعت گریاں بہتیری کیں لیک دریغ ہزار دریغ
جس سے یار بھی ملتا ہم سے ایسا وُہ نہ ہُنر آیا
میرؔ پریشاں خاطر آکر رات رہا بُت خانے میں
راہ رہی کعبے کی اُودھر یہ سودائی کیدھر آیا

---

اب یاں سے ہم اُٹھ جائیں گے خلقِ خُدا مُلکِ خدا
ہرگز نہ ایدھر آئیں گے خلقِ خُدا ملکِ خدا
مطلب اگر یاں گم ہوا اندیشے کی جا کہ نہیں
جا کر کہیں کچھ پائیں گے خلقِ خُدا ملکِ خدا
دل میں نہ جانے یہ کوئی ہم کھانے کو دیں ہیں انہیں
جو ہے مقدور کھائیں گے خلقِ خُدا ملکِ خدا
گو لکھنؤ ویراں ہوا ہم اور آبادی میں جا
مقسوم اپنا لائیں گے خلقِ خُدا ملکِ خدا
اس بستی سے اُٹھ جائیں گے درویشوں کی کیا مشورت
وہ بھی یہی فرمائیں گے خلقِ خدا ملکِ خدا

حُسن والے ہیں کج روش سارے　　ہوئے دو چار رُو براہ تو کیا
دل رہے وصل جو مُدام رہے　　مل گئے اُس سے گاہ گاہ تو کیا
میر کیا ہے فقیرِ مُستغنی　　آوے اُس پاس بادشاہ تو کیا

---

تیری ہی رہ گذر میں یہ جی جاتا ہے شوخ　　سُنیو کہ میر آج ہی کل میں گذر گیا

---

دل گیا مُفت اور دُکھ پایا　　ہو کے عاشق بہت میں پچھتایا
جب سے بے خود ہوا ہے اس کو دیکھ　　آپ میں میر پھر نہیں آیا

---

اِس بلا سے آہ میں غافل رہا　　یک بیک دل کا لگانا ہو گیا
کُنجِ لب سے یار کے اُچٹا نہ ٹک　　الغرض دل کا ٹھکانا ہو گیا
رفتہ رفتہ اُس پری کے عشق میں　　میر سا دانا دوانا ہو گیا

---

چاہ میں جور ہم پہ کم نہ ہوا　　عاشقی کی تو کچھ ستم نہ ہوا

---

جُدا اس سیم تن سے کیا ہے سونا　　کہ مٹی کوڑے کا اب ہے بچھونا
وصیت میر نے مجھ کو یہی کی　　کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

---

کون مل سکتا ہے اُس اوباش سے　　اختلاط اُس سے ہمیں اک ڈھب سے تھا

---

عشق کئے پچھتائے ہم تو دل نہ کسو سے لگانا تھا
جیدھر ہو وہ مہ نکلا اُس راہ نہ ہم کو جانا تھا
غیرت کی اُس کی شکایت یار عبث اب کرتے ہیں
طور اُس شوخ ستم پیشہ کا طفلی سے بیگانہ تھا
طُرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا یہ میر عجب دیوانا تھا

---

کیا کیا عشق میں رنج اٹھائے دل اپنا سب خون ہوا
کیسے رُکتے تھے خفگی سے آخر کار جنون ہوا

---

## دیوان ششم

فلک نے پیس کر سُرمہ بنایا — نظر میں اُس کی میں تو بھی نہ آیا
تمامی عمر جس کی جستجو کی — اُسے پاس اپنے اک دم بھی نہ آیا
نہ تھی بیگانگی معلوم اُس کی — نہ سمجھے ہم اُسی سے دل لگایا

---

ہو کے بے پردہ ملتفت بھی ہوا — نہ کسی سے ہمیں حجاب رہا
نہ اٹھا لُطف کچھ جوانی کا — کم بہت موسم شباب رہا
گھر سے آئے گلی میں سو بارے — یار بن دیر اضطراب رہا
حیف ہے میر کی جناب سے یاں — ہم کو آن سمجھے اجتناب رہا

---

کیا جانوں عشق جان سے کیا چاہتا ہے میرؔ — خوں ریزی کا مجھے تو سزاوار کر دیا

---

موئے ہم جس کی خاطر بے وفا تھا — نہ جانا اُن نے تو یوں بھی کہ کیا تھا
نہ ملیو چاہنے والے سے اپنے — نہ جانا تجھ سے یہ کن نے کہا تھا
پریشاں کر گئی فریادِ بُلبُل — کسو سے دِل ہمارا پھر لگا تھا
ملے برسوں وہی بیگانگی تھی — ہمارے زُعم میں وہ آشنا تھا
نہ دیوانے تھے ہم سے قیس و فرہاد — ہمارا طورِ عشق اُن سے جُدا تھا
بدن میں صبح سے تھی سنسناہٹ — انہیں سناہٹوں میں جی چلا تھا
صنم خانے سے اُٹھ کعبے گئے ہم — کوئی آخر ہمارا بھی خُدا تھا
چڑھی تیوری چمن میں میرؔ آیا — گُلِ حُسن آج شاید کچھ خفا تھا

---

رہتا نہیں تڑپنے سے ٹک ہاتھ کے تلے — کیا جانوں میرؔ دل کو مرے کیا بلا ہوا

---

کیا کہوں کیا طرح بدلی یار نے — چاؤ تھا دل میں سو اب غم ہو گیا

---

وہ دیکھنے ہمیں ٹک بیماری میں نہ آیا — سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اُٹھایا
گلشن کے طائروں نے کیا بے مروّتی کی — یک برگِ گُل قفس میں ہم تک نہ کوئی لایا
عاشق جہاں ہوا ہے بے ڈھنگیاں ہی کی ہیں — اس میرؔ بے خرد نے کب ڈھب سے دل لگایا

---

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سُنیئے گا
پڑھتے کسو کو سُنیئے گا تو دیر تلک سر دُھنیئے گا

سعی ذلاش بہت سی رہے گی اس انداز کے کہنے کی
صحبت میں علما فضلا کی جا کر پڑھیے گنیے گا
دل کی تسلی جب کہ ہوگی گفت و شنود سے لوگوں کی
آگ پھنکے گی غم کی بدن میں اس میں جلیے بھنیے گا
گرم اشعار میر درونہ داغوں سے یہ بھر دیں گے
زرد رُو شہر میں پھریے گا گلیوں میں نے گُل چُنیے گا

---

تھا اندوہ گرہ میں مدت سے دل میں خوں ہو درد ہوا
چاہ نے بدلے رنگ کئی اب جسم سراسر زرد ہوا
وعدہ خلافی اس ظالم کی کھا گئی میری جانِ غمیں
گرمی کرے وہ مجھ سے جب تک تب تک میں ہی سرد ہوا

---

سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر
صیاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا
کہتے ہیں میر سے کہیں اوباش لڑ گئے
ہنگامہ ان سے ایسا الٰہی کہاں ہوا

---

دشمن ہو جی کا گاہک ہوتا ہے جس کو چاہا
کی دوستی کہ یارو اک روگ میں بساہا
تارہ جھمک تھی شب کو تاروں میں آسماں کے
اس آسیا کو شاید پھر کر کسو نے راہا
آنکھیں مری لگو ہیں بے جا نہیں لگیں ہیں
دیکھا ہے جن نے اس کو اس نے مجھے سراہا

---

بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا
میں بے دماغ باغ سے اٹھ کر چلا گیا
دل دیکے جان میر نے پایانِ کار دی
یہ سادہ لوح طرح نئی دل لگا گیا

---

سر جو دے دے مارتے گھر میں پھرے — رنگ دیگر ہے در و دیوار کا
عشق کا مارا ہے کیا پنپے گا میر — حال ہے بد حال اس بیمار کا

---

ابھی تی ملاقات کب تک رہے گی — کبھو تو نہ دل سے بھی یار ہو گا
تجھے دیکھ کر لگ گیا دل نہ جانا — کہ اس سنگ دل سے ہمیں پیار ہو گا
بھی ہو گا کیا ہو گا میر ہی نہ ہوں گے — جو تو ہو گا بے یار غم خوار ہو گا

---

دبہ بد عہد وہ جو یار آیا — دُور سے دیکھنے ہی پیار آیا
بے قراری نے مار رکھا ہیں — اب تو اُس کے تئیں قرار آیا
گرد رہ اُس کی اب اُٹھو نہ اُٹھو — میری آنکھوں ہی پر غبار آیا
اِک خزاں میں نہ طیر بھی بولا — میں چمن میں بہت پکار آیا

---

زمانہ ہجر کا آسان کیا بسر آیا — ہزار مرتبہ مُنہ تک مرے جگر آیا
جوان مارے ہیں بے ڈھنگی ہی سے اُن نے بہت — ستم کی مشق کی پر خون اسے نہ کر آیا

---

ہو کوئی اُس بے وفا دل دار سے کیا آشنا
آشنا رہ برسوں جو اک دم میں ہو نا آشنا

ملتے ملتے مُنہ چھپانا بھی لطیفہ ہے نیا
آشنائی یا نہ کریے ہو جئے یا آشنا!

تھا جنوں کا لُطف مجنوں سے سو دُنیا سے گیا
مغفرت ہو اُس کو وحشی ہم سے بھی تھا آشنا

اب جو ہاتھ آئے ہیں ہم مت مفت کھو دیجیو ہمیں
پھر نہ ہوگا تم کو ایسا کوئی پیدا آشنا
کیسا ہی پانی ہو اُس کو پیری ہیں جاتا ہے پھیر
تھا جوانی میں مگر تو میرؔ دانا آشنا

گئے تھے سیرِ چمن کو اُٹھ کر گُلوں میں ٹک جی لگا نہ اپنا
تلاشِ جوشِ بہاریں کی مگار گلشن میں تھا نہ اپنا
ملا تو تھا وہ بخواہشِ دل مزہ بھی پاتے ملے سے لیکن
پھر ہے جو مستی میں اُس کی آنکھیں سو ہوش ہم کو رہا نہ اپنا
جہاں کا دریائے بے کراں تو سراب پایانِ کار نکلا
جو لوگ نہ سے کچھ آشنا تھے اُنھوں نے لب تر کیا نہ اپنا
نکالی سرکش نے چال ایسی کہ دیکھ حیرت سے رہ گئے ہم
دلوں میں کیا کیا ہمارے آیا کریں سو کیا بس چلا نہ اپنا
کہے بھی کوئی تو اس سے جس میں سخن کسو کا اثر کرے کچھ
بکا کئے ہم ہمیشہ مانا کسو دن اُن نے کہا نہ اپنا
نہ ہوش ہم کو نہ صبر دل کو نہ شور سر میں نہ زور پا میں
جو رو ویں کس کس کو روویں اب ہم وفا میں کیا کیا گیا نہ اپنا
جہاں میں رہنے کو جی بہت تھا نہ کر سکے میرؔ کچھ توقف
بنا تھی ناپائدار اس کی اسی سے رہنا بنا نہ اپنا

دماغ اپنا تو اپنی فکر میں ہی ہو چکا یک سر
خیال کس کا ہے اے ہم نشیں نازک خیالی کا

ڈرو چونکو جو چھپاں اختلاطی تم سے ہو مجھ کو
تشتت کیا ہے میری دوری کی اس دیکھا بھالی کا

---

دل جو ناگاہ بے قرار ہوا — اس سے کیا جانوں کیا قرار ہوا
مجھ سے لینے لگے ہیں عبرت لوگ — عاشقی میں یہ اعتبار ہوا
روز و شب رونے کڑھنے گذرے ہے — اب یہی اپنا روزگار ہوا
روؤں کیا اپنی سادگی پر میر — میں نے جانا کہ مجھ سے یار ہوا

---

پیار کی دیکھی جو چتون کسو کی میں جانا — کہ یہ اب سادہ و پُرکار مرا یار ہوا
کیونکہ سب عمر صعوبت میں کٹی تیری میر — اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں دشوار ہوا

---

مرنے جیسے صبر کیا تھا ویسی ہی بے صبری کی
ہائے دریغ افسوس کوئی دن اور نہ یہ بیمار جیا

---

جو قافلے گئے تھے انہوں کی اُٹھی بھی گرد — کیا جانیے غبار ہمارا کہاں رہا
اُس کے فریب لطف پہ مت جا کہ ہم نشیں — وہ دیر میرے حال پہ بھی مہرباں رہا
ترکِ شراب خانہ ہے پیری میں ورنہ میر — ترسا بچوں ہی میں رہا جب تک جواں رہا

---

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا — بہت عالم کرے گا غم ہمارا

پڑھیں گے شعر رو رو لوگ بیٹھے — رہے گا دیر تک ماتم ہمارا

# متفرقات

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا      وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

اُٹھوں نہ خاک سے کُشتہ میں کم نگاہی کا      دماغ کس کو ہے محشر کی داد خواہی کا

دل گیا رُسوا ہوئے آخر کو سودا ہو گیا
اس دو روزہ زیست میں ہم پر بھی کیا کیا ہو گیا

کیا کہوں میں میر اپنی سرگذشت      ابتدا ہی قصّے میں وہ سو گیا

دل تاب ٹک بھی لاتا تو کہنے میں کچھ آتا      اس تشنہ کام نے تو پانی بھی پھر نہ مانگا

شب ہی عالم میں ہو گئی تھی      اپنے دل کا غبار دیکھا
اب وعدہ نہ کر زیادہ بس ہم      جاناں ترا اعتبار دیکھا
کہتے تجھے یہ ہم نہ کر تمنّا      اے جانِ اُمیدوار دیکھا

تم کو تو ہے کیا مرے ملے سے      پر اس میں بُتاں بھلا ہے میرا

ایسا ہی نہ تھا بُتو میں آگے      آخر کوئی میرا بھی خُدا تھا

# ردیف بائے موحّدہ

## دیوان اوّل

مایوسِ وصل اُس کے کیا سادہ مُردماں ہیں
گزرے ہے میرؔ اُن کو اُمیدوار ہر شب

اب رسمِ ربط اُٹھ ہی گئی ورنہ پیش ازیں
بیٹھے ہی رہتے تھے ہم احباب روز و شب

یہ اتصالِ اشکِ جگر سوز کا کہاں
روتی ہے یوں تو شمع بھی کم کم تمام شب
گزرا کسے جہاں میں خوشی سے تمام روز
کس کی کٹی زمانے میں بے غم تمام شب

کس کی مسجد کیسے بُت خانے کہاں کے شیخ و شاب
ایک گردش میں تری چشمِ سیہ کے سب خراب
وائے اس جینے پر مستی کہ دورِ چرخ میں
جامِ مے پر گردش آوے اور مے خانہ خراب

میرؔ شاعر بھی زور تھا کوئی
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

# دیوانِ دوم

پیش از دمِ سحر مرا رونا لہو کا دیکھ
پھُولے ہے جیسے سانجھ وہی یاں سماں ہے اب
برسوں ہوئے گئے اُسے پر بھُولتا نہیں
یادش بخیر میرؔ رہے خوش جہاں ہے اب

جیسا مزاج آگے تھا میرا سو کب ہے اب
ہر روز دل کو سوز ہے ہر شب تعب ہے اب
دُوری سے اُس کی آہ عجب حال ہیں ہیں لوگ
کچھ بھی جو پاس وہ نہ کرے تو عجب ہے اب
نے چاہ وہ اُسے ہے نہ مجھ کو ہے وہ دماغ
جانا مرا اُدھر کو بشرطِ طلب ہے اب
جاتا ہوں دن کو ملنے تو کہتا ہے دن کو میرؔ
جو شب کو جائیے تو کہے ہے کہ شب ہے اب

ناسازیٔ طبیعت ایسی پھر اُس کے اُوپر ہے ہر کسو سے مجھ کو ناچار سازواجب
صرفہ نہیں ہے مطلق جانِ عزیز کا بھی اے میرؔ تجھ سے ظالم ہے احتراز واجب

یہ بستیاں اُجڑ کے کہیں بستیاں بھی ہیں
دل ہو گیا خراب جہاں پھر رہا خراب

جو کہو تم سو ہے بجا صاحب / ہم بُرے ہی سہی بھلا صاحب

سادہ ذہنی میں نکتہ چیں تھے ہم / اب تو ہیں حرف آشنا صاحب

نہ دیا رحم ٹک بُتوں کے تئیں / کیا کیا ہائے یہ خُدا صاحب

بندگی ایک اپنی کیا کم ہے / اور کچھ تم سے کہیے کیا صاحب

مہر افزا ہے مُنہ تمہارا ہی / کچھ غضب تو نہیں ہوا صاحب

پھر گئیں آنکھیں تم نہ آن پھرے / دیکھا تم کو بھی واہ وا صاحب

کس نے سُن شعر میر یہ نہ کہا / کہیو پھر ہائے کیا کہا صاحب

---

عجب صحبت ہے کیوں کر صبح اپنی شام کہیے اب
جہاں ٹک آن بیٹھے ہم کہا آرام کریے اب

بلا آشوب تھا گو جان پر آغازِ اُلفت میں
ہوا سو تو ہوا اندیشۂ انجام کریے اب

بہت کی یاں صنم کوئی ہوئے مشہور کافر ہم
وظیفہ کوئی دن اپنا خُدا کا نام کریے اب

---

نکلی ہیں اب کی کلیاں اس رنگ سے چمن میں / سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھے ہیں احباب

---

## دیوان سوم

ماہِ صیام آیا ہے قصدِ اعتکاف اب
جا بیٹھیں مے کدے میں مسجد اُٹھ کے صاف اب

مُسلم ہیں رفتہ رُو کے کافر ہیں خستہ مُو کے
یہ بیچ سے اُٹھے گا کس طور اختلاف اب

کل کچھ صبا ہوئی تھی گُل افشاں قفس میں بھی — وہ بے کلی تو جان کو بارے نہیں ہے اب
مسکیں جہاں تھا دل زدہ مسکیں کا ہم نوا — کل دیر میر میر پکارے نہیں ہے اب

بولا جو مُو پریشاں آ نکلے میر صاحب — آنا ہوا کہاں سے کہئے فقیر صاحب
ہر لحظہ اک شرارت ہر دم ہے اک اشارت — اس عمر میں قیامت تم ہو شریر صاحب

کب ہیں جوانی کے سے اشعار شور آور — شاید کہ کچھ ہوئے ہیں اب پیر میر صاحب
تم کس خیال میں ہو تصویر سے جو چُپ ہو — کرتے ہیں لوگ کیا کیا تقریر میر صاحب

جنوں میں اب کی نے دامن ہی نے جیب — کمی آئی بہت اسباب میں اب

---

## دیوان چہارم

یہ عرض مری یاد رہے بند گی میں میر
جی بچتے نہیں عشق کے اظہار میں صاحب

کیا ہمیں ہم تو ہو چلے ٹھنڈے — گرم گو یار کی خبر ہے اب
عزلتی میر جوں صبا اُس بن — خاک بر سر ہے دربدر ہے اب

میر شاید کعبے ہی میں رہ پڑے — دیر سے تو یاں خدا لایا ہے اب

جن دنوں ہم کافروں سے ربط تھا وے ہو چکے
وُہ بتِ بے مہر اپنی اور سے پتھر ہے اب

وہ طبیعت ہی نہیں ہے میری اے مشفق طبیب
کر دوا جو طبع میں آوے ترے بہتر ہے اب

خلافِ وعدہ بہت ہوئے ہو کوئی وعدہ وفا کرو اب
ملا کے آنکھیں دروغ کہنا کہاں تلک کچھ حیا کرو اب
خیال رکھئے نہ سرکشی کا سُنو ہو صاحب کہ پیری آئی
خمیدہ قامت بہت ہو لیے جُھکائے ہی سر رہا کرو اب
کہاں ہے طاقت جو میرؔ کا دل سب ان بلاؤں کی تاب لاوے
کرشمے غمزے کو ناز سے ٹک ہماری خاطر جُدا کرو اب

## دیوانِ پنجم

کب سے صحبت بگڑی سی ہے کیوں کر کوئی بناوے اب
ناز و نیاز کا جھگڑا ایسا کس کے کنے لے جاوے اب

دم دو دم گھبراہٹ ہو تو ہو سکتا ہے تدارک بھی
جی کی چال سے پیدا ہے سو نین گھڑی میں جاوے اب

دل خون ہوا تھا یک سر پانی ہوا جگر سب
خوں بستہ رہتیاں تھیں پلکیں سو اب ہیں تر سب

یارب کدھر گئے وے جو آدمی روش تھے
اُوجڑ دکھائی دے ہیں شہر و دہ دنگر سب
میرؔ اس خرابے میں کیا آباد ہووے کوئی
دیوار و در گرے ہیں ویران پڑے ہیں گھر سب

---

تابِ عشق نہیں ہے دل کو جی بھی بے طاقت ہے اب
یعنی سفر ہے دُور کا آگے اور اپنی رُخصت ہے اب
وصل میں کیا کیا صحبتیں رنگیں کس کس عیش میں دن گزرے
تنہا بیٹھ رہے ہیں یک سُو ہجر میں یہ صحبت ہے اب
چور اُچکّے سکھ مرہٹے شاہ و گدا زر خواہاں ہیں
چین میں ہیں جو کچھ نہیں رکھتے فقر ہی اک دولت ہے اب

---

سادے جتنے نظر آتے ہیں دیکھو تو عیّار ہیں سب
زرد و نزار و زبوں جو ہم ہیں چاہت کے بیمار ہیں سب
سیل سے ہلکے عاشق ہو ویں تو جوش و خروش بھریں آویں
تہ پائی نہیں جاتی ان کی دریا سے تہ دار ہیں سب
ایک پریشاں طُرفہ جماعت دیکھی چاہنے والوں کی
جینے کے خواہاں نہیں ہیں مرنے کو تیّار ہیں سب
کیا کیا خواہشیں بے کس بے بس مشتاق اُس سے رکھتے ہیں
لیکن دیکھ کے رہ جاتے ہیں جھجکے سے ناچار ہیں سب
عشق جنھوں کا پیشہ ہووے سینکڑوں ہوں تو ایک ہی ہیں
کوہ کن و مجنوں و وامق میرؔ ہمارے یار ہیں سب

موسم گُل کا شاید آیا داغ جنوں کے سیاہ ہوئے
دل کھنچتا ہے جانب صحرا جی نہیں لگتا گھر میں اب
ایک جگہ پر جیسے بھنور ہیں لیکن چکّر رہتا ہے
یعنی وطن دریا ہے اس میں چار طرف ہیں سفر میں اب

---

باہم ہوئی ہے ترک ملاقات کیا سبب
اب کم بہت ہے ہم پہ عنایات کیا سبب
ہم تو تمہارے حسن کی حیرت سے ہیں خموش
تم ہم سے کوئی کرتے نہیں بات کیا سبب

---

دل کے گئے بے کس کہلائے ایسا کہاں ہمدم ہے اب
کون ایسے محروم و غمیں کا ہم راز و محرم ہے اب
سینہ زنی سے غم زدگی ہے سر دھننا ہے رونا ہے
دل جو ہمارا خون ہوا ہے اس سے بلا ماتم ہے اب
سُن کے حال کسو کے دل کا رونا ہی مجھ کو آتا تھا
یعنی کبھو جو کڑھنا تھا میں وہ رونا ہر دم ہے اب
زردی چہرہ تن کی نزاری بیماری پھر چاہت ہے
دل میں غم ہے مژگاں نم ہیں حال بہت درہم ہے اب
دیکھیں دن کٹتے ہیں کیونکر راتیں کیونکہ گزرتی ہیں
بے تابی ہے زیادہ زیادہ صبر بہت کم کم ہے اب
عشق ہمارا آہ نہ پوچھو کیا کیا رنگ بدلتا ہے
خون ہوا دل داغ ہوا پھر درد ہوا پھر غم ہے اب
جلنے والو پھر ملئے گا ہے وہ عالم دیگر میں
میر فقیر کو سُکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب

## دیوانِ ششم

ٹک ٹھہرنا بھی تو کہتے تھا کسو بجلی کی تاب　　یا کہ نکہت گل کی تھا آیا گیا عہدِ شباب

---

آج کل سے مجھ کو بے تابی و بدحالی ہے کیا　　مجھ مریض عشق کے کب سے نہ تھے آثار خوب

---

# ردیف تا

## دیوانِ اوّل

روزانہ ملوں یار سے یا شب ہو ملاقات
کیا فکر کروں میں کہ کسو ڈھب ہو ملاقات

نے بخت کی یاری ہے نہ کچھ جذب ہے کامل
وہ آپھی ملے تو ملے پھر جب ہو ملاقات

دُوری میں کروں نالہ و فریاد کہاں تک
اک بار تو اُس شوخ سے یارب ہو ملاقات

جاتی ہے غشی بھی کبھو آتے ہیں بخود بھی
کچھ لُطف اُٹھے بارے اگر اب ہو ملاقات

وحشت ہے بہت میرؔ کو مل آئیے چل کر
کیا جانیے پھر یاں سے گئے کب ہو ملاقات

---

سب ہوئے نادم پئے تدبیر ہو جاناں سمیت
تیر تو نکلا مرے سینے سے لیکن جاں سمیت

اُٹھ گیا پر وہ نصیحت گر کے لگ پڑنے سے میرؔ
پھاڑ ڈالا میں گریباں رات کو داماں سمیت

---

پلکوں پہ تھے پارۂ جگر رات — ہم آنکھوں میں لے گئے بسر رات
اک دن تو وفا بھی کرتے وعدہ — گزری ہے اُمیدوار ہر رات
مکھڑے سے اُٹھائیں اُن نے زلفیں — جانا بھی نہ ہم گئی کدھر رات
تو پاس نہیں ہوا تو روتے — رہ رہ گئی ہے پہر پہر رات
کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں — رو اُٹھتے تھے بیٹھ دوپہر رات
واں تم تو بناتے ہی رہے زلف — عاشق کی بھی یاں گئی گزر رات
ساقی کے جو آنے کی خبر تھی — گزری ہمیں ساری بے خبر رات
کھُلتی ہے جب آنکھ شب کو تجھ بن — کٹتی نہیں آتی پھر نظر رات
دن وصل کا یوں کٹا کہے تو — کاٹی ہے جُدائی کی مگر رات
کل تھی شبِ وصل اک ادا پر — اُس کے گئے ہوتے ہم تو مر رات
جاگے تھے ہمارے بختِ خفتہ — پہنچا تھا بہم وہ اپنے گھر رات
تھی صبح جو مُنہ کو کھول دیتا — ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات
پر زُلفوں میں مُنہ چھُپا کے بولا — اب ہووے گی میرؔ کس قدر رات

---

جی میں ہے یادِ رُخ و زلفِ سیہ فام بہت — رونا آتا ہے مجھے ہر سحر و شام بہت
دستِ صیاد تلک بھی نہ میں پہنچا جیتا — بے قراری نے لیا مجھ کو تہِ دام بہت

ایک دو چشمک اِدھر گردشِ ساغر کہ مدام
سر چڑھی رہتی ہے یہ گردشِ ایام بہت

دِل خراشی و جگر چاکی و خوں افشانی
ہوں تو ناکام پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیرِ زمیں میرؔ ہے آرام بہت

---

کیا کہیں اپنی اُس کی شب کی بات
کہیے ہووے جو کچھ بھی ڈھب کی بات

اب تو چُپ لگ گئی ہے حیرت سے
پھر کھُلے گی زبان جب کی بات

نکتہ دانانِ رفتہ کی نہ کہو
بات وہ ہے جو ہووے اب کی بات

کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم
ہے خُدا جانیے یہ کب کی بات

گو کہ آتش زباں تھے آگے میرؔ
اب کی کہیے گئی وہ تب کی بات

---

کیا کیا لکھا ہے میں نے وہ میرؔ کیا کہے گا
گم ہووے نامہ بر سے یارب مری کتابت

---

## دیوان دوم

دیر کچھ کھینچتی تو کہتے بھی ملاقات کی بات
ملنا اپنا جو ہوا اُس سے سو وہ بات کی بات

گفتگو شاہد وے سے ہے نہ غیبت نہ گلہ
خانقہ کی سی نہیں بات خرابات کی بات

مُنہ اِدھر اور سخن زیر لبی غیر کے ساتھ
اس فریبندہ کی ناگفتنی ہے گھات کی بات

یہ کس آشفتہ کی جمعیتِ دل تھی منظور
بال بکھرے ترے مُنہ پر کہیں ہیں رات کی بات

---

ہم تم سے چشم رکھتے تھے دل داریاں بہت
سو التفات کم ہے دل آزاریاں بہت

دیکھیں تو کیا دکھائے یہ افراطِ اشتیاق
لگتی ہیں تیری آنکھیں ہیں پیاریاں بہت

آزاریں تو عشق کے جاتا ہے بھُول جی
یُوں تو ہوئیں تھیں یادیں بیماریاں بہت

شکوہ خراب ہونے کا کیا چاہیے ہیں میرؔ
ایسی تو اے عزیز ہیں یاں خواریاں بہت

---

کیا کہوں پھر کیسے کیسے دن دکھانا سالہا
وہ سخن نشنو جو ٹک میرا کہا کرنا تھا رات

دیکھ خالی جا کہیں گے برسوں اہلِ روزگار
میرؔ اکثر دل کا قصّہ یاں کہا کرتا تھا رات

---

کیا پُوچھتے ہو آہ مرے جنگ جو کی بات
گویا وفا ہے عہد میں اُس کے کبھو کی بات

اس باغ میں نہ آئی نظر خُرّمی مری
گر سبز بھی ہوا ہوں تو جیسے کسو کی بات

آئینہ پانی پانی رہا اُس کے سامنے
کہیے جہاں کہوں یہ تو ہے روبرو کی بات

---

یُوں بارِ گُل سے اب کی جُھکے ہیں نہالِ باغ
جُھک جُھک کے جیسے کرتے ہیں دو چار یار بات
یوں چُپکے چُپکے میرؔ تلف ہو گا کب تلک
کچھ ہو وے بِھڑ کر اُس سے بھی کر ایک بار بات

---

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو پرائی بات
پر ہم سے تو تھمی نہ کبھو مُنہ پر آئی بات
اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو
جاتی نہیں ہے مجھ سے کسو کی اُٹھائی بات
خط لکھتے لکھتے میرؔ نے دفتر کئے رواں
افراطِ اشتیاق سے آخر بڑھائی بات

---

سخت کم رجی کیونکہ یک باری کریں ہم ترکِ شہر
ان گلی کوچوں میں ہم نے کھائے ہیں پتھر بہت
کیا سبب ہے اب مکاں پر جو کوئی پاتا نہیں
میرؔ صاحب آگے تو رہتے تھے اپنے گھر بہت

---

## دیوان سوم

میرؔ گُم گشتہ کا ملنا اتفاقی امر ہے
جب کبھو پایا ہے خواہش مند پایا ہے بہت

---

عجب نہیں ہے نہ جانے جو میرؔ چاہ کی ریت
سُنا نہیں ہے مگر یہ کہ جوگی کس کے میت

مت ان نمازیوں کو خانہ سازِ دیں جانو
کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے مسیت

ملے تھے میر سے ہم کل کنارِ دریا پر
فتیلہ مُو وہ جگر سوختہ ہے جیسے اتیت

---

لے شام سے جہاں میں ہے تا صبح ایک شور
اپنی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتی یاں کی بات

---

مُنہ لگاتا تو در کنار اُن نے | نہ کہا ہے یہ آشنا صورت
حلقے آنکھوں میں پڑ گئے مُنہ زرد | ہو گئی میر تیری کیا صورت

---

زخم جھیلے داغ بھی کھائے بہت | دل لگا کر ہم تو پچھتائے بہت
جب نہ تب جاگہ سے تم جایا کیے | ہم تو اپنی اور سے آئے بہت
گر بُکا اس شور سے شب کو ہے تو | روویں گے سونے کو ہمسائے بہت
میر سے پوچھا جو میں عاشق ہو تم
ہو کے کچھ چُپکے سے شرمائے بہت

---

کوشش اپنی تھی عبث پر کی بہت | کیا کریں ہم چاہتا تھا جی بہت
آج در ہم کرتے تھے کچھ گفتگو
میر نے شاید کہ دارو پی بہت

---

## دیوان چہارم

جب سے آنکھیں لگی ہیں ہماری نیند نہیں آتی ہے رات
تکتے راہ رہے ہیں دن کو آنکھوں میں جاتی ہے رات

سخت ہیں کیا ایّام جُدائی دشواری سے کٹتے ہیں
دن دیواروں سے سر ماروں ہوں پتھر سی چھاتی ہے رات

جو دن ہجر کے غم میں اُس کے شام و سحر ہم کرتے ہیں
ورنہ کسے دن خوش آتا ہے کس کے تئیں بھاتی ہے رات

روز و شب کی اپنی معیشت نقل کریں کیا تم سے میرؔ
دن کو قیامت جی پہ رہے ہے سر پہ بلا لاتی ہے رات

---

دل گئے پر آج کل سے چُپ نہیں مجھ کو لگی
گزری اس بھی بات کو اے ہم نفس مدت بہت

دل میں جا کرنا ہے طورِ میرؔ شاید دوستاں
اُن نے صاحب دل کسو سے رکھی ہے صحبت بہت

---

چشم رہنے لگی پُر آب بہت شاید آوے گا خونِ ناب بہت
دیر و کعبے میں اُس کے خواہش مند ہوتے پھرتے ہیں ہم خراب بہت

---

دل نے کام کئے ہیں ضائع دل بر ہے دل خواہ بہت
قدر بہت ہی کم ہے دل کی پر دل میں ہے چاہ بہت

حیرانی ہے کیونکر ہووے نسبت اپنی اُس سے دُرست
بندہ تو ہے عاجز عاجز اُس کو غرور اللہ بہت
سب کہتے ہیں رُوئے توجہ ایدھر کرنے کہتا تھا
شاید یوں بھی ظاہر ہووے ہے تو سہی افواہ بہت
اب تو ہے پیری حضرت ہو کر ایک کنارے بیٹھے ہیں
جب تھی جوانی تب تو ہم بھی جاتے تھے درگاہ بہت
کیا گزری ہے جی پہ تمہارے ہم سے تو کچھ میر کہو
آنے لگی ہے درد و الم سے صاحب لب پر آہ بہت

---

اب تو وفا و مہر کا مذکور ہی نہیں
تم کس سمیں کی کہتے ہو یہ ہے کہاں کی بات
شب باش اُن نے کہتے ہیں آنے کہا ہے میر
دن اچھے ہوں تو یہ بھی ہو اُس مہرباں کی بات

---

# دیوان پنجم

دِل کی نہ کی کہی نہیں جاتی نازک ہیں اسرار بہت
انچھر ہیں تو عشق کے دو ہی لیکن ہے بستار بہت
کافر مُسلم دونوں ہوئے پر نسبت اُس سے کچھ نہ ہوئی
بہت لئے تسبیح پھرے ہم پہنا ہے زُنّار بہت
ہجر نے جی ہی مارا ہمارا کیا کہئے کیا مشکل ہے
اُس سے جُدا رہنا ہوتا ہے ہم نے کھینچے ہیں آزار بہت

مُنہ کی زردی تن کی نزاری چشمِ تر پر چھائی ہے
عشق میں اُس کے یعنی ہم نے کھینچے ہیں آزار بہت

رات شہر سے اس بستی میں میرؔ کے اُٹھ جانے کی ہے
جنگل میں جو جلد لبا جا شاید تھا بیمار بہت

کس کو دماغ جواب رہا ضعف سے اب خاموش رہے
پھروں بکتا نصیحت گر سے میرؔ یہ ہے طاقت کی بات

---

## دیوان ششم

چشمکِ گُل کا لُطف بھی نہ اُٹھا — کم رہا موسمِ شباب بہت
ڈھونڈتے اُس کو کوچے کوچے پھرے — دل نے ہم کو کیا خراب بہت
دیر تک کعبے میں تھے شب بیہوش — پی گئے میرؔ جی شراب بہت

کیا کہیں حالِ دل درہم بہت — کُڑھتے ہیں دن رات اس پر ہم بہت
رہنا ہے ہجراں میں غم غصّے سے کام — اور وے بھی سُن کے ہیں برہم بہت
میرؔ کی بد حالی شب مذکور تھی — گڑھ گئے یہ حال سُن کر ہم بہت

خُشکی لب کی زردی رُخ کی نمناکی دو آنکھوں کی
جو دیکھے ہے کہے ہے ان نے کھینچا ہے آزار بہت
جی کے لگاؤ کئے سے ہم نے جی ہی جی جلتے دیکھے ہیں
اس پہ نہ جانا آہ بُرا ہے اُلفت کا ازار بہت

میرؔ دعا کر حق میں میرے تو بھی فقیر ہے مدت سے
اب جو کبھو دیکھوں اُس کو تو مجھ کو نہ آوے پیار بہت

## متفرقات

غیروں کے رہو گے دیر تک تم — ہم کو تو سویرے کریے رخصت
کیا تم سے کہیں سلوکِ ہجراں — دل میں نہ رکھی ہمارے حسرت

ہمیں عشق میں میرؔ چپ لگ گئی ہے
نہ شکر و شکایت نہ حرف و حکایت

# ردیف جیم

## دیوان چہارم

حال برا ہے تم کو ہم سے اتنی غفلت کیا ہے آج
کوئی گھڑی تو پاس رہو یاں پھر دن فرصت کیا ہے آج

میرؔ کھڑے اک ساعت ہی میں غش تم کرنے لگتے ہو
تاب نہیں کیا ضعف ہے دل میں جی بے طاقت کیا ہے آج

جینے سے ہم غم کشتوں کے خاطر تم بھی جمع کرو
کل تک کام نہیں کھینچے کا غش آتا ہے اکثر آج

عشق کیا ہو ہم نے کہیں تو عشق ہمارا جی مارے
یو نہیں نکو رُو دلبر اپنا ہم سے ہوا ہے بد نر آج

رحم کی جاگہ کی ہے پیدا شاید اُس کے دل میں بھی
دیکھ رہا ہے مُنہ کو ہمارے حال ہمارا سُن کر آج

کرتی ہے بُو زلفِ معنبر آئے ہوئے ہو بے خود سے کچھ
بارے مزاج شریف تمہارا میر گیا کیدھر ہے آج

---

## دیوان پنجم

کل ہی زباں جنیوں کے کئے ہیں عشق میں کیا کیا لوگوں نے
سادگی میری چاہ میں دیکھو ہیں ڈھونڈوں ہوں وارا آج

مبتہ ہوئے بے خود کب کے آپ میں بھی لوٹک آؤ
ہے دروازے پر انبوہ اک رفتہ شوق تمہارا آج

اُس کا بحرِ حُسن سراسر اوج و موج و تلاطم ہے
شوق کی اپنے نگاہ جہاں تک جاوے بوس و کنار ہے آج

گھر آئے ہو فقیروں کے تو آؤ بیٹھو لطف کرو
کیا ہے جان بن اپنے کنے سو ان قدموں پہ نثار ہے آج

کیا پُوچھو ہو سانجھ تلک پہلو میں کیا کیا تڑپا ہے
کل کی نسبت دل کو ہمارے بارے کچھ تو قرار ہے آج

سر اپنا عشق میں ہم نے بھی یوں تو پھوڑا تھا
پر اس کو کیا کریں اوروں کا اعتبار ہے آج

سحر سواد میں چل زرد پھولی ہے سرسوں
ہوا ہے عشق سے گُل زرد کیا بہار ہے آج

کسو کے آنے سے کیا اب کہ غش ہے کل دن سے
ہمیں تو اپنا ہی لے میر انتظار ہے آج

# ردیف جیم فارسی

## دیوانِ اوّل

عاشقی و بے کسی و رفتگی
جی رہا کب سے آزاروں کے بیچ

یارو مت اُس کا فریبِ مہر کھاؤ
میر بھی تھے اُس کے ہی یاروں کے بیچ

کر نہ تاخیر تُو اک شب کو ملاقات کے بیچ
دن نہ پھر جائیں گے عُشّاق کے اک رات کے بیچ

حرف زن مت ہو کسی سے تو کہ اے آفتِ شہر
جاتے رہتے ہیں ہزاروں کے سر اک بات کے بیچ

زندگی کس کے بھروسے پہ محبت میں کروں
اک دلِ غم زدہ ہے سو بھی ہے آفات کے بیچ

## دیوانِ دوم

فرہاد و قیس و میر آوارگانِ عشق
ایسے گئے ہیں سب کی رہی من کی من کے بیچ

جھوٹ ہر چند نہیں یار کی گفتار کے بیچ
دیر لیکن ہے قیامت ابھی دیدار کے بیچ
کس کی خوبی کے طلب گار ہیں عزت طلباں
خرفے بکنے کو چلے آتے ہیں بازار کے بیچ

---

## دیوان چہارم

آگئے نور سیم روشنی کی تھی جہاں کے بیچ
اب کیسے لوگ آئے زمیں آسماں کے بیچ
ہیں سب دماغ عشق اُٹھا سو چلا گیا
بُلبُل پکارتی ہی رہی گلستاں کے بیچ

---

## دیوان پنجم

آج ہمیں بدحالی سی ہے حال نہیں ہے جان کے بیچ
کیا عاشق ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جہاں کے بیچ
وعدے کرو ہو برسوں کے تم دم کا بھروسا ہم کو نہیں
کچھ کچھ ہو جاتا ہے یاں اک پل میں اک آن کے بیچ

---

فصلِ گُل میں اسیر ہوئے تھے من ہی کی رہی من کے بیچ
اب یہ ستم تازہ ہے ہم پر قید کیا ہے چمن کے بیچ

---

### دیوان ششم

لُطف جیسے ہیں اُس کی چاہ کے بیچ — رنج ویسے ہی ہیں نباہ کے بیچ

---

وامق و فرہاد مجنوں کون ہے یاروں کے بیچ
جو کہوں ہیں کوئی ہے میرے بھی غم خواروں کے بیچ

رونا کُڑھنا عشق میں دیکھا مراجن نے کہا
کیا جئے گا یہ ستم دیدہ ان آزاروں کے بیچ

منتظر برسوں رہے افسوس آخر مر گئے
دیدنی تھے لوگ اس ظالم کے بیماروں کے بیچ

---

# ردیف حائے حطی

### دیوان اوّل

لوہو میں شور بور ہے داماں وجیب میر
بپھرا ہے آج دیدۂ خوں بار بے طرح

---

بیں اور قیس وکوہ کن اب جو زباں پہ ہیں — مارے گئے ہیں سب یہ گنہ گار اک طرح
سب طرح ہیں اُس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں — پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار اک طرح

---

### دیوان پنجم

وہ نوبادۂ گلشنِ خوبی سب سے رکھے ہے نرالی طرح
شاخِ گُل سا جائے ہے لہکا اُن نے نئی یہ ڈالی طرح
مونڈھے چلے ہیں چولی چُسی ہے مہر پھنسی ہے بند کسے
اُس اوباش نے پہناوے کی ایسی نرالی نکالی طرح

# ردیف دال

### دیوانِ اوّل

نہ پڑھا خط کو یا پڑھا قاصد  آخر کار کیا کہا قاصد
اب غرض خامشی ہی بہتر ہے  کیا کہوں تجھ سے ماجرا قاصد

### دیوان دوم

یوں بھی سر چڑھتا ہے اے ناصح کوئی مجھ سے کہ ہائے
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح
جان کا صرفہ نہیں ہے کچھ تجھے کڑھنے میں میرؔ
غم کوئی کھاتا ہے میری جان غم کھانے کی طرح

ایذا ہے میر پر جو وہ تو کہوں ہی گا میں
بارے یہ کہہ کہ تیری خاطر میں کیا ہے شاہد

---

اے گُلِ نودمیدہ کے مانند
ہے تُو کس آفریدہ کے مانند
ہم اُمیدِ وفا پہ تیری ہوئے
غنچۂ دیر چیدہ کے مانند
میر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے لیک
بندۂ زر خریدہ کے مانند

---

قفس تو یاں سے گئے پر مُدام ہے صیّاد
چمن کی صبح کوئی دم کو شام ہے صیّاد
بہت ہیں ہاتھ ہی تیرے نہ کر قفس کی فکر
مرا تو کام انھیں میں تمام ہے صیّاد
چمن میں میں نہیں ایسا پھنسا کہ یوں چھوٹوں
مجھے تو ہر رگِ گُل تارِ دام ہے صیّاد
یہی گلوں کو تنک دیکھوں اتنی مہلت ہو
چمن میں اور تو کیا مجھ کو کام ہے صیّاد
ابھی کہ وحشی ہے اس کشمکش کے بیچ ہے میر
خدا ہی اُس کا ہے جو تیرا رام ہے صیّاد

---

بھولا ہے غمِ بُتاں میں جی
غرض آتا ہے پھر خدا ہی یاد
ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز
باغ ہے گھر ترا تو اے صیّاد

---

## دیوانِ دوم

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
اپنی بھی وفا یاد ہے اُس کی بھی جفا یاد
کعبے تو گئے بھول کے ہم دیر کا رستہ
آتا تھا دلے راہ میں ہر گام خدا یاد
اک لُطف کے شرمندہ نہیں میر ہم اُس سے
گویاں سے گئے اُن نے بہت ہم کو کیا یاد

---

رہے گی ایسی ہی گر بے کلی ہمیں اس سال — تو دیکھیو کہ رہے ہم قفس میں مر صیّاد
چمن کی یاد کے آتے خبر نہ اتنی رہی — کہ ہیں کدھر ہوں کدھر ہے قفس کدھر صیّاد
شکستہ بالی کو چاہے تو ہم سے ضامن لے — شکار موسم گل میں ہمیں نہ کر صیّاد
ہوا نہ داورِ گلزار اپنے ڈھب سے کہو — کھلا سو مُنہ پہ ہمارے قفس کا در صیّاد
سُنا ہے بھڑکی ہے اب کی بہت ہی آتشِ گل — چمن میں اپنے بھی ہیں خار و خس کے گھر صیّاد
لگی بہت رہیں چاکِ قفس سے آنکھیں لیک — پڑا نہ اب کی کوئی پھول گُل نظر صیّاد

---

لوہو آنکھوں میں اب نہیں آتا — زخم اب دل کے بھر گئے شاید
بے کلی بھی قفس میں ہے دشوار — کام سے بال و پَر گئے شاید
شور بازار سے نہیں اُٹھتا — رات کو میر گھر گئے شاید

---

لگا آگ پانی کو دوڑے ہے تُو — یہ گرمی تری اس شرارت کے بعد
کہے کو ہمارے کب اُن نے سُنا — کوئی بات مانی سو منّت کے بعد
سخن کی نہ تکلیف ہم سے کرو — لہو ٹپکے ہے اب شکایت کے بعد
نظر میر نے کیسی حسرت سے کی — بہت روئے ہم اُس کی رخصت کے بعد

## دیوان سوم

ہمیں اسیر تو ہونا ہے اپنا اچھا یاد — کشش نہ دام کی دیکھی نہ کوشش صیّاد
چمن میں یار ہمیں لے گئے تھے وا نہ ہوئے — ہمارے ساتھ یہی غم یہی دلِ ناشاد

---

دفترِ اعمال میرا بھول جاویں میر کاش — ہے قیامت اس جریدے کو جو دیکھیں فرد فرد

---

گزرتی ہے کیا میرؔ دل پہ ترے　　تو ہوتا ہے ہر لحظہ کچھ زرد زرد

---

## دیوانِ پنجم

اُس سے نہ اُلفت ہو مجھ کو تو ہووے میرا چہرہ زرد
ہاتھ نہ رکھوں کیوں میں دل پر رنج و بلا ہے قیامت درد

برسوں میں اقلیم جنوں سے دو دیوانے نکلے تھے
میرؔ آوارۂ شہر ہوا ہے قیس ہوا ہے بیاباں گرد

---

یہ عشق ہے یقینی حال ایسا کم سُنا ہے　　اے میرؔ دل کسو سے تیرا لگا ہے شاید

---

کیا جانے میرؔ کس کے غم سے ہے چُپ وگرنہ　　حرف و سخن میں کیا ہی ہے یہ جواں زباں زد

---

کچھ ہوش نہ تھا منبر و محراب کا ہم کو　　صد شکر کہ مسجد میں ہوئے مستی میں وارد

---

کچھ تدبیر بتاؤ ہم کو دل اپنا ہے درد آلود
خاک اُڑاتے کہاں تک پھریے چہرہ سب ہے گرد آلود

---

اسلامی کُفری کوئی ہو ہے شرط ورد عشق
دونوں طریق میں نہیں ناکارہ دردمند

---

# ردیف رائے مہملہ

## دیوان اوّل

کرتا ہے کون منع کہ سج اپنی تُو نہ دیکھ
لیکن کبھی تو میرؔ کے کر حال پر نظر

---

غیروں سے وے اشارے ہم سے چُھپا چُھپا کر
پھر دیکھنا ادھر کو آنکھیں مِلا مِلا کر

ہر گام سدِّ رہ تھی بُت خانے کی محبت
کعبے تلک تو پہنچا لیکن خُدا خُدا کر

ناصح مرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق
گو دڑ گیا گریباں سارا سِلا سِلا کر

اس حرفِ ناشنو سے صحبت بگڑ ہی جا ہے
ہر چند لاتے ہیں ہم باتیں بنا بنا کر

بس منع میرؔ تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ
کھوئی نہ جان تُو نے دل کو لگا لگا کر

---

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی لے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہلِ دل ضبطِ نفس بہتر

---

کیا تذکرہ کروں ہوں خوشی تجھ سے ہم سفر
آیا جو میں چمن میں تو جاتی رہی بہار

کس ڈھب سے راہِ عشق چلوں ہے یہ ڈر مجھے
پھوٹیں کہیں نہ آبلے ٹوٹیں کہیں نہ خار

---

خُدا جانے کہ کیا خواہش ہے جی کو
نظر اپنی نہیں ہے مہرِ دکیں پر

پر افشانی قفس ہی کی بہت ہے
کہ پروازِ چمن قابل نہیں پر

---

میرؔ صاحب زمانہ نازک ہے — دونوں ہاتھوں سے تھامیے دستار
سہل سی زندگی پہ کام کے تئیں — اپنے اوپر نہ کیجیے دشوار
چار دن کا ہے مشغلہ یہ سب — سب سے رکھیے سلوک ہی ناچار
کوئی ایسا گناہ اور نہیں — یہ کہ کیجیے ستم کسی پر بار
واں جہاں خاک کے برابر ہے — قدرِ ہفت آسمانِ ظلم شعار
یہی درخواست پاس دل کی ہے — نہیں روزہ نماز کچھ درکار
درِ مسجد پہ حلقہ زن ہو تم — کہ رہو بیٹھ خانۂ خمار
جی میں آوے سو کیجیو پیارے — ایک ہونا نہ درپئے آزار
حاصل دو جہان ہے اک حرف — ہو مری جان آگے تم مختار

---

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے — پچھتاؤگے سنو ہو یہ بستی اُجاڑ کر
یارب رہِ طلب میں کوئی کب تلک پھرے — تسکین دے کہ بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر
منظور ہو نہ پاس ہمارا تو حیف ہے — آئے ہیں آج دُور سے ہم تجھ کو تاڑ کر

---

جانا ہے آسماں لئے کوچے سے یار کے — آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر
تیرے خرامِ ناز پہ جاتے ہیں جی چلے — رکھ ٹک قدم زمیں پہ ستمگار دیکھ کر
جی میں تھا اُس سے ملئے تو کیا کیا نہ کہیے میرؔ — پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

---

کہتا ہے کون تجھ کو یاں یہ نہ کر تو وہ کر
پر ہو سکے تو پیارے دل میں بھی ٹک جگہ کر

کیا قصر دل کی تم سے ویرانی نقل کریے
ہو ہو گئے ہیں ٹیلے سارے مکان ڈھ کر

رنگ شکستہ اپنا بے لُطف بھی نہیں ہے
یاں کی تو صبح دیکھی اک آدھ رات رہ کر
ایکوں کی کھال کھینچی، ایکوں کو دار کھینچا
اسرار عاشقی کا پچھتائے یار کہہ کر
کیوں تو نے آخر آخر اُس وقت مُنہ دکھایا
دی جان میر نے جو حسرت سے اک نگہ کر

---

شیخ کا اب کمال ہے کچھ اور — حال ہے اور قال ہے کچھ اور
وعدے برسوں کے کن نے دیکھے ہیں — دم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور
نہ ملیں گو کہ ہجر میں مر جائیں — عاشقوں کا وصال ہے کچھ اور
میر تلوار چلتی ہے تو چلے — خوش خراموں کی چال ہے کچھ اور

---

شکوۂ آبلہ ابھی ہے میر — ہے پیارے ہنوز دلّی دُور

---

ہو آدمی اے چرخ ترکِ گردش ایّام کر
خاطر سے ہی مجھ مست کی تائید دورِ جام کر
مردہ کہیں بھی میر جا سرگشتہ پھرنا تا کُجا
ظالم کسو کا سُن کہا، کوئی گھڑی آرام کر

---

کوئی ہوتا ہے دل طپش سے بُرا — ایک دم کے لہو نہ پینے پر
جور دل پر سے کیا ہوں آزردہ — میر اس چار دن کے جینے پر

---

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے — یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
اُس کے اوپر کہ دل سے تھا نزدیک — غم دُوری چلے ہیں ہم لے کر
میرؔ صاحب ہی چُوکے اے بدعہد — ورنہ دینا تھا دل قسم لے کر

---

سوتا تھا بے خبر تو نشے میں جو رات کو — سو بار میرؔ نے تری اُٹھ اُٹھ کے خبر لی

---

وے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے — پیدا کیے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر
جھمکے دکھا کے باعث ہنگامہ ہی رہے — پر گھر سے در پہ آئے نہ تم بات مان کر
افسانہ ما و من کے سُنیں میرؔ کب تلک — چل اب کہ سو رہیں منہ پہ دوپٹے کو تان کر

---

## دیوان دوم

پھر بھی اُٹھائی سر پہ تم نے زمیں سب آکر — کیا کیا ہوا تھا تم سے کچھ آگے یاں زمیں پر
پست و بلندیاں کا ہے اور ہی طرف سے — اپنی نظر نہیں ہے کچھ آسماں زمیں پر

---

اک بار تُو نے آکر خاطر نہ رکھی میری
میں جی سے اپنے گزرا سو بار تیری خاطر
گو دل دھسک ہی جاوے آنکھیں بچھی ہی دیں
سب اُونچ نیچ کی ہے ہموار تیری خاطر
تجھ سے دو چار ہونا پھر آہ بن نہ آیا
دی جان میرؔ جی نے ناچار تیری خاطر

---

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز — آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر
موزوں کرو کچھ اور بھی شاید کہ میر جی — رہ جائے کوئی بات کسو کی زبان پر

دامن میں آج میر کے داغِ شراب ہے — تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر

دل لے چکے دکھا کے رُخِ خوب کو بھی — اب مُنہ چھپا جو بیٹھے یہ حُسن طلب ہے اور
اسباب مرگ کے تو مہیا ہیں سارے میر — شاید کہ زندگانی کا اپنی سبب ہے اور

بے بس ہے میر تجھ بن رہتا نہیں دل اُس کا — ٹک تُو بھی اے ستم جُو، جور و ستم کو بس کر

وہ کیا یہ دل لگی ہے فنا میں کہ رفتگاں — مُنہ کر کے بھی نہ سوئے کبھو پھر جہاں کی اور
کیا حال ہو گیا ہے ترے غم میں میر کا
دیکھا گیا نہ ہم سے تو ٹک اُس جواں کی اور

نئے طور سیکھے نکالے ڈھب اور — مگر اور تھے تب ہوئے ہو اب اور
نہ گرمی نہ جوشش نہ اب وہ تپاک — تکلف نہیں اس میں تھے تم تب اور
زمانہ مرا کیونکہ یکساں رہے — اُٹھاویں گے تیرے ستم ہی کب اور
خدا اتفاقاً رہا ایک میر
وگرنہ ملے یوں تو اُس سے سب اور

مرتے ہیں میر سب پہ نہ اس بے کسی کے ساتھ — ماتم میں تیرے کوئی نہ رویا پکار کر

یکا یک یوں نہیں ہوتے ہیں پیارے جان کے لاگو
کبھو آدم ہی سے ہو جاتی ہے تقصیر بھی آخر
پھرے ہے باؤلا سا پیچھے ان شہری غزالوں کے
بیاباں مرگ ہو گا اس چلن سے میرؔ بھی آخر

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

یہ بے مروتی کہ نگہ کا مضائقہ اتنا تو میری جان نہ مجھ سے بیان کر

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

جب تک شگاف تھے کچھ اتنا نہ جی رکے تھا
پچھتائے ہم نہایت سینے کے چاک سی کر
تھی جب تلک جوانی رنج و تعب اٹھائے
اب کیا ہے میرؔ جی میں ترک ستم گری کر

~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار
کہیو ہم صحرا نوردوں کا تمامی حال زار
خاکِ دہلی سے جدا ہم کو کیا یک بارگی
آسماں کو تھی کدورت سو نکالا یوں غبار
منصبِ بلبل غزل خوانی تھا سو تو ہے اسیر
شاعری زاغ و زغن کا کیوں نہ ہووے اب شعار
طائر خوش زمزمہ کنج قفس میں ہے خموش
چہچہے چڑیاں کرہ بن ہیں صحن گلشن میں ہزار
برگِ گل سے بھی کیا نہ ایک نے ٹک ہم کو یاد
نامہ و پیغام پرسش بے مراتب درکنار
~~~~~~~~~~~~~~~~~~~~

بُلبُل خوش لہجہ کے جانے پہ گو غوغائیاں
طرح غوغا کی چمن میں ڈالیں پر کیا اعتبار

طائرانِ خوش لب و لہجہ نہیں رہتے چھپے
شور سے ان کے بھرے ہیں قریہ و شہر و دیار

شہر کے کیا ایک دو کوچوں میں تھی شہرت رہی
شہروں شہروں ملکوں ملکوں ہے اُنہوں کا اشتہار

کیا کہوں سوئے چمن ہوتا جو میں سرگرم گشت
پھول گُل جب کھِلنے لگتے جوش زن ہوتی بہار

شور سُن سُن کر غزل خوانی کا میرے ہم صفیر
غنچہ ہو آتے جو ہوتا آب و رنگ شاخسار

خوش نوائی کا جنہیں دعویٰ تھا وہ رہ جاتے خموش
جن کو میں کرتا مخاطب اُن کو ہوتا افتخار

بعضوں کو رشکِ قبولِ خاطر و لُطفِ سُخن
بعضوں کا سینہ فگار و بعضوں کا دل داغ دار

ایک کے ہونٹوں کے اُوپر آفریں اُستاد تھا
ایک کہتا تھا رسوخِ دل ہے اپنا استوار

ربط کا دعویٰ تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم
جانتے ہیں ذاتِ سامی ہی کو ہم سب خاکسار

نقل کرتے کیا یہ صحبت منعقد جب ہوتی بزم
بیٹھ کر کہتے تھے مُنہ پر میرے بعضے بعضے بار

بندگی ہے خدمتِ عالی میں ہم کو دیر سے
واہ وا ہی رابطہ رحمت ہے یہ اخلاق و پیار

سو نہ خط اِن کا نہ کوئی پرچہ پہنچا مجھ تلک
واہ واہی رابطِ رحمت ہے یہ اخلاق و پیار

رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں مری دونوں سفید
بس کہ نامے کا کیا یاروں کے میں نے انتظار

لکھتے گر دو حرف لُطف آمیز بعد از چند روز
تو بھی ہوتا اِس دلِ بے تاب و طاقت کو قرار

سو تو یک ننوشتنہ کاغذ بھی نہ آیا میرے پاس
اُن ہم آوازوں سے جن کا میں کیا ربط آشکار

خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے
آویں گے گھر بار کی تیرے خبر کو بار بار

جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر کا ہے کا پاس
آفریں صد آفریں اے مردمانِ روزگار

اب بیاباں اور بیاباں ہے مرا شور و فغاں
گو چمن میں خوش کی تم نے میری جائے نالہ زار

مُنہ پہ آویں گے سُخن آلودۂ خُونِ جگر
کیونکہ یارانِ زماں سے چاک ہے دل جوں انار

لب سے لے کر تا سخن ہیں خونچکاں ٹکڑے بھرے
لیک ہے اِظہار ہر ناکس سے اپنا ننگ و عار

چُپ بھلی گو تلخ کامی کھینچتی اس میں پڑے
بیت بجتی طبع نازک پر ہے اپنی ناگوار

بس قلم رکھ ہاتھ سے جانے بھی دے یہ حرف میر
کاہ کے چاہے نہیں کہسار ہوتے بے وقار
کام کے جو لوگ صاحب فن ہیں وہ محسود ہیں
بے تہی کرتے رہیں گے حاسدانِ نابکار

---

## دیوانِ سوم

اے مرغ چمن صبح ہوئی زمزمہ سر کر
دم کھینچ تہِ دل سے کوئی ٹکڑے جگر کر

کسب اور کیا ہوتا عوض ریختے کے کاش
پچھتائے بہت میر ہم اس کام کو کر کر

---

میں میر ترک لے کر دنیا سے ہاتھ اٹھایا
درویش تو بھی تو ہے حق میں مرے دعا کر

---

دل جو بجا نہیں ہے وحشی سا میں پھروں ہوں
تم جائیو نہ ہرگز میرے دوانے پن پر

تب ہی بھلے تھے جب تک حرف آشنا نہ تھے ہم
لینے لگے لڑائی اب تو سخن سخن پر

---

کس طرح میر جی کا ہم توبہ کرنا مانیں
کل تک تھے داغ مے کے سب اُن کے پیرہن پر

---

مبارک تمہیں میر ہو عشق کرنا
بہت ہم تو پچھتائے دل کو لگا کر

---

مذہب سے میرے کیا تجھے میرا دیار اور
میں اور یار اور مرا کاروبار اور

بندے کو ان فقیروں میں گنیے نہ شہر کے
صاحب نے میرے مجھ کو دیا اعتبار اور

کس کو فقیری میں سر و دل حرف کا ہے میر
کرتے ہیں اس باغ پہ ہم انکسار اور

جب تک بہار رہتی ہے رہتا ہے مست تُو
عاشق ہیں میرؔ ہم تو ترے عقل و ہوش پر

---

## دیوان چہارم

تقدیسِ دل تو دیکھ ہوئی جس کو اُس سے راہ
سر دیں ہیں لوگ اُس کے قدم کے نشان پر

---

میرؔ نہ ہم کہتے تھے تجھ سے حال نہیں کچھ رہنے کا
چاہ بلائے جان و دل ہے آ جانے دے چاہ نہ کر

---

جُدائی تا جدائی فرق ہے ملتے بھی ہیں آ کر
فراق ایسا نہیں ہوتا کہ پھر آتے نہیں جا کر

سبد پھولوں بھرے بازار میں آئے ہیں موسم میں
نکل کر گوشۂ مسجد سے تو بھی میرؔ سودا کر

---

آگے زمیں کی نہ ہیں ہم سے بہت تھے تو بھی
سر پر زمیں اُٹھائی ہم بے تہوں نے آکر

اب تو پھر وہ ہو بے غم تب میرؔ جانیں گے ہم
اچھے رہو گے جب تم دل کو کہیں لگا کر

دل نہیں دردمند اپنا میرؔ آہ نالے اثر کریں کیوں کر

## دیوان پنجم

اپنے موئے بھی رنج و بلا ہے ہمسایوں کی جانوں پر
کیا کیا سینہ زنی رہتی ہے درد و غم کے فسانوں پر
ہیں تو کیا کیا حرف و سخن تھے میرے جہاں سے جاتے رہے
باتیں درد آگیں ہیں اب تک کیسی کیسی زبانوں پر
عشق عجائب زور آور ہے کشتی سب کی پاک ہوئی
ذکر میرؔ ہے کیا پیری میں حرف و سخن ہے جوانوں پر

---

عشق خدائی خراب ہے ایسا جس سے گئے ہیں گھر کے گھر
کعبہ و دیر کے ایوانوں کے گر پڑے ہیں سب اور کے در

حالِ پریشاں سُن مجنوں کا کیا جلتا ہے جی اپنا
عاشق ہم بھی میرؔ رہے ہیں اس ڈھب کے دیوانے پر

---

## دیوانِ ششم

دل گئے آفت آئی جانوں پر | یہ فسانہ رہا زبانوں پر
عشق بن ہوش و صبر سُنتے تھے | رکھ گئے ہاتھ سو تو کانوں پر
عرش و دل دونوں کا ہے پایہ بلند | سیر رہتی ہے ان مکانوں پر

---

بس نہ لگ چل نسیم مجھ سے کہ میں
رہ گیا ہوں چراغ سا بجھ کر

---

# ردیف رائے ہندی

## دیوانِ اوّل

زخم دروں سے میرے نہ ٹک بے خبر رہو — اب ضبطِ گریہ سے ہے اِدھر ہی کو سب نچوڑ
کچھ کوہ کن ہی سے نہیں تازہ ہوا یہ کام — بہتیرے عاشقی میں موئے سر کو پھوڑ پھوڑ
بے طاقتی سے میرؔ لگے چھوٹنے پر ان — ظالم خیال و جھینے کا اُس کے اب تو چھوڑ

---

# ردیف زائے معجمہ

## دیوانِ اوّل

مرگیا میں پہ مرے باقی ہیں آثار ہنوز — تر ہیں سب سر کے لہو سے در و دیوار ہنوز
دل بھی پُر داغِ چمن ہے پہ اسے کیا کیجئے — جی سے جاتی ہی نہیں حسرتِ دیدار ہنوز
بدنہ لے جائیو پوچھوں ہوں تجھی سے یہ طبیب — یہ ہوا کوئی بھی اس درد کا بیمار ہنوز

---

## دیوان دوم

مُدّت سے میرؔ بے دل و دیں دلبروں میں ہے — کرتا نہیں ہے اس کی کوئی دلبری ہنوز

برسوں ہوئے کہ رات کو ٹک بیٹھتے نہیں  رہتے ہیں تم کو میرؔ کیا ایسے کام روز

## دیوان چہارم

مدت سے میرے دل وو دین دلبروں میں ہے
کرتا نہیں ہے اس کی کوئی دلبری ہنوز

سادگی دیکھ اُس جفا جو سے  ہم نہیں کرتے احتراز ہنوز
معتبر کیا ہے میرؔ کی طاعت  رہن بادہ ہے جا نماز ہنوز

## دیوان پنجم

آنکھ لگے اک مدت گزری پائے عشق جو بیچ میں ہے
ملتے ہیں معشوق اگر تو ملتے ہیں شرمائے ہنوز
ایسی معیشت کر لوگوں سے جیسی غم کش میرؔ نے کی
برسوں ہوئے ہیں اُٹھ گئے اُن کو روتے ہیں ہمسائے ہنوز

# ردیف سین

## دیوان اوّل

یوں گنواتا ہے دل کوئی مجھ کو
یہی آتا ہے بار بار افسوس

قتل تو گر نہیں کرے گا خوشی
یہ توقع تھی تجھ سے یار افسوس

رُخصتِ سیرِ باغ تک نہ ہوئی
یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

خوب بد عہد تو نہ مِل لیکن
میرے تیرے تھا یہ قرار افسوس

## دیوانِ دوم

یہی گالی یہی جھڑکی یہی چھیڑ
نہ کچھ میرا کیا تُو نے کبھو پاس

دردمندوں سے تمہیں دُور پھرا کرتے ہو کچھ
پوچھنے ورنہ سبھی آتے ہیں بیمار کے پاس

اختلاط ایک تمہیں میر ہی غم کش سے نہیں
جب نہ تب یوں تو نظر آتے ہو دو چار کے پاس

رہتے تھے ہم وے آٹھ پہر یا تو پاس پاس
یا اب پھٹک نہیں ہے کہیں اُن کے آس پاس

وحشی ہے میرؔ ربط ہے اُس سے خلافِ عقل
بیٹھے سو جل کے کیا کوئی ایسے اُداس پاس

---

## دیوانِ سوم

چمن کے غم میں سینہ داغ ہے میرؔ — بہت نکلی ہماری بھی ہوس بس

---

چاہ میں ہم نہیں زیادہ طلب — کبھو پوچھو جو تم خبر ہے بس
چشم پوشی نہ کر فقیر ہے میرؔ — مہر کی اُس کو اک نظر ہے بس

---

لگا ہے حوصلہ بھی کرنے تنگی — غموں کی اب سمائی ہو چکی بس
گلے میں گیروی کفنی ہے اب میرؔ — تمہاری میرزائی ہو چکی بس

---

## دیوانِ چہارم

خوش حال وے جو حال کہیں دلبروں سے دیر
رویا نہ میں تو ایک گھڑی اپنے یار پاس

---

اب نہیں ہوتی چشم تر افسوس — بہ گیا خون ہو جگر افسوس
دیدنی ہے یہ خستہ حالی لیک — ایدھر اس کی نہیں نظر افسوس
میر ہمراہ ہے دل کا ملال — [illegible] افسوس

---

# دیوان پنجم

یار ہم سے جدا ہوا افسوس
نہ جدا ہو کے پھر ملا افسوس

جب تلک آن کر رہے مجھ پاس
مجھ میں تب تک نہ کچھ رہا افسوس

سب سے بیگانگی کی جس کے لئے
وہ نہیں ہم سے آشنا افسوس

رات دن ہاتھ ملتے رہتے ہیں
دل کے جانے کا ہے بڑا افسوس

مجھ کو کرنا تھا احتراز اُس سے
ہائے افسوس کیا کیا افسوس

کوئی دن کم ہے معیشت جا کسو کامل کے پاس
ناقصوں میں رہیے کیا رہیے تو صاحب دل کے پاس

آنکھ کھلتے گئی بہار افسوس
گل کو دیکھا بھی نہ ہزار افسوس

جس کی خاطر ہوئے کنارہ گزیں
نہ ہوئے اُس سے ہم کنار افسوس

بے قراری نے یوں ہی جی مارا
اُس سے تے عہد نے قرار افسوس

خوں ہوئی دل ہی میں امیدِ وصال
مر رہے جی کو مار مار افسوس

چارۂ اشتیاق کچھ نہ ہوا
وہ نہ ہم سے ہوا دوچار افسوس

کیا میر اسیروں کو درِ باغ جو وا ہو
ہے رنگِ ہوا دیکھنے کو چاکِ قفس بس

کیا کیا تم نے ہم سے کہا تھا کچھ نہ کیا افسوس افسوس
کیا کیا کڑھایا جی سے مارا لوہو پیا افسوس افسوس

نورِ چراغ جان میں تھا کچھ پو نہیں نہ آیا لیکن وہ
گل ہو ہی گیا آخر کو یہ مجھتا سا دیا افسوس افسوس

میر کی آنکھیں مُند نے پردہ دیکھنے آیا تھا ظالم
اور بھی یہ بیمارِ محبت ٹک نہ جیا افسوس افسوس

---

متفرقات

گرد سر پھر کے کرتے پھروں پاس سو تو ہم لوگ اُس کے آس نہ پاس
دل نہ باہم ملے تو ہجراں ہے ہم وے رہتے ہیں گو کہ پاس ہی پاس
میر وحشی کا دل ہے بے طاقت چلنا پھرنا ہے پر اُداس اُداس

---

# ردیف شین

دیوان اوّل

ان مغبچوں کے کوچے ہی سے ہیں کیا سلام
کیا مجھ کو طوف کعبہ سے میں رند دُرد نوش

---

## دیوانِ دوم

گُل کو ہوتا صبا قرار اے کاش ‏ ‏ رہتی اِک آدھ دن بہار اے کاش
یہ جو دو آنکھ مُند گئیں میری ‏ ‏ اس پہ وا ہوتیں ایکبار اے کاش
کن نے اپنی مصیبتیں نہ گنیں ‏ ‏ رکھتے میرے بھی غم شمار اے کاش
جان آخر تو جانے والی تھی ‏ ‏ اس پہ کی ہوتی میں نثار اے کاش
اس میں راہِ سخن نکلتی تھی ‏ ‏ شعر ہوتا ترا شعار اے کاش
بے اجل میر اب پڑا مرنا ‏ ‏ عشق کرتے نہ اختیار اے کاش

---

کرتے ہیں سب تمنا پر میر جی نہ اتنی ‏ ‏ رکھے گی مار تم کو پایانِ کار خواہش

---

کس اعتبار دل کے تئیں گُل کہیں ہیں لوگ
مُجھ پاس تو مُندی ہی کلی سا رہا ہمیش
واقف نہیں ہوں میرسے تو پر تمام شب
کرتا ہے شور آن کر ایک بے نوا ہمیش

---

## دیوان سوم

پاؤں پڑتا ہے کہیں آنکھیں کہیں ‏ ‏ اُس کی مستی دیکھ کر جاتا ہے ہوش

---

طرح خوش ناز خوش اُس کی ادا خوش ‏ ‏ خوشا ہم جو نہ رکھے ہم کو ناخوش

بتوں کے غم میں نالاں جب تب ہوں
نہ راضی خلق مجھ سے نے خدا خوش
کلی رنگینی ہے گُل ہے دل پریشاں
کسو کی اس چمن میں گزرے کیا خوش
جہانِ تنگ کڑھنے ہی کی جا تھی
کوئی دن میں تکلّف سے رہا خوش
گیا اس شہر ہی سے میرؔ آخر
تمہاری طرزِ بد سے کچھ نہ تھا خوش

---

یک پتنگے کو شمع روئے میرؔ
اس کی شب کو بھی ہے سحر در پیش

---

## دیوان چہارم

جاتے ہیں رنگ و بوئے گُل و آب جو چلے
آئی نہ خوش ہمیں تو یہ گلزار کی روش
مائل ہوا ہے سروِ گلستاں کا دل بہت
کچھ آ گئی تھی اس میں فدِ یار کی روش
یوں سر کھپے عشق میں پھرتے نہیں ہیں میرؔ
اظہار بھی کریں ہیں تو اظہار کی روش

---

ہمواری سے ہیں نرم و خشن ایک سے دونوں
خوش ہیں نہ گُلِ تر سے نہ ہم خار سے ناخوش
سر رشتۂ دل بند نہیں زلف و کمر میں
کیا جانیے ہم کس لیے ہیں یار سے ناخوش
ہے عشق میں صحبت مرے خوباں کی عجب کچھ
اقرار سے بیزار ہیں انکار سے ناخوش
خوش رہتے ہیں احباب بہم ربط کے سے
رہتے ہو تمہیں ایک مرے پیار سے ناخوش

اک بات کا بھی لوگوں میں چھپٹ اسے کرنا
ہم ہیں گے بہت میر کے بستار سے ناخوش

# دیوان پنجم

رکھتے رہے بتوں سے مہر و وفا کی خواہش
اس آرزو نے مارا یہ بھی خدا کی خواہش
حیران کارِ الفت لے میر چپ ہوں ہیں تو
پوچھا کرو ہو ہر دم کیا ہے نوا کی خواہش

رنج و غم آئے بیشتر در پیش
راہ رفتن ہے اب مگر در پیش
خانہ روشن نہ پتنگوں نے کیا
ہے چراغوں کو بھی سحر در پیش

کیسا خود گم سر بکھیرے میر ہے بازار میں
ایسا اب پیدا نہیں ہنگامہ آرا دل فروش

پھول گل کچھ نہ سنے کھلی جب چشم
اور بھی رہتی اب بہار اے کاش
اب وہی میر سر کھپاتا ہے
ہم کو ہوتا نہ اس سے پیار لے کاش

آباد اجڑا لکھنؤ چغدوں سے اب ہوا
مشکل ہے اس خرابے میں آدم کی بود و باش
عمر عزیز باس ہی بس جاتی ہے چلی
امیدوار اس کے نہ ہم ہوتے میر کاش

# ردیف صاد

## دیوان پنجم

شاعری شیوہ ہے شعار اخلاص | دین و مذہب مرا ہے پیارا اخلاص
اب کہاں وہ مودتِ قلبی | ہو وے ظاہر ہیں یوں ہزار اخلاص

---

# ردیف طا

## دیوانِ دوم

عشق کی رہ نہ چل خبر ہے شرط | اوّلِ گام ترکِ سر ہے شرط
دعوئ عشق یوں نہیں صادق | زردئ رنگ وچشم تر ہے شرط
دل کا دینا ہے سہل کیا اے میرؔ | عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

---

کرتے نہیں ہیں اس سے نیا کچھ ہم اختلاط
ہوتا تھا اگلے لوگوں میں بھی باہم اختلاط
کس طور اتفاق پڑی صحبت اس سے دیر
ہے میرؔ بے دماغ و قیامت کم اختلاط

---

## دیوان چہارم

دل کا لگا ناجی کا کھونا ہے اس کو جگر سے پیارے شرط
سو تو بہا تھا خون ہو آگے پہلے داؤں ہارے شرط

---

## دیوانِ پنجم

جس کو ہوا ہے اُس صنم بے وفا سے ربط
اُس کو خُدا ہی ہووے تو ہو کچھ خدا سے ربط

گل ہو کے برگ برگ ہوئے بکھر ہوا ہوئے
رکھتے ہیں اس چمن کے جو غنچے صبا سے ربط

کرنی ہے آدمی کو دُنی صحبتِ فقیر
اچھا نہیں ہے میر سے بے نہ گدا سے ربط

---

شیریں لباں جہاں کے نہیں چھوٹ جانتے
ہوں گو کہ میر صاحب و قبلہ کم اختلاط

---

# ردیف ظا

## دیوانِ سوم

کہا دردِ دل رات کیا میرؔ نے　　اُٹھایا بہت اس کہانی سے حظ

---

## دیوانِ پنجم

رونے کُڑھنے کو عاشق کہو ہو ہم تو تمہارے دعا گو ہیں
یوں نہیں ہمیشہ عشق ہیں اُس کے رکھے ایسا خدا حافظ
زردی مُنہ کی اشک کی سُرخی دونوں اب تو رنگ پہ ہیں
شاید میرؔ بہت رہتے ہو اس سے ہو کے حسدالمحظوظ

---

# ردیف غین

## دیوانِ سوم

صحبت کسو سے رکھنے کا اُس کو نہ تھا دماغ　　تھا میرؔ بے دماغ کو بھی کیا بلا دماغ
باتیں کرے بہ تشنگیٔ دل کی پر کہاں　　کرتا ہے اس دماغ جلے کا وفا دماغ

دو حرف زیر لب کہے پھر ہوگیا خموش — یعنی کہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ
گر فکر اپنی طاقتِ فکری جو ہو ضعیف — اب شعر و شاعری کی طرف کب لگا دماغ
آتش زبانی شمع نمط میرؔ کی بہت — اب چاہیے معاف رکھیں جل گیا دماغ

---

## دیوانِ چہارم

دل جلے ہم نہیں رہے بے کار — زخم کاری اٹھائے کھائے داغ
جل گئے دیکھ گرمیٔ اغیار — آئے اس کوچے سے تو آئے داغ
دیکھے دامن کے نیچے سے ہیں دیئے — میرؔ نے کرتے تلے چھپائے داغ

---

## دیوانِ پنجم

غم کھنچا رائگاں دریغ دریغ — ہم ہوئے خستہ جاں دریغ دریغ
عشق میں جی بھی ہم گنوا بیٹھے — ہو گیا کیا زیاں دریغ دریغ
سب سے کی دشمنی جنہوں کے لئے — وے ہیں نامہرباں دریغ دریغ

---

ہم کو شہر سے اس مہ کے ہے عزم راہ دروغ دروغ
بے حرکت تو ہم نہ کریں گے خانہ سیاہ دروغ دروغ
عشق کے مارے غم زدگاں سے انس کرے بہتان و کذب
اس بے مہر کی ہم لوگوں سے الفت چاہ دروغ دروغ

کس دلبر کو شوق سے دیکھا میر غلط ہے تہمت ہے
منہ پہ کسو کے پڑتی نہیں ہے گاہ نگاہ دروغ دروغ

---

کیا کہیے یاں اب کی جنوں میں سینہ اپنا یک سر داغ
ہاتھ گلوں سے گل دستے ہیں شمع نمط ہے سر پر داغ
صحبت در گیر آنے اُس کی پہر گھڑی ساعت نہ ہوئی
جب آئے ہیں گھر سے اُس کے تب آئے ہیں اکثر داغ

---

# ردیف فا

## دیوانِ اوّل

آج کل کاہے کو بتلاتے ہو گستاخی معاف
راستی یہ ہے کہ وعدے ہیں تمہارے سب خلاف
شیخ مت رو کش ہو مستوں کا تو اِس جبّے اُپر
لیتے استنجے کا ڈھیلا تیری ٹل جاتی ہے ناف

---

کوئی دادِ دل آہ کس سے کرے
ہر اک ہو سو اُس فتنہ گر کی طرف
محبت نے شاید کہ دی دل میں آگ
دھواں سا ہے کچھ اُس نگر کی طرف
لگیں ہیں ہزاروں ہی آنکھیں اُدھر
اک آشوب ہے اُس کے گھر کی طرف

## دیوانِ سوم

کیا پیام و سلام ہے موقوف　　رسم ظاہر تمام ہے موقوف
اُفتد امیر ہم سے کس کی ہوئی　　اپنے ہاں اب اُمام ہے موقوف

---

## دیوان چہارم

آج ہمارا سر پھرتا ہے باتیں خبطی سب موقوف
حرف و سخن جو بایک دیگر رہتے تھے سو اب موقوف

کس کو دماغ اب اُس سے رہا یاں آٹھ پہر کی منت کا
ربط اخلاص سے دن گزرے ہے خلط اس سی ہے سب موقوف

اُس کی گلی میں آمد و شد کی گھات ہی میں ہم رہتے تھے
اب جو شکستہ پا ہو بیٹھے ڈھب کرنے کے ڈھب موقوف

وہ جو ملا نغ ہو تو کیا ہے شوق کمال کو پہونچا ہے
وقفہ ہوگا تب ملنے میں ہم بھی کریں گے جب موقوف

حلقے پڑے ہیں چشم تر میں سوکھے ایسے نم نہ رہے
رونا کڑھنا عشق میں اُس کے میر کرو گے کب موقوف

---

## دیوان پنجم

ظلم و ستم سے جور و جفا سے کیا کیا عاشق مارے گئے
شہرِ حسن کے لوگوں میں پار دکرتا نہیں کوئی وفا کی طرف

---

کس سے کہوں جو میر طرف کر اُس سے داد دلا دیوے
چھوٹے بڑے ہر اک نے کی ہے اُس اوباش جواں کی طرف

---

کیا نیچی آنکھوں دیکھو ہو تلوار کی طرف
دیکھو کن انکھیوں ہی سے گنہ گار کی طرف
آوارگی کے محو ہیں ہم خانماں خراب
مطلق نہیں نظر ہمیں گھر بار کی طرف

---

اُسے ڈھونڈتے میر کھوئے گئے
کوئی دیکھے اس جستجو کی طرف

---

# ردیف قاف

## دیوانِ دوم

اِس پردے میں غمِ دل کہتا ہے میر اپنا
کیا شعر و شاعری ہے یا روشعارِ عاشق

میر جی زرد ہوتے جاتے ہو
کیا کہیں تم نے بھی کیا ہے عشق

---

## دیوانِ سوم

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق
حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق
کوہ کن کیا پہاڑ کاٹے گا
پردے میں زور آزما ہے عشق

کون مقصد کو عشق بن پہنچا — آرزو عشق مُدّعا ہے عشق
میرؔ مرنا پڑے ہے خوباں پر — عشق مت کر کہ بد بلا ہے عشق

---

وصل و جدائی سے ہے مُبّرا وہ کام جاں — معلوم کچھ ہوا نہ ہمیں یاں سوائے شوق

---

## دیوان چہارم

اُلفت سے پرہیز کر کلفت اس میں قیامت ہے
یعنی درد و رنج و تعب ہے آفتِ جان و بلا ہے عشق

میرؔ خلافِ مزاج محبت موجبِ تلخی کشیدن ہے
یار موافقِ مل جاوے تو لُطف ہے چاہ مزا ہے عشق

---

جی سارے تن کا کھنچ کر آنکھوں میں آ رہا ہے
کس مرتبے میں ہم بھی ہیں دیکھنے کے شائق

کل میرؔ جی نے ضائع اپنے تئیں کیا ہے
یہ کام تھا نہ اُن کی شائستگی کے لائق

---

## دیوان پنجم

مہر قیامت چاہت آفت فتنہ و فساد بلا ہے عشق
عشق اللہ صیاد انہیں کہیو جن لوگوں نے کیا ہے عشق

عشق سے نظمِ گُل ہے یعنی عشق کوئی ناظم ہے خوب
ہر شے یاں پیدا جو ہوئی ہے موزوں کر لایا ہے عشق

خاک و باد و آب و آتش سب ہے موافق اپنے تئیں
جو کچھ ہے سو عشقِ بُتاں ہے کیا کہئے اب کیا ہے عشق
میرؔ کہیں ہنگامہ آرا ہیں تو نہیں ہوں چاہت کا
صبر نہ مجھ سے کیا جاوے تو معاف رکھو کہ نیا ہے عشق

# ردیف کاف

## دیوانِ اوّل

کیا آسماں پہ کھینچے کوئی میرؔ آپ کو
جانا جہاں سے سب کو مسلّم ہے زیرِ خاک

روتے پھرے ہیں لو ہو اک عمر اس گلی میں
باغ و بہار ہی ہے جاوے نظر جہاں تک
مانندِ طیرِ نوپر اُٹھے جہاں گئے ہم
دشوار ہے ہمارا آنا پھر آشیاں تک
تن کام میں ہمارا دیتا نہیں وہی کچھ
حاضر ہیں میرؔ ہم تو اپنی طرف سے جاں تک

کیا جانیے ہوتے ہیں سُخن لُطف کے کیسے
پوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک

میر گم کردہ چمن زمزمہ پرواز ہے ایک — جس کی لے دام سے تا گوشِ گل آواز ہے ایک

کچھ ہو اے مرغِ قفس لطف نہ جاوے اُس سے — نوحہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک

ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ — ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہے ایک

---

دُور اب بیٹھتے ہیں مجلس میں — ہم جو تم سے تھے بیشتر نزدیک

خبر آتی ہے سو بھی دُور سے یاں — آؤ یک بار بے خبر نزدیک

دُور پھرنے کا ہم سے وقت ہے کیا — پوچھ کچھ حال بیٹھ کر نزدیک

مر بھی رہ میر شب بہت رویا — ہے مری جان اب سحر نزدیک

---

گلی تک تیری لایا تھا ہمیں شوق — کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک

کہاں پھر شور و شیون جب گیا میر — یہ ہنگامہ ہے اُس ہی نوحہ گر تک

---

نہ گیا میر اپنی کشتی سے — ایک بھی تختہ پارہ ساحل تک

---

شاید کہ دیوے رخصتِ گلشن ہو بے قرار — میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

قیدِ قفس سے چھوٹ کے دیکھا جلا ہوا — پہنچے نہ ہوتے کاش کہ ہم آشیاں تک

بس ترکِ عشق کر کے ہوا گوشہ گیر میر — ہوتا پھروں خراب جہاں میں کہاں تلک

---

مارا گیا خرامِ بتاں پر سفر میں میر
اے کبک کہتا جائیو اُس کے وطن تلک

---

## دیوانِ دوم

پھر کہیں کیا دِل لگایا میرؔ جو ہے زرد رُو
مُنہ پر آیا تھا ترے دو چار دن سے نور ٹک

---

دل تنگ ہو جیے تو نہ ملیے کسو کے ساتھ
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یہ لوگ کم شریک
شاید کہ سر نوشت میں مرنا ہے گھٹ کے میرؔ
کاغذ نہ محرمِ غمِ دِل نے قلم شریک

---

خاک ہی میں ملائے رکھتے ہو ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک
سب موئے ابتدائے عشق ہی میں ہووے معلوم انتہا کیا خاک
تُربتِ میرؔ پر چلے تم دیر اِتنی مدّت میں واں رہا کیا خاک

---

اُٹھایا پاس بے اختیاری سے سب کا بکا بیٹھے کرتے ہیں دو دو پہر تک
محبّت میں جی سے گئے میرؔ آخر خبر گفتنی ہے یہ ہر بے خبر تک

---

## دیوانِ چہارم

وحشت تھی ہمیں بھی وہی گھر بار سے اب تک
سر مارے ہیں اپنے در و دیوار سے اب تک

مرنے ہی سنا اُن کو جنھیں دل لگی تھی کچھ
اچھا ہوا کوئی اس آزار سے اب تک

جب سے لگی ہیں آنکھیں کھلی راہ تکتے ہیں
سوئے نہیں سا تھ اُس کے کبھو پیار سے اب تک

کچھ رنج دلی میر جوانی میں کھنچا تھا
زردی نہیں جاتی مرے رخسار سے اب تک

---

نہ ہو گو جنوں میر جی کو پر اُن کی
طبیعت ہے آشفتہ وحشت سے اب تک

---

## دیوانِ پنجم

نفع کثیر اٹھایا کر عشق کی تجارت
راضی ہیں میر اب تو ہم جان کے زیاں تک

---

اُنس نہیں انسان سے اچھا عشق و جنوں اک آفت ہے
فرق ہوئے کیا چھوڑے ہے آدم ہیں اُس کی جدائی خاک

ہو کے فقیر گلی ہیں اُس کی چین بہت سا پایا ہم
لے کے سرہانے پتھر رکھا جائے فرش بچھائی خاک

قلب گداز ہیں جن کے وے بھی مٹی سونا کرتے ہیں
میر اکسیر بنائی اُنھوں نے جن کی جہاں سے اٹھائی خاک

---

عشقِ مرآزمانے آخر کار | کئے فرہاد و قیس و میر ہلاک

---

جب رکھی نوبت تم نے تو گوشِ ہوش نہ کھولے ٹک
چپکے چپکے کسو کو چاہا پوچھنے آئے نہ بولے ٹک
اب جو چھاتی جلی فی الواقع لطف نہیں ہے شکایت کا
صبر کرو کیا ہونا ہے یوں پھوڑیں دل کے پھپولے ٹک
آنکھیں کھولیں حال کے کہتے دیر ہوئی ہے بس یعنی
ساری رات کہانی کہی ہے میر اب چل کر سولے ٹک

---

## دیوانِ ششم

ایسے دردِ دل کرنے کو میر کہاں سے جگہ آوے
گرم سخن لوگوں میں ہو کوئی بات کرے تو ہولے ٹک

---

بہت میر پھر ہم جہاں میں رہیں گے | اگر رہ گئے آج شب کی سحر تک

---

# ردیف گاف فارسی

## دیوانِ اوّل

کس طرح اُن سے کوئی گرم ملے | سیم تن پگھلے جاتے ہیں جوں رانگ
نقرہ باطل تھا طور پر اپنے | ورنہ جاتے یہ دوڑ ہم بھی پھلانگ

میرؔ بندوں سے کام کب نکلا	مانگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ

# دیوانِ دوم

مجنوں و کوہ کن نہ تلف عشق میں ہوئے
مرنے پہ جی ہی دیتے ہیں اس خانداں کے لوگ

تو ہم ہیں اور آپ ہیں مت دے کسی کو دخل
ہوتے ہیں فتنہ ساز یہی درمیاں کے لوگ

مرتے ہیں اس کے واسطے یوں تو بہت ولے
کم آشنا ہیں طور سے اس کام جاں کے لوگ

بُت چیز کیا کہ جس کو خُدا مانتے ہیں سب
خوش اعتقاد کتنے ہیں ہندوستاں کے لوگ

کیا سہل جی سے ہاتھ اُٹھا بیٹھتے ہیں ہائے
یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی کہاں کے لوگ

---

افسردگیٔ سوختہ جاناں ہے قہر میرؔ	دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

---

رہِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ	بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ
رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا	کبھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ
نہ سویا کوئی شورِ شب سے مرے	قیامت اذیت اُٹھاتے ہیں لوگ
اُن آنکھوں کے بیمار ہیں میرؔ ہم	بجاد یکھنے ہی کو آتے ہیں لوگ

---

## دیوان سوم

کج روی ہم عاشقوں سے اُس کی بس اب جا چکی
ایک تو ناساز پھر اُس سے ملے بے طور لوگ

---

## دیوان چہارم

کیا چلے جاتے ہیں جہاں سے لوگ — مگر آئے تھے مہماں سے لوگ
شہر میں گھر خراب ہے اپنا — آتے ہیں یاں اب اس نشاں سے لوگ
آدمی اب نہیں جہاں میں میرؔ — اُٹھ گئے اس بھی کارواں سے لوگ

---

## دیوان پنجم

رات کی بات کہیں ہم کس سے بے نہ یاں اکثر ہیں لوگ
سرگرم بے راہ روی ہیں خود گم بے رہبر ہیں لوگ
بد نظر آپ سے پاؤں کسو کو تو میں اس کا عیب کہوں
خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ
دیوانے ہیں شہرِ وفا کی راہ و رسم کے ہم تو میرؔ
دل کے کہے جی دینے والے فاطبتہً گھر گھر ہیں لوگ

---

وہ نہیں ملتا ایک کسو سے مرتے ہیں اُودھر جا جا لوگ
یعنی ضایع اپنے تئیں کرتے ہیں اُس بن کیا کیا لوگ

جیسے غمِ ہجراں ہیں اُس کے عاشق جی کھو بیٹھے ہیں
برسوں مارے چرخ فلک تو ایسے ہوویں پیدا لوگ

زلف و خال و خط سے اُس کے یہاں تہاں اب بحث ہے
عقل ہوئی ہے گم خلقت کی یا کہتے ہیں سودا لوگ

دُنیا جائے نہیں رہنے کی میرؔ غرور نہیں اچھا
جو جاگہ سے جاتے ہیں اپنی وے کرتے ہیں بیجا لوگ

---

# ردیف لام

## دیوانِ اوّل

گُل کی جفا بھی جانی دیکھی وفائے بُلبُل
یک مُشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بُلبُل

کھٹکے ہیں خار ہو کر ہر شب دلِ چمن میں
اتنے لب و دہن پر یہ نالہائے بُلبُل

---

کس کو دماغِ شعر و سخن ضعف میں کہ میرؔ
اپنا رہے ہے اب تو ہمیں بیشتر خیال

---

تپِ غم تو گئی طبیب وے
پھر نہ آیا کبھو مزاج بحال

کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت سے | آشیاں تھا مرا بھی یاں پر سال
ہم تو سہ گزرے کج روی تیری | نہ نبھے گی پر اے فلک یہ چال

جاتیں ہیں فرشِ رہ تری مت ہال ہال چل | اے رشکِ حُور آدمیوں کی سی چال چل

مندا ہے اختلاط کا بازار آج کل | لگتا نہیں ہے دل کا خریدار آج کل
اوباشوں ہی کے گھر تجھے پانے لگے ہیں روز | مارا پڑے گا کوئی طلب گار آج کل
ملنے کی رات داخلِ ایّام کیا نہیں | برسوں ہوئے کہاں تئیں اے یار آج کل
گلزار ہو رہا ہے مرے دم سے کوئے یار | اک رنگ پر ہے دیدۂ خوں بار آج کل
کعبہ تلک تو سُنتے ہیں ویرانہ و خراب | آباد ہے سو خانۂ خمّار آج کل
حیران ہیں ہی حال کی تدبیر میں نہیں | ہر ایک شہر میں ہے یہ آزار آج کل
اچھّا نہیں ہے میرؔ کا احوال ان دنوں | غالب کہ ہو چکے گا یہ بیمار آج کل

## دیوانِ دوم

تم نے دیکھا ہو گا بچپن میرؔ کا | ہم کو آیا نظر وہ خام سہل

مُدّت تو وا ہوا ہی نہیں غنچہ دار دل | اب جو کھلا سو جیسے گلِ بے بہارِ دل
ظالم بہت ضرور ہے اُن بیکسوں کا پاس | ناچار اپنے رہتے ہیں جو مار مارِ دل

بہت مُدّت گئی ہے اب آ تک مل | کہاں تک خاک میں میں تو گیا مل

پس از مدت سفر سے آئے ہیں میر
گئیں وہ اگلی باتیں تو بھی جاہل

---

## دیوانِ سوم

اب کی ہزار رنگ گلستاں میں آئے گل
پر اُس بغیر اپنے تو جی کو نہ بھائے گل

ہم طرح آشیاں کی نہ گلشن میں ڈالتے
معلوم ہو گئی تھی آگے جو ہم کو وفائے گل

---

نہ ہنگ وا شد ہوئی جب سے لگا دل
الٰہی غنچہ ہے پژمردہ یا دل

نہ اس سے یاں تئیں آیا گیا حیف
رہے ہم جب تلک اُس میں رہا دل

سبھوں سے میر بیگانے سے رہتے
جو ہوتا اُس سے کچھ بھی آشنا دل

---

پھرامت میر سر اپنا گراں گوشوں کی مجلس میں
سُنے کوئی تو کچھ کہیے بھی اس کہنے کا کیا حاصل

---

## دیوانِ چہارم

خون ہوا ہے چاک ہوا ہے جلتے جلتے داغ ہوا
خواہش اُس کو کیا ہے بارے کس کے لئے بیدل ہے دل

آنکھوں کی دیکھا دیکھی ہرگز دل کو اس سے نہ لگنا تھا
جیسی سزا پہنچا دے کوئی اب اُس کے قابل ہے دل

---

حالِ فکر سخن میں کچھ نہ رہا
شعر میرا شعار ہے تا حال

حال مستی جوانی تھی سو گئی — میرؔ اُس کا خمار ہے نا حال

آزردہ خاطری کا ہماری نہ کر عجب — اک عمر ہم رہا کئے ہیں مار مار دل

## دیوان پنجم

دِل دل لوگ کہا کرتے ہیں تم نے جانا کیا ہے دل
چشمِ بصیرت وا ہووے تو عجائب دید کی جا ہے دل

ہائے غیوریٔ دل کی اپنے دماغ کیا ہے خود سرنے
جی ہی جس کے لئے جاتا ہے اُس سے بے پروا ہے دل

مت پوچھو کیوں زیست کرو ہو مردے سے افسردہ دل
ہجر میں اُس کے ہم لوگوں نے برسوں تک مارا ہے دل

میرؔ پریشاں دل کے غم میں کیا کیا خاطر داری کی
خاک میں ملتے کیوں نہ پھریں اب خوں ہو بہہ بھی گیا ہے دل

## دیوانِ ششم

قیامت تھا مروّت آشنا دل — موئے پر بھی مرا اُس میں رہا دل
جسے مارا اُسے پھر کر نہ دیکھا — ہمارا طرفہ ظالم سے لگا دل
گئے وحشت سے باغ و زاغ میں بھی — کہیں ٹھہرا نہ دُنیا سے اُٹھا دل
اسیری میں تو کچھ واشد کبھو تھی — رہا غمگیں ہوا جب سے رہا دل

نہ پوچھا اُن نے حبس بن خوں ہوا سب — نہ سمجھا اُس کے کینے کی ادا دل
ہوا پژمردہ بے صبر و بے تاب — کرے گا اس طرح کب تک وفا دل

# ردیف میم

## دیوانِ اوّل

اس جستجو میں اور خرابی تو کیا کہیں — اتنی نہیں ہوئی ہے صبا در بدر کہ ہم

آئے تو ہو طبیباں تدبیر گر کرو تم — ایسا نہ ہو کہ میرے جی کا ضرر کرو تم
رنگِ شکستہ میرا بے لطف بھی نہیں ہے — اک آدھ رات کو تو یاں بھی سحر کرو تم
ہے پیچ دار از بس راہ وصال و ہجراں — ان دو ہی منزلوں میں برسوں سفر کرو تم
روئے سخن کہاں تک غیروں کی اور آخر — ہم بھی تو آدمی ہیں ٹک مُنہ ادھر کرو تم

جانا کہ شغل رکھتے ہو تیر و کماں سے تم — پر مل چلا کرو بھی کسو خستہ جاں سے تم
ہم اپنی چاک جیب کو سی رہتے یا نہیں — پھاٹے ہیں پاؤں دینے کو آئے کہاں سے تم
اب دیکھتے ہیں خوب تو وہ بات ہی نہیں — کیا کیا وگر نہ کہتے تھے اپنی زباں سے تم
قصہ مرا سُنو گے تو جاتی رہے گی نیند — آرام چشم مت رکھو اس دلستاں سے تم
جتنے تھے کل تم آج نہیں پاتے اتنا ہم — ہر دم چلے ہی جاتے ہو آبِ رواں سے تم
رہتے نہیں ہو بن گئے میرا اس گلی میں رات — کچھ راہ بھی لگا لو سگ و پاسباں سے تم

مدّت ہوئی کہ چاکِ قفس ہی سے اب تو میرؔ
دکھلا رہے ہیں گُل کو دلِ چاک چاک ہم

---

نہ پھر رکھیں گے تیری رہ میں پا ہم
گئے گزرے ہیں آخر ایسے کیا ہم

کھنچے گی کب وہ تیغِ ناز یارب
رہے ہیں دیر سے سر کو جھکا ہم

نہ جانا یہ کہ کہتے ہیں کسے پیار
رہیں بے لطفیاں ہی یاں تو یا ہم

بنے کیا خاک و زلف و خط سے دیکھیں
ہوئے ہیں کتنے یہ کافر فرا ہم

مرض ہی عشق کا بے ڈول ہے کچھ
بہت کرتے ہیں اپنی سی دوا ہم

کہیں پیوند ہوں یارب زمیں کے
پھریں گے اُس سے یوں کب تک جدا ہم

ہوس تھی عشق کرنے میں ولیکن
بہت نادم ہوئے دل کو لگا ہم

کب آگے کوئی مرتا تھا کسی پر
جہاں میں کر گئے رسمِ وفا ہم

تعارف کیا رہا اہلِ چمن سے
ہوئے اک عمر کے پیچھے رہا ہم

موا جس کے لئے اُس کو نہ دیکھا
نہ سمجھے میرؔ کا کچھ مُدعا ہم

---

اگر راہ میں اُس کی رکھّا ہے گام
گئے گزرے خضر علیہ السلام

قیامت ہی یاں چشم و دل سے رہی
چلے بس تو واں جا کے کریے قیام

نہ دیکھے جہاں کوئی آنکھوں کی اور
نہ لیوے کوئی جس جگہ دل کا نام

---

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لیک لگ چلنے میں بلا ہیں ہم

کام کیا آتے ہیں گے معلومات
یہ تو سمجھے ہی نہ کہ کیا ہیں ہم

اے بتاں اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم

سُرمہ آلودہ مت رکھا کر چشم　　دیکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم
کوئی خواہاں نہیں ہمارا میرؔ　　گویا جنس ناروا ہیں ہم

---

گیا جہاں سے خورشید ساں اگرچہ میرؔ
ولیک مجلس دُنیا میں اس کی جا ہے گرم

---

دو چار دن اور بھی آ تو کراہتے
اب ہو چکے ہیں روز کی تیری جفا سے ہم

---

# دیوان دوم

کچھ نہ پوچھو بہک رہے ہیں ہم　　عشق کی مے سے چھک رہے ہیں ہم
وقفۂ مرگ اب ضروری ہے　　عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم
کون پہنچے ہے بات کی تہ کو　　ایک مدّت سے بک رہے ہیں ہم
میرؔ شاید لیں اُس کی زلف سے کام　　برسوں سے تو لٹک رہے ہیں ہم

---

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے　　سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

---

جوں ابر میں رونا تھا جوں برق تو ہنستا تھا
صحبت نہ رہی یوں ہی اک آدھ برس ظالم

---

تُربت سے ہماری نہ اُٹھی گرد بھی لے میرؔ　　جی سے گئے لیکن نہ کیا ترکِ ادب ہم

---

آوارہ گرد باد سے تھے ہم پہ شہر بہ　　کیا خاک میں ملائے یہ دیوانہ پن تمام
اک گُل زمیں نہ وقفے کے قابل نظر پڑی　　دیکھا برنگِ آب رواں یہ چمن تمام

---

گزرے ہے جی میں گہ وہ دہن گاہ وہ کمر
کیا جانیں لوگ رکھتے ہیں کیا کیا خیال ہم

جاتی نہیں اُٹھائی یہ اب سرگرانیاں
مقدور تک تو اپنے گئے ٹال ٹال ہم

وہ تُو ہی ہے کہ مرتے ہیں سب تیرے طور پر
حور و پری کو جانے کب ہیں دوال ہم

نقصان ہو گا اُس میں نہ ظاہر کہاں تلک
ہو دیں گے جس زمانے کے صاحب کمال ہم

---

حکمِ آبِ رواں رکھے ہے حُسن　　بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم
کیا سرا ہیں ہم اپنی جنس کو لیک　　دل عجب ہے متاع جو لو تم
جانا آیا ہے اب جہاں سے ہمیں　　تھوڑی تو دُور ساتھ ہو لو تم
آتے ہیں متصل چلے آنسو　　آہ کب تک یہ موتی رو لو تم
رات گُزری ہے سب تڑپتے میرؔ　　آنکھ لگ جائے تک تو سو لو تم

---

رکھا جس کو آنکھوں میں اک عمر اب　　اُسے دیکھ رہتے ہیں حسرت سے ہم

---

اُڑتی ہے خاک شہر کی گلیوں میں اب جہاں — سونا لیا ہے گود میں بھر کر وہیں سے ہم
آوارہ گردی اپنی کھنچی میرؔ طول پہ — اب چاہیں گے دعا کسو عزلت نشیں سے ہم

---

## دیوانِ سوم

اپنے خیال ہی میں گزرتی ہے اپنی عمر — پر کچھ نہ پوچھو سمجھے نہیں جاتے ہم سے ہم
طرفیں رکھے ہے اک سخن چار چار میرؔ — کیا کیا کہا کریں ہیں زبانِ قلم سے ہم

---

جو رہے یوں ہی غم کے مارے ہم — تو بھی آج کل سدھارے ہم
ہے مروت سے اپنی وحشت دور — اُنس رکھتے ہیں پیارے تم سے ہم
زندگی بارِ دوش آج ہے یاں — دیکھیں گے کل جو ہوں گے بارے ہم
میرؔ آؤ گے آپ میں بھی کبھو — سخت مشتاق ہیں تمہارے ہم

---

گئے عشق کی راہ بسر کر قدم — بلا پر چلے آئے ہر ہر قدم
عجب راہ پُر خوف و مشکل گزر — اُٹھایا گیا ہم سے مر مر قدم
بہت مستیِ عشق پا لغز تھی — خدا جانے پڑتا تھا کیدھر قدم

---

یک بار ہوا دل کی تسلی کا وہ باعث — یہ کیا کہ اسی طور پہ ہر بار رہو تم

---

اُلجھاؤ دل کا جس سے ہے جھنجھلا کے اُس بغیر
جھگڑا ایک کر رہا ہیں زمیں آسماں سے ہم

لیتا ہے میر عبرت کوئی جو دیکھتا ہے     کیا یار کی گلی میں بے اعتبار ہیں ہم

یاں آپ ہی آپ ہم اگر گم آپ میں ہوئے ہو     پیدا نہیں کہ کس کی کرتے ہو جستجو تم

## دیوانِ چہارم

بن میں چمن میں جی نہیں لگتا یار کدھر کو جاویں ہم
راہ خرابے سے نکلی گھر کی بستی میں کیوں کر جاویں ہم
کیسی کیسی خرابی کھینچی دشت و در میں سر مارا
خانہ خراب کہاں تک پھریے ایسا ہو گھر جاویں ہم
خواہ نماز خضوع سے ہووے خواہ نیاز اک سوئے دل
وقت رہا ہے بہت کم اب تو بارے کچھ کر جاویں ہم

شاید ہم سے ضد رکھتے ہو آتے نہیں ٹک ایدھر تم
سب سے گلی کوچوں میں ملو ہو پھرتے رہو ہو گھر گھر تم
اس سے زیادہ ہوتا نہ ہو گا دنیا میں بھی نچلا پن
سوں کیسے بیٹھے رہتے ہو حال ہمارا سن کر تم
لطف و مہر و خشم و غضب ہم ہر صورت میں راضی ہیں
حق میں ہمارے کر گزرو بھی جو کچھ جانو بہتر تم
چپکے سے کچھ آجاتے ہو آنکھیں بھر بھر لاتے ہو
میر گزرتی کیا ہے دل پر کڑھا کرو ہو اکثر تم

شورش دیوانگی اُس کی نہیں جائے گی لیک　　ایک دو دن میر کو زنجیر کر دیکھیں گے ہم

---

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے رہ کے جدا نہ ستاؤ تم
پاؤں کا رکھنا گرچہ اِدھر کو عار سی ہے پر آؤ تم

جس کے تئیں پروا ہو کسی کی آنا جانا اُس کا ہے
نیک ہو یا بد حال ہمارا تم کو کیا ہے جاؤ تم

چُپ ہیں کچھ جو نہیں کہتے ہم کارِ عشق کے حیراں ہیں
سوچ حال ہمارا ٹک تو بات کی تہ کو پاؤ تم

میر کو وحشت ہے گی قیامت واہی تباہی بکنے کی
حرف و حکایت کیا مجنوں کی دل میں کچھ مت لاؤ تم

---

ظلم ہوئے ہیں کیا کیا ہم پر صبر کیا ہے کیا کیا ہم
آن لگے ہیں گور کنارے اُس کی گلی میں جا جا ہم

میر فقیر ہوئے تو اک دن کیا کہتے ہیں بیٹے سے
عمر رہی ہے تھوڑی اسے اب کیوں کر کاٹیں بابا ہم

---

اک آدھ دن سُنو گے سنّاکے رہ گئے ہم
کانپا کرے ہے جی سو ٹھٹھرا کے رہ گئے ہم

---

مُرید پیرِ خرابات یوں نہ ہوتے میر
سمجھتے عارف اگر اور بھی کسو کو ہم

---

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم
آجاویں جو یہ ہرجائی تو بھی نہ جاویں جا سے ہم
چپکی کیا انواع اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے
دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے حیا سے ہم

---

چاہیے یوں تھا بگڑی صحبت آپ ہی آ کے بناتے تم
رحلت کرنے سے آگے مجھ کو دیکھنے آتے جاتے تم
کیا دن تھے وے دیکھتے تم کو نیچی نظر میں کر لیتا
شرما شرما لوگوں سے جب آنکھیں مجھ کو دکھاتے تم
چہرہ زرد بجا ہے سارا عشق میں غم کا مارا ہوں
رنگ یہ دیکھا ہوتا تو دل میرا کہیں لگاتے تم

---

صبر بہت تھا ایک سمیں میں جا سے اپنی نہ جاتے ہم
کس کس ناز سے وے آتے پر آنکھ نہ ان سے ملاتے ہم
کعبہ سے کر نذر اٹھے سو خرچ راہ لے وائے ہوئے
ورنہ صنم خانے میں جا زنار گلے سے بندھاتے ہم

---

## دیوانِ پنجم

عشق ہمارے درپئے جاں ہے آئے گھر سے نکل کر ہم
سر پر دیکھا یہی فلک ہے جاویں کیدھر چل کر ہم

عشق جو ہوتا واقع ہیں تو سیدھے جاتے تیغ تلے
راہ ہوس کی پکڑ لی ہم نے یعنی چلے ہیں ٹل کر ہم
ہائے جوانی شور کناں پابوس کو اُس کے پھرتے تھے
اب چُپ بیٹھ رہے ہیں یک سُو ہاتھ بہت سے مل کر ہم

---

ڈول لگائے بہتیرے ڈھب پہ کبھو نہیں آتے ہم
آنا یک سُو کب دیکھو ہو ایدھر آتے جاتے تم
ہر صورت کو دیکھ رہو ہو ہر کوچے کو جھانکو ہو
آگے عشق کیا ہوتا تو پھرتے جی نہ کھپاتے تم
چاہت آفت اُلفت کلفت مہر و وفا و رنج و بلا
عشق ہی کے سب نام ہیں یہ دل کاش کہیں نہ لگاتے تم
دونوں طرف سے کشش رہتی تھی نیا نیا تھا عشق اپنا
دھوپ میں آتے داغ ہوئے تو گرمی سے گُل کھاتے تم
کیدھر اب وہ یک رنگی جو دیکھ نہ سکتے دل تنگی
رُکتے پلتے ٹک جو ہمیں تو دیر تلک گھبراتے تم
بعد نماز دُعائیں کیں سو میرؔ فقیر ہوئے تم تو
ایسی مُنا جاتوں سے آگے کاش کہ ہاتھ اُٹھاتے تم

---

خاک برابر عاشق ہیں اس کوچے میں ناچاری سے
گھر ہوں خانہ خرابوں کے تو اپنے بھی گھر جاویں ہم

---

ہم تو بھی کہتے تھے ہمیشہ دل کو کہیں نہ لگاؤ تم
کیا کہیے نہ ہماری سُنی اب بیٹھے رنج اُٹھاؤ تم

صبر کرو بے تاب رہو خاموش پھرو یا شور کرو
کس کو یاں پروا ہے کسو کی ٹھہرو آؤ جاؤ تم

وائے کہ اس ہجراں کُشتے نے باغ سے جاتے تک نہ سُنا
گل نے کہا جو خوبی سے اپنی کچھ تو ہمیں فرماؤ تم

در پہ حرم کے کشود نہیں تو دیر میں جا کر کافر ہو
قشقے کھینچو پوتھی پڑھو زنار گلے سے بندھاؤ تم

بود نبود ثبات رکھے تو یہ بھی اک بابت ہے میر
اس صفحے میں حرف غلط ہیں کاش کہ ہم کو مٹاؤ تم

---

کہا سنتے تو کاہے کو کسو سے دل لگاتے تم
نہ جاتے اُس طرف تو ہاتھ سے اپنے نہ جاتے تم

یہ حُسن خلق تم میں عشق سے پیدا ہوا ورنہ
گھڑی کے روٹھے کو دو دو پہر تک کب مناتے تم

---

ہم نہ کہا کرتے تھے تم سے دل نہ کسو سے لگاؤ تم
جی دینا پڑتا ہے اس میں ایسا نہ ہو پچھتاؤ تم

سو نہ سُنی تم نے تو ہماری آنکھیں لگ گئیں لگ پڑیاں
رو رو کر سر دُھنتے ہو اب بیٹھے رنج اُٹھاؤ تم

ہر کوچے میں کھڑے رہ رہ کر ایدھر اودھر دیکھو ہو
ہائے خیال یہ کیا ہے تم کو جاتے بھی دو اب آؤ تم

فاش نہ کریئے رازِ محبت جانیں اس میں جاتی ہیں
دردِ دل آنکھوں سے ہر ایک کے تا مقدور چھپاؤ تم

---

تظلّم نہ کیجیے الم پر الم — ترحم کہ مت کر ستم پر ستم
جو سو سر کے ہو آؤ مانوں نہیں — عبث کھاتے ہو تم قسم پر قسم
خطرناک تھی وادیٔ عشق میرؔ — گئے اس پہ بھی ہم قدم پر قدم

---

## دیوانِ ششم

عشق کیا ہے اُس گل کا یا آفت لائے سر پر ہم
جھانکتے اُس کو ساتھ صبا کے صبح پھریں ہیں گھر گھر ہم
پوچھتے راہ شکستہ دل کی جا نکلے تھے کعبے میں
سوچ وہاں گزرا جی میں آئے کدھر سے کیدھر ہم
برسوں خس و خاشاک پہ سوئے مدت گلخن تابی کی
بخت نہ جاگے جو اُس سے ہوں ایک بھی شب ہم بستر ہم
روز بتر ہے حالت عشقی جیسے ہوں بیمار اجل
ہے نہ دوانے کوئی معالج کیوں کر ہوں گے بہتر ہم
اب تو ہماری طرف سے اتنا دل پتھر مت کریو
سختی سے ایام کی اب تک جیتے رہے ہیں مر مر ہم

---

نہ ہوئے تھے ابھی جواں افسوس — صبرِ مغفور و طاقتِ مرحوم

جب غبار اپنے دل کا نکلے ہے       دیر رہتی ہے آندھی کی سی دُھوم

---

ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے اُٹھے سب
تھی چوٹ جو دل پر سو گرفتار ہوئے ہم
گھٹ گھٹ کے جہاں میں رہے جب میرؔ سے مرتے
تب جا کے یہاں واقفِ اسرار ہوئے ہم

---

وے ہم ہیں جن کو کہیے آزار دیدہ مردم
اُلفت گزیدہ مردم کلفت کشیدہ مردم
تھے دست بستہ حاضر خدمت میں میرؔ گویا
سیمیں تنوں کے عاشق ہیں زرخریدہ مردم

---

دُھوپ میں جلتے ہیں پہروں آ گے اُس کے میرؔ جی
رفتگی سے دل کی ٹھیرے ہیں گنہگاروں میں ہم

---

# ردیف نون

## دیوانِ اوّل

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں | ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
درد اگر یہ ہے تو مجھے بس ہے | اب دوا کی کبھی احتیاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن | مرضِ عشق کا علاج نہیں
شہر خوبی کو خوب دیکھا میرؔ | جنس دل کا کہیں رواج نہیں

---

ہنس کر کبھو بلایا تو برسوں تلک رُلایا
اُس کی ستم ظریفی کس کے تئیں دکھاؤں
آسودگی تو معلوم اے میرؔ جینے جی ہاں
آرام تب ہی پاؤں جب جی سے ہاتھ اٹھاؤں

---

اس طرح دل گیا کہ اب تک ہم | بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں
دم آخر ہے بیٹھ جا مت جا | صبر کر ٹک کہ ہم بھی چلتے ہیں
تیرے بے خود جو ہیں سو کیا چیتیں | ایسے ڈوبے کہیں اُچھلتے ہیں
فتنہ در سر بُتانِ حشر خرام | ہائے رے کس ٹھسک سے چلتے ہیں
نظر اُٹھتی نہیں کہ جب خوباں | سوتے سے اُٹھ کے آنکھ ملتے ہیں
شمع رُو موم کے بنے ہیں مگر | گرم ٹک ملیے تو پگھلتے ہیں

میر صاحب کو دیکھئے جو بنے　　اب بہت گھر سے کم نکلتے ہیں

---

ناکام رہنے ہی کا تمہیں غم ہے آج میر　　بہتوں کے کام ہو گئے ہیں کل تمام یاں

---

نہ گیا خیالِ زلف سیہ جفا شعاراں
نہ ہوا کہ صبح ہووے شب تیرہ روزگاراں
تو جہاں سے دل اٹھایا یاں نہیں رسم دردمندی
کسی نے بھی یوں نہ پوچھا ہوئے خاک یاں ہزاراں
یہ سُنا تھا میر ہم نے کہ فسانہ خواب لائے
تری سرگذشت سُن کر گئے اور خواب یاراں

---

اُس کے کوچے سے جو اُٹھ اہلِ وفا جاتے ہیں　　تا نظر کام کرے رُو بقفا جاتے ہیں
مستقل روتے ہی رہئے تو بجھے آتشِ دل　　ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں
وقت خوش اُن کا جو ہم بزم ہیں تیرے ہم تو　　در و دیوار کو احوال سُنا جاتے ہیں
جائے گی طاقتِ پا آہ تو کرئیے گا کیا　　اب تو ہم حال کبھو تم کو دکھاتے ہیں
میر صاحب بھی ترے کوچے میں شب آتے ہیں لیک　　جیسے دریوزہ گری کرنے گدا جاتے ہیں

---

تُو پری شیشے سے نازک ہے نہ کر دعویٰ مہر　　دل ہیں پتھر کے اُنھوں کے جو وفا کرتے ہیں
یہ زمانہ نہیں ایسا کہ کوئی زیست کرے　　چاہتے ہیں جو بُرا اپنا بھلا کرتے ہیں
محض ناکارہ بھی مت جان ہمیں تُو کہ کہیں　　ایسے ناکام بھی بے کار پھرا کرتے ہیں
تجھ بن اس جانِ مصیبت زدہ غم دیدہ پہ ہم　　کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ہیں

کیا کہیں میر جی ہم تم سے معاش اپنی غرض
غم کو کھایا کریں ہیں لوہو پیا کرتے ہیں

---

مستوجب ظلم و ستم و جور و جفا ہوں
ہر چند کہ جلتا ہوں پہ سرگرم وفا ہوں
آتے ہیں مجھے خوب سے دونوں ہنرِ عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں
اس گلشنِ دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں
ہوں غنچۂ افسردہ کہ مردودِ صبا ہوں
دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستم گر
ہوں خاکِ سرِ راہ کوئی دم میں ہوا ہوں
گو طاقت و آرام خور و خواب گئے سب
بارے یہ غنیمت ہے کہ جیتا تو رہا ہوں
اتنا ہی مجھے علم ہے کچھ میں بھی بہر چیز
معلوم نہیں خوب مجھے بھی کہ میں کیا ہوں
تب گرم سخن کہنے لگا ہوں میں کہ اک عمر
جوں شمع سرِ شام سے تا صبح جلا ہوں
سینہ تو کیا فضلِ الٰہی سے سبھی چاک
ہے وقتِ دعا میر کہ اب دل کو لگا ہوں

---

جنسِ گراں کو تجھ سے جو لوگ چاہتے ہیں
وے روگ اپنے جی کو ناحق بساہتے ہیں
اس مے کدے میں ہم بھی مدت سے ہیں و لیکن
خمیازہ کھینچتے ہیں ہر دم جماہتے ہیں
ناموسِ دوستی سے گردن بندھی ہے اپنی
جیتے ہیں جب تلک ہم تب تک نباہتے ہیں
سہل اس قدر نہیں ہے مشکل پسندی میری
جو تجھ کو دیکھتے ہیں مجھ کو سراہتے ہیں
وے دن گئے کہ راتیں نالوں سے کاٹتے تھے
بے ڈول میر صاحب اب کچھ کراہتے ہیں

---

تمہیں بھی چاہیے ہے کچھ تو پاس چاہت کا
ہم اپنی اور سے یوں کب تلک نباہ کریں
ہمیشہ کون تکلف ہے خوب رویوں کا
گزار ناز سے ایدھر بھی گاہ گاہ کریں
اگر اٹھیں گے اسی حال سے تو کہیو تو
جو روزِ حشر تجھی کو نہ عذر خواہ کریں

بڑی بلا ہیں ستم کُشتۂ محبّت ہم — جو تیغ برسے تو سر کو نہ کچھ پناہ کریں
اگرچہ سہل ہیں پر دیدنی ہیں ہم بھی میرؔ — اِدھر کو یار تامل سے گر نگاہ کریں

---

تُربت سے عاشقوں کے نہ اُٹھا کبھو غبار
جی سے گئے ولے نہ گئیں راز داریاں

اب کس کس اپنی خواہشِ مُردہ کو روئیے
تھیں ہم کو اُس سے سینکڑوں اُمیّدواریاں

پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ
مدّت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں!

کیا جانتے تھے ایسے دن آجائیں گے شتاب
روتے گزرتیاں ہیں ہمیں راتیں ساریاں

گُل نے ہزار رنگ سخن سر کیا ولے
دل سے گئیں نہ باتیں تری پیاری پیاریاں

بچ جانا ایک رات جو کٹ جاتی اور میرؔ
کاٹی تھیں کوہکن نے بہت راتیں بھاریاں

---

کاسۂ سر کو لئے مانگتا دیدار پھرے
میرؔ وہ جان سے بے زار گدا ہیں ہی ہوں

---

غافل نہ رہیو ہم سے کہ ہم وے نہیں رہے — ہونا ہے اب تو حال عجب ایک آن میں

---

زباں رکھ غنچہ ساں اپنے دہن میں　　بندھی مٹھی چلا جا اس چمن میں
رکھا کر ہاتھ دل پر آہ کرتے　　نہیں رہتا چراغ ایسی پون میں

---

جن کے لئے اپنے تو یوں جان نکلتے ہیں　　اس راہ میں وے جیسے انجان نکلتے ہیں
مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں　　تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
جا گہ سے بھی جاتے ہو مُنہ سے بھی خشن ہو کر　　وے حرف نہیں ہیں جو شایان نکلتے ہیں
سو کاہے کو اپنی تو جوگی کی سی پھیری ہے　　برسوں میں کبھو ایدھر ہم آن نکلتے ہیں
ان آئینہ رُویوں کے کیا میرؔ بھی عاشق ہیں　　جب گھر سے نکلتے ہیں حیران نکلتے ہیں

---

تُو گلی میں اُس کی جا آوے اے صبا نہ چنداں
کہ گرے ہوئے پھر اُکھڑیں دلِ چاک دردمنداں
کُھلیں آنکھیں ہیں جو دیکھا سو غم اور چشمِ گریاں
کسے کہتے ہیں نہ جانا دلِ شاد روئے خنداں

---

مرنے سے ہم ہمارے خاطر نچنت رکھو　　اس کام کا بھی ہم کچھ اسلوب کر چکے ہیں
کیا جانیئے کہ کیا ہے اے میرؔ وجہ ضد کی　　سو بار ہم تو اس کی محجوب کر چکے ہیں

---

کیا تجھ کو بھی جنوں تھا کہ جامے میں تیرے میرؔ　　سب کچھ بچا ہے ایک گریباں ہی نہیں

---

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں　　اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
عجز و نیاز اپنا اپنی طرف ہے سارا　　اس مشتِ خاک کو ہم مسجود جانتے ہیں

صورت پذیر ہم بن ہر گز نہیں دے معنے
اہلِ نظر ہمیں کو معبود جانتے ہیں
اپنی ہی سیر کرنے ہم جلوہ گر ہوئے تھے
اس رمز کو ولیکن معدود جانتے ہیں

---

جا ہے ہے آج ہوں ہیں ہفت آسماں کے اوپر
دل کے مزاج میں بھی کتنی شتابیاں ہیں
جی بکھرے دل ڈہے ہے سر بھی گرا پڑے ہے
خانہ خراب تجھ بن کیا کیا خرابیاں ہیں

---

اب کچھ ہمارے حال پہ تم کو نظر نہیں
یعنی تمہاری ہم سے دے آنکھیں نہیں رہیں
اس بزم میں چراغ بجھے تھے جو بار میر
اُن کے فروغِ باغ میں گل ہیں کہیں کہیں

---

تو طرہ جاناں سے چاہے ہے ابھی مقصد
برسوں سے پڑے ہم تو لے تیر لٹکتے ہیں

---

پہنچے نہیں کہیں کہ نہیں واں سے اٹھ چلے
القصہ ایک عمر سے ہم ہیں گے راہ میں
بیٹھے تھے میر یار کے دیدار کو سو ہم
اپنا یہ حال کر کے اُٹھے اک نگاہ میں

---

نہ تنگ کر لے سے اے فکرِ روزگار کہ میں
دل اُس سے دم کے لیے مستعار لایا ہوں
چلا نہ اُٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر
ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں

---

جفائیں دیکھ لیاں بے وفائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب بُرائیاں دیکھیں
ترے وصال کے ہم شوق میں ہو آوارہ
عزیز دوست سبھوں کی جُدائیاں دیکھیں

---

آؤ یادِ بتاں پہ بھول نہ جاؤ — یہ تغافل شعار ہوتے ہیں
ہفت اقلیم ہر گلی ہے کہیں — دلّی سے بھی دیار ہوتے ہیں
اُس کے نزدیک کچھ نہیں عزت — میر جی یوں ہی خوار ہوتے ہیں

---

گفتگو ناقصوں سے ہے ورنہ — میر جی بھی کمال رکھتے ہیں

---

بارہا وعدوں کی راتیں آئیں — طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں
عشق میں ایذائیں سب سے پائیاں — رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں
ایک بھی چشمک نہ اُس مہ کی سی کی — آنکھیں تاروں نے بہت جھمکائیاں
پاس مجھ کو بھی نہیں ہے میر اب — دُور پہنچی ہیں مری رُسوائیاں

---

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسو سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ٹک سُن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو
دو چار دل کی باتیں اب مُنہ پہ آئیاں ہیں

---

خوش باشی و تنزیہ و تقدس تھی مجھے میر
اسباب پڑے یوں کہ کئی روز سے یاں ہوں

---

وفا پیشگی قیس تک تھی بھی کچھ کچھ — اب اس طور کے لوگ کم دیکھتے ہیں
کہاں تک بھلا روؤ گے میر صاحب — اب آنکھوں کے گرد اک ورم دیکھتے ہیں

---

بہت ہی اپنے تئیں ہم تو خوار پاتے ہیں
وہ کوئی اور ہیں جو اعتبار پاتے ہیں

---

اب عدم ہونے والو تم تو چلو
ہم بھی اب کوئی دم میں آتے ہیں

---

آتا ہے دل میں حالِ بد اپنا بھلا کہوں
پھر آپھی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں

---

کھودیں ہیں نیند میری مصیبت بیانیاں
تم بھی تو ایک رات سنو یہ کہانیاں
یہ بیقراریاں نہ کبھو اُن نے دیکھیاں
جاں کاہیاں ہماری بہت سہل جانیاں
مارا مجھے بھی سان کے غیروں میں اُن نے میرؔ
کیا خاک میں ملائیں مری جاں فشانیاں

---

کیفیتیں اُٹھی ہیں یہ کب خانقاہ میں
بدنام کر رکھا ہے خرابات کے تئیں
ہم جانتے ہیں یا کہ دلِ آشنا زدہ
کہیے سو کس سے عشق کے حالات کے تئیں
سیّد ہو یا چمار ہو اس جا وفا ہے شرط
کب عاشقی میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں
آخر کے یہ سلوک ہم اب تیرے دیکھ کر
کرتے ہیں یاد پہلی ملاقات کے تئیں
آنکھوں نے میرؔ صاحب و قبلہ ورم کیا
حضرت بُکا کیا نہ کرو رات کے تئیں

---

دیا عاشق نے جی تو عیب کیا ہے
یہی میرؔ اک ہُنر ہوتا ہے ہم میں

---

چاہتے ہیں یہ بُتاں ہم پہ کہ بیداد کریں
کس کے ہو کس سے کہیں کس کنے فریاد کریں
کعبہ ہوتا ہے دوانوں کا مری گور سے دشت
مجھ سے دو اور گڑیں یاں تو سب آباد کریں
ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کریں
چاہیے اہلِ سخن میرؔ کو استاد کریں

---

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندے میں کچھ رہا نہیں

شکوہ کروں ہوں بخت کا اتنا غضب نہ ہو بتاں
مجھ کو خدانخواستہ تم سے تو کچھ گلا نہیں

ایک فقط ہے سادگی تس پہ بلائے جاں ہے تو
عشوہ کرشمہ کچھ نہیں آن نہیں ادا نہیں

نازِ بتاں اٹھا چکا دیر کو میرؔ ترک کر
کعبے میں جا کے رہ میاں تیرے مگر خدا نہیں

---

خوب رُو سب کی جان ہوتے ہیں — آرزوئے جہان ہوتے ہیں
کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن — گھر میں ہم میہمان ہوتے ہیں

---

جنوں میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں
نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں

روانہ ہو گیا تو میرؔ آخر ریختہ کہہ کہہ
نہ کہتا تھا میں اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

---

دامن پہ تیرے گرد کا کیوں کر اثر نہیں
ہم دل جلوں کی خاک جہاں میں کدھر نہیں

اتنا رقیب خانہ برانداز سے سلوک
جب آنکلتے ہیں تو سنے ہیں کہ گھر نہیں

دامان و جیب و دیدہ و مژگان و آستین — اب کون سا رہا ہے کہ ان میں سے تر نہیں

آتا ہی میرے کوچے میں ہوتا جو میر یاں — کیا جانیے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

---

تجھے بھی یار اپنا یوں تو ہم ہر بار کہتے ہیں
وے کم ہیں بہت وے لوگ جن کو یار کہتے ہیں

سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح
وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عافیت بیزار کہتے ہیں

عجب ہوتے ہیں شاعر بھی میں اس فرقے کا عاشق ہوں
کہ بے دھڑکے بھری مجلس میں یہ اسرار کہتے ہیں

مزے اُن کے اڑا لیکن نہ یہ سمجھیں تو بہتر ہے
کہ خوباں بھی بہت اپنے تئیں عیار کہتے ہیں

---

کیا کہوں میر فراموش کیا اُن نے تجھے — میں تو تقریب بھی کی پر تو اُسے یاد نہیں

---

عالم میں لوگ ملنے کی گوں اب نہیں رہے — ہر چند ایسا ویسا تو عالم بہت ہے یاں

ویسا چمن سے سادہ نکلتا نہیں کوئی — رنگینی ایک اور خم و چم بہت ہے یاں

میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمہیں — تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہے یاں

شاید کہ کام صبح تک اپنا کھنچے نہ میر — احوال آج شام سے درہم بہت ہے یاں

---

بات میں غیروں کو چپ کر دوں ولیکن کیا کروں — وہ سخن نشنو تنک میرا کہا کرتا نہیں

---

منصور کی حقیقت تم نے سُنی ہی ہوگی　　حق جو کہے ہے اُس کو یاں دار کھینچتے ہیں
شکوہ کروں تو کس سے کیا شیخ کیا برہمن　　نازاُس بلائے جاں کے سب یار کھینچتے ہیں

---

سمجھا تنک نہ اپنے سُود و زیاں کو ہیں　　مانا کیا خدا کی طرح ان بُتاں کو ہیں
عاشق ہے یا مریض ہے پُوچھو تو میرؔ سے　　پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو ہیں

---

کر نالہ کشی کب تئیں اوقات گزاریں　　فریاد کریں کس سے کہاں جاکے پکاریں
ہر دم کا بگڑنا تو کچھ اب چھوٹا ہے ان سے　　شاید کسی ناکام کا بھی کام سنواریں
جس جا کہ خس و خار کے اب ڈھیر لگے ہیں　　یاں ہم نے انھیں آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں
منظور ہے کب سے سرِ شوریدہ کا دینا　　چڑھ جائے نظر کوئی تو یہ بوجھ اتاریں
ناچار ہو رخصت جو منگا بھیجی تو بولا　　میں کیا کروں جو میرؔ جی جاتے ہیں سدھاریں

---

یوں ہی حیران و خفا جوں غنچۂ تصویر ہوں
عمر گزری پر نہ جانا میں کہ کیوں دلگیر ہوں
اس قدر بے ننگ خبطوں کو نصیحت شیخ جی
باز آؤ ورنہ اپنے نام کا میں میرؔ ہوں

---

خلاف ان اور خوباں کے سدا یہ جی میں رہتا ہے　　یہی تو میرؔ اک خوبی ہے معشوق خیالی میں

---

آہ اور اشک ہی سدا ہے یاں　　روز برسات کی ہوا ہے یاں
بے خبر شرطِ میرؔ سنتا ہے　　تجھ سے آگے یہ کچھ ہوا ہے یاں

---

موت مجنوں کو بھی یہیں آئی کوہکن کل ہی مر گیا ہے یاں

---

جہاں اب خارزاریں ہوگئی ہیں یہیں آگے بہاریں ہوگئی ہیں
سُنا جاتا ہے شہرِ عشق کے گرد مزاریں ہی مزاریں ہوگئی ہیں

---

خوش نہ آئی تمہاری چال ہمیں یوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں
حال کچھ پوچھ پوچھ جاتے ہیں کبھو پاتے بھی ہو بحال ہمیں
ترک سبزانِ شہر کریے اب بس بہت کرچکے نہال ہمیں
وجہ کیا ہے کہ میرؔ منہ پہ ترے نظر آتا ہے کچھ ملال ہمیں

---

تسلّی تو ہو دلِ بے قرار خوباں سے یہ کاش ملنے نہ ملنے کا کچھ قرار کریں
رہی سہی بھی گئی عمر تیرے پیچھے یار یہ کہہ کہ آہ ترا کب تک انتظار کریں
ہوا ہوں خاکِ رہ اس واسطے کہ خوباں میرؔ گزار گور پہ میری بھی ایک بار کریں

---

تنکا بھی اب رہا نہیں شرمندگی ہے جو
گر پڑ کے برق پاوے مرے آشیاں کے تئیں

ہم تو ہوئے تھے میرؔ سے اُس دن ہی ناامید
جس دن سُنا کہ اُن نے دیا دل بتاں کے تئیں

---

موئے سہتے سہتے جفاکاریاں کوئی ہم سے سیکھے وفاداریاں
ہماری تو گزری اسی طور عمر یہی نالہ کرنا یہی زاریاں

گیا جان سے اک جہاں لیک شوخ
نہ تجھ سے گئیں یہ دل آزاریاں

خط و کاکل و زلف و انداز و ناز
ہوئیں دام رہ صد گرفتاریاں

کیا درد و غم نے مجھے نا اُمید
کہ مجنوں کو یہ ہی تھیں بیماریاں

تری آشنائی سے ہی حد ہوئی
بہت کی تھیں دُنیا میں ہم یاریاں

نہ بھائی ہماری تو قدرت نہیں
کھنچیں میر تجھ سے ہی یہ خواریاں

---

دن نہیں رات نہیں، صبح نہیں شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں

بے قراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے میر کہ اک دم تجھے آرام نہیں

---

کیا ظلم کیا تعدی کیا جور کیا جفائیں
اس چرخ نے کیا ہیں ہم سے بہت ادائیں

اک رنگِ گل نے رعنایاں یُوں نہیں کیا ہے
اس گلشنِ جہاں میں ہیں مختلف ہوائیں

نازِ بتانِ سادہ ہے اللہ اللہ اے میر
ہم خط سے مٹ گئے پر اُن کے نہیں ہی بھائیں

---

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں
تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں

غیر ہی موردِ عنایت ہے
ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں

نہ نگہ نے پیام نے وعدہ
نام کو ہم بھی یار رکھتے ہیں

جھوٹے دل کے ہیں بُتاں مشہور
بس یہی اعتبار رکھتے ہیں

پھر بھی کرتے ہیں میر صاحب عشق
ہیں جواں اختیار رکھتے ہیں

---

رونا آنکھوں کا روئیے کب تک
پھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں

---

## دیوان دوم

مُدعی مجھ کو کھڑے صاف بُرا کہتے ہیں
چپکے تم سُنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں

دیکھے خوباں کے بجا دل نہیں رہتا ہرگز
لوگ جو کچھ انہیں کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

عشق کے شہر کی بھی رسم کے ہیں کُشتے ہم
دردِ جاں کاہ جو ہو اس کو دوا کہتے ہیں

حُسن تو ہے ہی کرو لطفِ زباں بھی پیدا
میر کو دیکھو کہ سب لوگ بھلا کہتے ہیں

---

نہ نکلا دوسرا ویسا جہاں میں
وہی اک جنس ہے اس کارواں میں

اگر وہ بُت نہ جانے تو نہ جانے
ہمیں سب جانتے ہیں ہندوستاں میں

نیا آنا فانا اُس کو دیکھا
جُدا تھی شان اُس کی ہر زماں میں

کوئی بجلی کا ٹکڑا اب تلک بھی
پڑا ہوگا ہمارے آشیاں میں

پھرے ہے چھانتا ہی خاک اے میر
ہوس کیا ہے مزاج آسماں میں

---

غریبانہ کوئی شب روز کر یاں
ہمیشہ کون رہتا ہے سرا میں

ملے برسوں وہی بیگانہ ہے وہ
ہُنر ہے یہ ہمارے آشنا میں

اگرچہ خشک ہیں جیسے پرِ کاہ
اُڑے ہیں میر جی لیکن ہوا میں

---

دیر و حرم سے تو تو ٹک گرم ناز نکلا
ہنگامہ ہو رہا ہے اب شیخ و برہمن میں
آجانے شہر میں تو جیسے کہ آندھی آئی
کیا وحشتیں اٹھائیں ہم نے دوانے پن میں

---

جانا ادھر سے میرے ہے ویسا اُدھر کے تئیں
بیماریوں میں جیسے بدلتے ہیں گھر کے تئیں

---

کیا کہوں اوّل بخود تو دیر میں آتا ہوں میں
پھر جو یاد آتا ہے وہ چُپکا سا رہ جاتا ہوں میں

---

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ابہام بھی نہیں

---

دم بدم اس ڈھب سے رونا دیر کر آیا ہمیں
کیا ہوا اپنا پیا پے تب یہ ہنر آیا ہمیں
کر چلا بے خود غم زُلف دراز دلبراں
دُور کا اے میر در پیش اب سفر آیا ہمیں

---

سا تھا اُس حُسن کے دینا تھا دکھائی وہ بدن جیسے جُھمکے ہے پڑا گوہرِ تر پانی میں

---

اب کی ہمت صرف کر جو اُس سے جی اچٹے مرا
پھر دُعا اے میر مت کریو اگر ایسا کروں

---

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں — اُس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں
عشق کا گھر ہے میر سے آباد — ایسے پھر خانماں خراب کہاں

---

یارو مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں
اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں

ایک ایک قرط دور میں یوں ہی مجھے بھی دو
جامِ شراب پُر نہ کرو میں نشے میں ہوں

مستی سے درہمی ہے مری گفتگو کے بیچ
جو چاہو تم بھی مجھ کو کہو میں نشے میں ہوں

یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانندِ جام مے
یا تھوڑی دُور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں

معذور ہوں جو پاؤں مرا بے طرح پڑے
تم سر گراں تو مجھ سے نہ ہو میں نشے میں ہوں

بھاگی نماز جمعہ تو جاتی نہیں ہے کچھ
چلتا ہوں میں بھی ٹک تو رہو میں نشے میں ہوں

نازک مزاج آپ قیامت ہیں میر جی
جوں شیشہ میرے مُنہ نہ لگو میں نشے میں ہوں

---

کرتے ہیں جو کہ جی میں ٹھانے ہیں
خوبرو کس کی بات مانے ہیں

میں تو خوباں کو جانتا ہی ہوں
پر مجھے یہ بھی خوب جانے ہیں

جا ہمیں اُس گلی ہیں گم رہنا
ضعف و بے طاقتی بہانے ہیں

پوچھ اہلِ طرب سے شوق اپنا
وے ہی جانے جو خاک چھانے ہیں

اب تو افسردگی ہی ہے ہر آن
وے نہ ہم ہیں نہ وے زمانے ہیں

عشق کرتے ہیں اُس پری رُو سے
میرؔ صاحب بھی کیا دوانے ہیں

---

بلا آفت ہے کچھ دل پر کہ ایسا رنگ ہے اُن کا
کسو بے مہر کے تئیں میرؔ شاید پیار کرتے ہیں

---

اب کی جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کہیے لطافت اُس تنِ نازک کی میرؔ کیا
شاید یہ لُطف ہو گا کسو جانِ پاک میں

---

آج ہمارے گھر آیا تو کیا ہے یاں جو نثار کریں
الّا کھینچ بغل میں تجھ کو دیر تلک ہم پیار کریں

خاک ہوئے برباد ہوئے پامال ہوئے سب محو ہوئے
اور شدائد عشق کی رہ کے کیسے ہم ہموار کریں

شیوہ اپنا بے پروائی نومیدی سے ٹھہرا ہے
کچھ بھی وہ مغرور ولے تو منت ہم سو بار کریں

ہم تو فقیر ہیں خاک برابر آ بیٹھے تو لُطف کیا
ننگ جہاں لگتا ہو انکو واں وے ایسے عار کریں

پتہ پتہ گلشن کا تو حال ہمارا جانے ہے
اور کہے تو جس سے اے گل بے بر کی اظہار کریں
کیا ان خوش ظاہر لوگوں سے ہم یہ توقع رکھتے تھے
غیر کو لے کر پاس یہ بیٹھیں ہم کو گلیوں میں خوار کریں
میرؔ جی ہیں گے ایک جو لے کیا ہم ان سے درد کہیں
کچھ بھی جو سُن پاویں یہ تو مجلس میں لب نار کریں

---

بیگانہ وضع برسوں اس شہر میں رہا ہوں
بھاگوں ہوں دُور سب سے میں کس کا آشنا ہوں
گل پھول کوئی اب تک جھڑ جھڑ کے گرتے دیکھے
اس باغ میں بہت اب جوں غنچہ میں رُکا ہوں
پیری سے جھلتے جھلتے پہنچا ہوں خاک تک میں
وہ سرکشی کہاں ہے اب تو بہت دبا ہوں
مجھ کو بلا ہے وحشت اے میرؔ دُور اُس سے
جاگہ سے جب اُٹھا ہوں آشوب سا اُٹھا ہوں

---

ہے عاشقی کے بیچ ستم دیکھنا ہی لُطف ۔۔۔ مر جانا آنکھیں مُوند کے یہ کچھ ہنر نہیں
ہر چند ہم کو مستوں سے صحبت رہے ہی لیک ۔۔۔ دامن ہمارا ابر کی مانند تر نہیں
جا کر شراب خانے میں رہنا نہیں تو پھر
یہ کیا کہ میرؔ جمعہ ہی کی رات گھر نہیں

---

پاس ایک دن بھی اپنا اُن نے نہیں کیا ہے
ہم دُور اُس سے بے دم دو دو پہر رہے ہیں

اس مے کدے میں جس جا ہشیار چاہئے تھے
رحمت ہے ہم کو ہم بھی کیا بے خبر رہے ہیں

چل ہم نشیں بنے تو اک آدھ بیت سُنیے
کہتے ہیں بعدِ مُدّت میرؔ اپنے گھر رہے ہیں

---

رہتے ہیں یوں حواس پریشاں کہ جوں کہیں — دو تین آکے لُوٹے مسافر اُتر رہیں
آوارگی کی سب ہیں نہ خانہ خرابیاں — لوگ آویں دیکھنے کو بہت ہم جو گھر رہیں
ہم نے بھی نذر کی ہے کہ رہیے چمن کے گرد — یارب قفس کے چھوٹنے تک بال و پر رہیں

---

کچھ رُو برو ہوئے پہ جو سُلجھے تو سُلجھے میرؔ — جی کے اُلجھنے کا اُسے کیا ماجرا لکھوں

---

کتنے دنوں سے میرؔ کا نالہ نہیں سُنا — شاید نہیں ہے اب وہ گرفتار درمیاں

---

اتفاق ایسا ہے کڑھتے ہی سدا رہتے ہیں
ایک عالم میں ہیں ہم دے پہ جُدا رہتے ہیں

---

ڈوبا لوہو میں پڑا اٹھا ہمگی پی کر میرؔ — یہ نہ جانا کہ لگی ظلم کی تلوار کہاں

---

جن جن نے دیکھا تھا اسے بخود ہوا چینا بھی پھر — پر میرؔ جینے جی بخود ہر گز نہ آیا ایک میں

---

صنم پرستی میں اے راہباں نہ کی تقصیر | تم اہلِ صومعہ سے پُوچھو کہ وے مسلماں ہیں
چمن میں جا کے بھرو تم گلوں سے جیب و کنار | ہم اپنے دل ہی کے ٹکڑوں سے گُل بداماں ہیں
ہے تو عزتِ عشاق میں نہ کر تقصیر | کہ ایسے لوگ پیارے عزیز مہماں ہیں

---

جور کیا کیا جفائیں کیا کیا ہیں | عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں
فکرِ تعمیرِ دل کسو کو نہیں | ایسی ویسی بنائیں کیا کیا ہیں
گہ نسیم و صبا ہے گاہ سموم | اس چمن میں ہوائیں کیا کیا ہیں
منظرِ دیدہ قصرِ دل اے میرؔ | شہرِ تن میں بھی جائیں کیا کیا ہیں

---

محبت جہاں کی تہاں ہو چکی | کچھ اس روگ کی بھی دوا ہی نہیں
نہیں دیر اگر میرؔ کعبہ تو ہے | ہمارے کوئی کیا خدا ہی نہیں

---

دل لے کے کیسے جھگڑے مچا دیئے ہیں
بد وضع یاں کے لڑکے کیا خوش معاملے ہیں

گھبرانے لگتیاں ہیں رُک رُک کے تن میں جانیں
کرتے ہیں جو وفائیں اُن ہی کے حوصلے ہیں

جب کچھ تھی جہت مجھ سے تب کس سے ملتے تھے تم
اطراف کے یہ بے تہ اب تم سے آملے ہیں

میں جی سنبھالتا ہوں وہ ہنس کے ٹالتا ہے
یاں مشکلیں ہیں ایسی واں یہ مسالے ہیں

پانچوں حواس گم ہیں ہر اک کے اس سمیں میں
کیا میرؔ جی ہی تنہا ان روزوں دوولے ہیں

محبت نے کھویا کھپایا ہمیں
بہت اُس نے ڈھونڈا نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دُھوپ میں جلتے ہم
ہوا ہے کہے تو کہ سایا ہمیں
گئے نذر رہیں گاہ خوں بستہ تھیں
اِن آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں
ملے ڈالے ہے دل کو ئی عشق میں
یہ کیا روگ یارب لگایا ہمیں
ہوئی اُس گلی میں تو مٹی عزیز
ولے خواریوں سے اُٹھایا ہمیں
جوانی دوانی، سُنا کیا نہیں
حسینوں کا ملنا ہے بھایا ہمیں
نہ سمجھی گئی دشمنی عشق کی
بہت دوستوں نے جتایا ہمیں

---

جنوں نے تماشا بنایا ہمیں
رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں
سدا ہم تو کھوئے گئے سے رہے
کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں
شب آنکھوں سے دریا بہتا رہا
انہیں نے کنارے لگایا ہمیں
ہمارا نہیں تم کو کچھ پاس رنج
یہ کیا تم نے سمجھا ہے آیا ہمیں
جلیں پیش پا وپس جیسے شمع و پتنگ
جلا وہ بھی جن نے جلایا ہمیں
رہا تُو تو اکثر الم ناک میر
ترا طور کچھ خوش نہ آیا ہمیں

---

مرنے کے پیچھے تو راحت سچ ہے لیک
بیچ میں یہ واقعہ حائل ہے میاں
کی زیارت میر کی ہم نے بھی کل
لااُبالی سا ہے پر کامل ہے میاں

---

اُن نے تو آنکھیں مُوند لیاں ہیں اِدھر سے واں
اک آدھ دن میں دیکھئے یاں کیا ہے کیا نہیں

اُٹھتے ہو میرؔ دیر سے تو کعبہ چل رہو
مغموم کاہے کو ہو، تمہارے خدا نہیں

---

یہی مسدود ہے کچھ راہ وفا ورنہ ہم
سب کہیں نامہ و پیغام چلے جاتے ہیں
دیکھیں پیش آوے ہے کیا عشق اتو جوں سیل
ہم بھی اس راہ میں سر گاڑے چلے جاتے ہیں
پُرغباری جہاں سے نہیں سُدھ میرؔ ہمیں
گرد اتنی ہے کہ مٹّی میں رُلے جاتے ہیں

---

کیا کہیں پایا نہیں جاتا ہے کچھ تم کیا ہو میاں
ہم گئے دُنیا سے تم ہو اور اب دُنیا ہو میاں
گفتگو اپنی پریشاں حال کی یہ درہمی
میرؔ کچھ دل تنگ ہے ایسا نہ ہو سودا ہو میاں

---

## دیوانِ سوم

ہم بھی اس شہر میں ان لوگوں سے ہیں خانہ خراب
میرؔ گھر بار جنھوں کے رہ سیلاب میں ہیں

---

کہوں ہوں میرؔ سے دل دے کہیں ناجی لگے تیرا
جو ہو نقصانِ جاں اس کا تو کیونکر پھر مناؤں میں

---

تھا وہ فتنہ ملنے کے گوں کب کسی درویش کے
کیا کہیں ہم میرؔ صاحب سے ہوئے مفتوں کہاں

---

دل کی دوا اشک سے نہ نکلی بھڑاس
اوسوں بجھتی نہیں ہے پیاس کہیں

---

ظلم و ستم کیا جور و جفا کیا جو کچھ کہیے اٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں رہتا نہیں دل پھر آتا ہوں
گھر سے اٹھ کر کونے میں بیٹھا بیت پڑھے دو بات کہیں
کس کس طور سے اپنے دل کو اس بن میں بہلاتا ہوں
آنے کی میری فرصت کتنی دو دم دو پل ایک گھڑی
رنجش کیوں کا ہے کو خشونت غصہ کیا میں جاتا ہوں
پہلے فریب لطف سے اس کے کچھ نہ ہوا معلوم مجھے
اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں کڑھتا ہوں پچھتاتا ہوں

---

کبھو ملے ہے سو وہ یوں کہ پھر ملا نہ کریں
کرے ہے آپ ہی شکایت کہ ہم گلا نہ کریں
دل اب تو ہم سے بد یار اگر رہے جیسے
کسو سے ہم بھی دلی پھر معاملا نہ کریں

---

یہ بنا رہتی سی آتی ہے نظر یاں کچھ مجھے
اچھی ہے تعمیر دل کی اس خراب آباد میں

---

صبحِ چمن کا جلوہ ہندی مکھوں میں دیکھا
صندل بھری جبیں ہے ہونٹوں کی لالیاں ہیں
وہ دردِ دل نہیں تو کیوں دیکھتے ہی مجھ کو
پلکیں جھکالیاں ہیں آنکھیں چرالیاں ہیں

---

رفتگاں ہیں جہاں کے ہم بھی ہیں — ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں
نہیں مجنوں سے دل قوی لیکن — یار اُس ناتواں کے ہم بھی ہیں
وجہ بے گانگی نہیں معلوم — تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں
اپنا شیوہ نہیں کجی یوں تو — یار جی ٹیڑھے بانکے ہم بھی ہیں

اُس سرے کی ہے پارسائی میر
معتقد اُس جواں کے ہم بھی ہیں۔

---

بہت ناآشنا تھے لوگ یاں کے — چلے ہم چار دن رہ کر جہاں ہیں

---

دل و دلی اگر ہیں خراب — یہ کچھ لطف اس اُجڑے گھر میں بھی ہیں

---

زبانیں بدلتے ہیں ہر آن خوباں — یہ سب کچھ ہیں بگڑے زمانے کی باتیں
ہمیں دیر و کعبے سے کیا گفتگو ہے — چلی جاتی ہیں یہ سنانے کی باتیں
بگڑ بھی چکے یار سے ہم تو یارو — کرو کچھ اب اُس سے بنانے کی باتیں
بہت ہرزہ گوئی کی یاں میر صاحب — کرو واں کے کچھ مُنہ دکھانے کی باتیں

---

اب ایک سی بے ہوشی رہتی ہے سدا ہم کو — کچھ دل بھی سنبھلتے ہیں پر دیر سنبھلتے ہیں
گُل پھُول سے بھی اپنے دل تو نہیں لگتے ٹک — جی لوگوں کے بے جاناں کس طور بہلتے ہیں
اے گرمِ سفر یاراں جو ہے سو سرِ رہ ہے — جو رہ سکو رہ جاؤ اب میر بھی چلتے ہیں

---

کچھ تمہیں ملنے سے بے زار ہو میرے ورنہ — دوستی ننگ نہیں عیب نہیں عار نہیں

---

ہشیار تھے سب دام میں آئے نہ ہم آواز — تھی رفتگی سی مجھ کو گرفتار ہوا میں

---

گو نہیں میں کسو شمار میں میاں — عاقبت ایک دن حساب ہے میاں
لطف و مہر و وفا وہ کیا جانے — ناز ہے خشم ہے عتاب ہے میاں
چاہیئے وہ کہے سو لکھ رکھیں — ہر سخن میر کا کتاب ہے میاں

---

گرفتہ دل ہوں سر ارتباط مجھ کو نہیں — کسو سے شہر میں کچھ اختلاف مجھ کو نہیں
جہاں ہو تیغ بکف کوئی سادہ جا لگنا — اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجھ کو نہیں
ہوا ہوں فرطِ اذیت سے میں تو سن اے میر — تمیز رنج و خیالِ نشاط مجھ کو نہیں

---

جوشِ غم اُٹھنے سے اک آندھی چلی آتی ہے میاں
خاک سی مُنہ پہ مرے اُس وقت اُڑ جاتی ہے میاں
گات اُس اوباش کی لیں کیونکہ بر میں میر ہم
ایک جھرمٹ شال کا ایک شال کی کاتی ہے میاں

---

ہم بھی تو فصلِ گل میں چل ٹک تو پاس بیٹھیں
سر جوڑ جوڑ کیسے کلیاں نکلتیاں ہیں
دیکھیں تو میر کیا ہو بے طاقتی سے حالت
اب تو بدبر جانیں اپنی سنبھلتیاں ہیں

---

بہار آئی کھلے گل پھول شاید باغ صحرا میں — جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغ صحرا میں

---

شہروں ملکوں میں جو یہ میرؔ کہاتا ہے میاں
دیدنی ہے پہ بہت کم نظر آتا ہے میاں
کیا پری خواں ہے جو رانوں کو جگاوے ہے میرؔ
شام سے دل جگر و جان جلاتا ہے میاں

---

جلئے ہے جی نجات کے غم میں
ایسی جنت گئی جہنم میں
پر کے تنکی بے کلی قفس میں بہت
دیکھئے اب کے گل کے موسم میں
آپ میں ہم نہیں تو کیا ہے عجب
دور اس سے رہا ہے کیا ہم میں
بے خودی پر نہ میرؔ کی جاؤ
تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

---

جس کا خوباں خیال لیتے ہیں
دل کلیجہ نکال لیتے ہیں
دیکھا ہے ہو ملک سے بھی لغزش
ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں
ہیں گدا میرؔ بھی ولے دو جہاں
کر کسے ایک ہی سوال لیتے ہیں

---

بوسہ لبوں کا لیتے ہی تم تو بگڑ گئے
بہتیری باتیں ہوتی ہیں اخلاص پیار میں
کس کس ادا سے ریختے میں نے کہے ولیک
سمجھا نہ کوئی میری زباں اس دیار میں

---

روتے ہیں نالہ کش ہیں با رات دن جلے ہیں
ہجراں میں اس کی ہم کو بہتیرے مشغلے ہیں
مرنا ہے خاک ہونا ہو خاک اڑتے پھرنا
اس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں

تھا جو مزاج اپنا سو زِ کہاں رہا ہے
پر نسبت اگلی تو بھی ہم ان دنوں بھلے ہیں

---

رہا تھا دیکھ اُودھر میر چلتے عجب اک نا اُمیدی تھی نظر میں

---

ضعیف و زار تنگی سے ہیں ہر چند ولیکن میر اُڑتے ہیں ہوا میں

---

ہجر نا چند ہم اب وصل طلب کرتے ہیں
لگ گیا ڈھب تو اسی شوخ سے ڈھب کرتے ہیں
تم کبھو میر کو چاہو سو کہ چاہیں ہیں تمہیں
اور ہم لوگ تو سب اُن کا ادب کرتے ہیں

---

راہ روش کو ہو وے ٹھکانا تو کچھ کہیں کیا جانے میر آ گئے تھے کل کدھر سے یاں

---

مصرع کوئی کوئی کبھو موزوں کروں ہوں میں
کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں
بات اپنے ڈھب کی کوئی کرے وہ تو کچھ کہوں
بیٹھا خموش سامنے ہوں ہوں کروں ہوں میں
کب بے دماغی شہر سے دیتی ہے اُٹھنے میر
یوں تو خیالِ وادیٔ مجنوں کروں ہوں میں

---

تاچند وہ ستم کرے ہم درگزر کریں — اب جی میں ہے کہ شہر سے اُس کے سفر کریں
فرہاد وقیس کوہ کن و دشت گرد تھے — مُنہ نوچیں چھاتی کوٹیں یہی ہم ہُنر کریں
لاویں کہاں سے خونِ دل اتنا کہ میر ہم — جس وقت بات کرتے لگیں چشم تر کریں

کچھ حال میر جی کے آتے نہیں سمجھ میں
ہم بھی سلوک اُن سے اب کم کیا کریں ہیں

## دیوانِ چہارم

ضعفِ دماغ سے کیا پوچھو ہو اب تو ہم میں حال نہیں
اتنا ہے کہ طپش سے دل کی سر پر وہ دھمال نہیں
گاہے گاہے اس میں ہم نے مُنہ اُس مہ کا دیکھا تھا
جیسا سال کہ پر کا گزرا ویسا بھی یہ سال نہیں

دل کے گئے بے دل کہلائے آگے دیکھئے کیا کیا ہوں
محزوں ہو ویں مفتوں ہو ویں مجنوں ہو ویں رُسوا ہوں
عشق کی رہ میں پاؤں رکھا سو رہنے لگے کچھ رفتہ سے
آگے چل کر دیکھیں ہم اب گُم ہو ویں یا پیدا ہوں

مینہ جو برسے ہے شدت سے دیکھ اندھیری کیا ہے یہ
یعنی تنگ جو ہم آتے ہیں دل کو کھول کے رو لیں ہیں

مرگ کا وقفہ اس رستے میں کیا ہے میر سمجھتے ہو
ہارے ماندے راہ کے ہم لوگ کوئی دم سولیں ہیں

---

زباں سے ہماری ہے صیاد خوش ہمیں اب امیدِ رہائی نہیں

---

دل کی لاگ بُری ہے ہوتی چنگے بھلے مر جاتے ہیں
آپ میں ہم سے بے خود و رفتہ پھر پھر بھی کیا آتے ہیں
رنگ نہ بدلے چہرے کا کیوں آنکھیں بیٹھی جائیں نہ کیوں
کیسے کیسے غم کھاتے ہیں کیا کیا رنج اُٹھاتے ہیں
جی ہی جائے ہے میر جو اپنا دیر کی جانب کیا کریے
یوں تو مزاج طرف کعبے کے بہتیرا ہم لاتے ہیں

---

دل کی کچھ تقصیر نہیں ہے آنکھیں اُس سے لگ پڑیاں
مار رکھا سو اُن نے مجھ کو کس ظالم سے جا لڑیاں
میر بلائے جان رہے ہیں دونوں فراق و وصل آ کے
ہجر کی راتیں وہ بھاری تھیں ملنے کے دن کی یہ گھڑیاں

---

تلاش میر کی اب مے کدوں میں کاش کریں
کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

---

طرفہ صناع ہیں اے میر یہ موزوں طبعاں بات جاتی ہے بگڑ بھی تو بنا دیتے ہیں

---

جی مارا بے تابیٔ دل نے اب کچھ اچھا ڈھنگ نہیں
رنگ طپیدن کی شوخی سے مُنہ پر میرے رنگ نہیں
ہم بھی عالمِ فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر
ایک سوال میں دو عالم دیں اُن سے دل کو تنگ نہیں
ہاتھ پہ ہاتھ دھرے ہو گے کیا میرے طورِ شتابی ہو
بیٹھا ہوں کھڑے پاؤں ہیں تو کچھ چلنے میں درنگ نہیں

---

وہ نہیں اب کہ فریبوں سے لگا لیتے ہیں
ہم جو دیکھیں ہیں تو وہ آنکھ چھپا لیتے ہیں
ہم فقیروں کو کچھ آزار تمہیں دیتے ہو
یوں تو اس فرقے سے سب لوگ دعا لیتے ہیں
چاک سینے کے ہمارے نہیں سینے اچھّے
انہیں زخموں سے دل و جان ہوا لیتے ہیں
میرؔ کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطّار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

---

تھکے چارہ جوئی سے اب کیا کریں
کہو تم سو دل کا مداوا کریں
نہیں چاہتا جی کچھ اب سیر میں
ہوس دل کو ہو تو تمنّا کریں
بُرے حال اُس کی گلی میں ہیں میرؔ
جو اُٹھ جائیں واں سے تو اچھا کریں

---

گوندھ کے گویا پتّی گُل کی وہ ترکیب بنائی ہے
رنگ بدن کا تب دیکھو جب چُولی بھیگے پسینے میں
میرؔ نے کیا کیا ضبط کیا ہے شوق میں اشکِ خونیں کو
کہیے جو تقصیر ہوئی ہو اپنا لوہو پینے میں

پنج روزہ عمر کر یے عاشقی یا زاہدی
کام چلتا نہیں اس تھوڑی سی مہلت سے یاں
کیا سر جنگ و جدل ہوے دماغ عشق کو
صلح کی ہے میرؔ نے ہفتاد و دو ملت سے یاں

شور نہیں یاں سنتا کوئی میرؔ قفس کے اسیروں کا
گوش نہیں دیوار چمن کے گل کے شاید کان نہیں

یوں ناکام رہیں گے کب تک جی میں ہے اک کام کریں
رسوا ہو کر مارے جاویں اُس کو بھی بدنام کریں
جس کو خدا دیتا ہے سب کچھ وے ہی سب کچھ دیتے ہیں
ٹوپی لنگوٹی پاس اپنے ہم اس پر کیا انعام کریں
دل آسودہ ہو تو رہے ٹک در پہ ہم سو بار گئے
وہ سو بھی کہہ بھیجے ہے باہر جاویں اب آرام کریں
میلِ گدائی طبع کو اپنے کچھ بھی نہیں ہے ورنہ میرؔ
دو عالم کو مانگ کے لاویں ہم جو تنک ابرام کریں

پھرا میں صورتِ احوال ہر یک کو دکھاتا یاں
مروت قحط ہے آنکھیں نہیں کوئی ملاتا یاں
خرابہ دلی کا وہ چند بہتر لکھنو سے تھا
وہیں میں کاش مر جاتا سراسیمہ نہ آتا یاں

محبت دشمن جاں ہے جو میں معلوم یہ کرتا
تو کاہے کو کسو سے میرؔ اپنا دل لگاتا یاں

---

## دیوانِ پنجم

تاروں کی جیسی دیکھی ہیں آنکھیں لڑائیاں
اُس بے نشاں کی ایسی ہیں چندیں نشانیاں
پیری ہے اب تو کہیے سو کیا کہیے ہم نشیں
کس رنج و غم میں گزری ہیں اپنی جوانیاں
سُنتا نہیں ہے شعر بھی وہ حرف ناشنو
دل ہی میں خوں ہو گئیں مری نکتہ دانیاں
سر رفتہ سُن نہ میرؔ کا گر قصدِ خواب ہے
نیندیں اُچٹتیاں ہیں سُننے یہ کہانیاں

---

کسو سے دِل نہیں ملتا ہے یارب
ہوا تھا کس گھڑی اُن سے جُدا میں
تعارف ہم صفیروں سے نہیں کچھ
ہوا ہوں ایک مدت میں رہا میں

---

ہندو بچوں سے کیا معیشت ہو
یہ کبھو انگ دان دیتے ہیں
یہ عجب گم ہوئے ہیں جس کے لئے
نہیں اس کا نشان دیتے ہیں
گُلِ خوباں میں میرؔ مہر نہیں
ہم کو غیروں میں سان دیتے ہیں

---

پلکیں پھری ہیں کھنچی بھویں ہیں ترچھی تیکھی نگاہیں ہیں
اُس اوباش کی سادگی دیکھو شوخی سے ہم چاہیں ہیں
پہناوا خوش آیا ہے ان لڑکے چپاں پوشوں کا
مونڈھے چُستے ہیں چُولی پھنسی ہے ٹیڑھی ٹیڑھی کلاہیں ہیں
ضبط گریہ دل سے ہو تو کوزے میں دریا کرنا ہے
حوصلہ داری جن کی ہو ایسی عشق میں اُن کو سراہیں ہیں
دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے رہ جاتے ہیں چُپکے سے
چھاتی سراہیے اُن لوگوں کی جو چاہت کو نباہیں ہیں
یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میرؔ نہ اپنے دل سے کیا
سونے سے اُٹھ کر آنکھیں ملی ہیں لے انگڑائی جماہیں ہیں

---

صبر کیا ہے برسوں ہم نے رات سے بے طاقت ہیں
اور گزارا کب تک ہوگا کچھ اب ہم رخصت سے ہیں
رسم لطف نہیں ہے مطلق شہر خوش مجبوباں میں
دیکھے کم جو کرنے کسو پر عاشق ہم مدت سے ہیں
عشق کے دین اور مذہب میں مرجانا واجب آیا ہے
کوہکن و مجنوں موئے اب ہم بھی اُسی ملت سے ہیں
فرصت اُن کو کم ہے اگرچہ پر ملتے ہیں قابو پہ
برسوں میرؔ سے مل دیکھا ہے کچھ وے کم فرصت سے ہیں

---

کہنے لگا کہ میرؔ نہیں بچوں گا کہیں  تم دیکھیو نہ کہیو غلام اس کے ہم نہیں

---

دل جلتے کچھ بن نہ آتی حال بگڑتے جاتے ہیں
جیسے چراغِ آخری شب ہم لوگ نبڑتے جاتے ہیں

---

عشق نے ہم کو مار رکھا ہے جی میں اپنے تاب نہیں
دل کو خیالِ صبر نہیں آنکھوں کو میلِ خواب نہیں
رنگ شکستہ دل ہے شکستہ سر ہے شکستہ مستی ہیں
حال کسو کا اپنا سا اس مے خانے میں خراب نہیں
ٹھیریں میرؔ کسو جاگہ ہم دل کو قرار جو ٹک ہووے
ہو کے فقیر اس در بیٹھیں اُس کے بھی ہم باب نہیں

---

جوانی میں نہ رسوائی ہوئی تا میرؔ غم کہنے　　　ہوئے اطفال نہ بازار گاہک جی کے پیری میں

---

ہم وے ہر چند کہ ہم خانہ ہیں دونوں لیکن　　　روشِ عاشق و معشوق جدا بیٹھے ہیں
باغ میں آئے ہیں پر اس گل تر بن یک سو　　　غنچہ پیشانی و دل تنگ خفا بیٹھے ہیں
کیا کہوں آئے کھڑے گھر سے تو اک شوخی سے　　　پاؤں کے نیچے مرے ہاتھ دبا بیٹھے ہیں
قافلہ قافلہ جاتے ہیں چلے کیا کیا لوگ　　　میرؔ غفلت زدہ حیران سے کیا بیٹھے ہیں

---

منہ کئے اُودھر زرد ہوئے جاتے ہیں ڈر سے سبک ساراں
کیوں کہ ہیں گے اس رستے میں ہم سے آہ گراں باراں
کی ہے عمارت دل کی جنھوں نے اُن کی بنا کچھ رکھی رہی
اور تو خانہ خراب ہی دیکھے اس بستی کے معماراں

عشق میں ہم سے تم سے کہیں تو کھپ جاویں غم کس کو ہے
مارے گئے ہیں اس میداں میں کیا دل والے جگر داراں

---

کیا کیا مردم خوش ظاہر ہیں عالمِ حُسن میں نامِ خدا
عالمِ عشق خرابہ ہے واں کوئی گھر آباد نہیں

---

تدبیر کوئی بتا دے جو آپ کو سنبھالیں
جینے کی اپنے ہم بھی کوئی طرح نکالیں

---

مے کشی صبح و شام کرتا ہوں
فاقہ مستی مدام کرتا ہوں
کوئی ناکام یوں رہے کب تک
میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں دادِ دل یا اب
کام اپنا تمام کرتا ہوں

---

## دیوانِ ششم

بہتے دکھلائی نہیں دیتے بلاکش اُس کے
جی کھپے جاتے ہیں دل اپنے دیئے جاتے ہیں
گرم ہیں اُس کی طرف جانے کو ہم لیکن میر
ہر قدم ضعفِ محبت سے ڈھلے جاتے ہیں

---

دیر سے میر اُٹھ کے کعبے گئے
کہئے کیا نکلے جا کہیں کے کہیں

---

رابطہ باہم ہے کوئی دن کا یاں — پھر زمانے میں کہاں تم ہم کہاں
عشق میں کیوں کر بسر کر دیجئے گا عمر — دل لگا ہے جس سے سو نا مہرباں

---

اُس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
دل کی پھر دل میں لئے چپکے چلا جاتا ہوں
یک بیاباں ہے مری بے کسی و تنہائی
مثلِ آوازِ جرس سب سے جُدا جاتا ہوں

---

نہ سمجھو مجھے بے خبر اس قدر — نہ دل سے لوگوں کے آگاہ ہوں
مری کج روی سادگی سے ہے میرؔ — بہت اس روئیے پہ گمراہ ہوں

---

بہار آئی مزاجوں کی سبھی تدبیر کرتے ہیں
جوانوں کو انہیں ایام میں زنجیر کرتے ہیں
براہمن زادگانِ ہند کیا پرکار سادے ہیں
مسلمانوں کی یار لئے ہی ہیں تکفیر کرتے ہیں

تماشا دیکھنا منظور ہو تو مل فقیروں سے
کہ چٹکی خاک کی لے ہاتھ میں اکسیر کرتے ہیں

---

اظہارِ کم فراغی ہر دم کی بے دماغی
ان روزوں میرؔ صاحب کچھ میرزا ہوئے ہیں

---

بے کار مجھ کو مت کہہ میں کار آمدہ ہوں
بیگانہ وضع نو ہوں پر آشنا زدہ ہوں

---

آئے ہیں میرؔ کافر ہو کر خدا کے گھر میں
پیشانی پر ہے قشقہ زنار ہے کمر میں

---

آنکھ لگی ہے جب سے اُس سے آنکھ لگی زنہار نہیں
نیند آتی ہے دل جمعی میں سو تو دل کو قرار نہیں

وصل میں اُس کے روز و شب کیا خوب گزرتی تھی اپنی
ہجراں کا کچھ اور ہے ساماں اب وہ لیل و نہار نہیں

لطفِ عمیم اُس کا ہے ہمدم کیوں نہ غنیمت جانیں ہم
ربطِ خاص کسو سے اُس سے ہو یہ تو طور یار نہیں

عشق میں اُس بے چشم و رُو کے طرفہ رُویت پیدا کی
کس دن اُودھر سے اب ہم پر گالی جھڑکی مار نہیں

---

دل کو جانا تھا گیا رہ گیا ہے افسانہ
روز و شب ہم بھی کہانی سی کہا کرتے ہیں

واں سے یک حرف و حکایت بھی نہیں لایا کوئی
یاں سے طومار کے طومار چلا کرتے ہیں

میرؔ کیا جانے کسے کہتے ہیں واشد وے تو
غنچہ خاطر ہی گلستاں میں رہا کرتے ہیں

---

نا آشنا کے اپنے جیسے ہم آشنا ہیں
اس طور اس طرح کے ایسے کم آشنا ہیں

باہم جو یاریاں ہیں اور آشنائیاں ہیں
سب ہیں نظر میں اپنی ہم عالم آشنا ہیں

ماتم کدہ ہے تکیہ کیا تازہ کچھ ہمارا
یک جا فقیر کب سے ہم سب غم آشنا ہیں

یاری جہانیوں کی کیا میرؔ معتبر ہے
نا آشنا ہیں یکدم یہ اک دم آشنا ہیں

گو کہ بُت خانے رہا ہوں میں
بخدا با خُدا رہا ہوں میں

سب گئے دل دماغ تاب و تواں
میں رہا ہوں سو کیا رہا ہوں میں

برق تو میں نہ تھا کہ جل بُجھتا
ابرِ تر ہوں کہ چھا رہا ہوں میں

اُس کی بیگانہ وضعی ہے معلوم
برسوں تک آشنا رہا ہوں میں

دُور کے لوگ جن نے ملے قریب
اُس کے ہمسائے آ رہا ہوں میں

مجھ کو بدحال ہے نہ دیں اے کاش
بے دوا کچھ بھلا رہا ہوں میں

کچھ رہا ہی نہیں ہے مجھ میں میرؔ
جب سے اُس سے جُدا رہا ہوں میں

## ردیف واؤ

### دیوانِ اوّل

کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسو دیوار کے سائے میں منہ پہ لیکے داماں کو

گر ہو سکے اے میرؔ تو اُس راہ نہ جا تو
بے ہوشی سی آئی ہے تجھے اُس کی گلی میں

چاہوں تو بھر کے کولی اُٹھا لوں ابھی تمہیں کیسے ہی بھاری ہو مرے آگے تو پھول ہو
دل لے کے لونڈے دلّی کے کب کا پچا گئے اب اُن سے کھائی پی ہوئی شے کیا وصول ہو
ناکام اس لئے ہو کہ چاہو ہو سب کچھ آج تم بھی تو میرؔ صاحب و قبلہ عجول ہو

---

کہتے ہو اتحاد ہے ہم کو ہاں کہو اعتماد ہے ہم کو
شوق ہی شوق ہے نہیں معلوم اُس سے کیا دل نہاد ہے ہم کو
آہ کس ڈھب سے رویئے کم کم شوق حد سے زیاد ہے ہم کو
سادگی دیکھ عشق میں اُس کے خواہشِ جانِ شاد ہے ہم کو
بدگمانی ہے جس سے تس سے آہ قصدِ شور و فساد ہے ہم کو
دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں اور سب سے عناد ہے ہم کو

نامرادانہ زیست کرتا تھا
میرؔ کا طور یاد ہے ہم کو

---

خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی
کدھر کے ہو جئے جو بے بال و پر رہائی ہو
مغاں سے راہ تو ہو جائے رفتہ رفتہ شیخ
ترا بھی قصد اگر ترکِ پارسائی ہو
کہیں تو ہیں کہ عبث میرؔ نے دیا جی کو
خدا ہی جانے کہ کیا جی میں اُس کے آئی ہو

---

ہم سایہ اس چمن کے کتنے شکستہ پر ہیں اٹھنے لگے کہ شاید اک باؤ گل فشاں ہو

میرؔ اُس کو جان کر تُو بے شبہ ملیو رہ پر
صحرا میں جو نمد مُو بیٹھا کوئی جواں ہو

---

گرچہ کب دیکھتے ہو پر دیکھو
آرزو ہے کہ تم اِدھر دیکھو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے
آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو

رنگِ رفتہ بھی دل کو کھینچے ہے
ایک شب اور یاں سحر دیکھو

پہنچے ہیں ہم قریب مرنے کے
یعنی جاتے ہیں دُور اگر دیکھو

لطف مجھ میں بھی ہیں ہزاروں میرؔ
دیدنی ہوں جو سوچ کر دیکھو

---

ایک رونا ہی نہیں آہ دغم ونالہ ودرد
ہجر میں زندگی کرنے کے تئیں کیا کیا ہو

---

دلیسا کہاں ہے ہم سے جیسا کہ آگے تھا تُو
اوروں سے مِل کے پیارے کچھ اور ہو گیا تو

آ ابر ایک دو دم آپس میں رکھیں صحبت
کڑھنے کو ہوں میں آندھی رونے کو ہے بلا تو

کہہ سانجھ کے موئے کو اے میرؔ روئیں کب تک
جیسے چراغ مفلس اک دم میں جل بجھا ہو

---

ہم سے تو تم کو ضد سی پڑی ہے خواہ نخواہ رُلاتے ہو
آنکھ اُٹھا کر جب دیکھے ہیں اوروں میں ہنستے جاتے ہو

صبح سے یاں پھر جان و دل پر روز قیامت رہتی ہے
رات کبھو آرہتے ہو تو یہ دن ہم کو دکھلاتے ہو

راحت پہنچی تک تم سے تو رنج اُٹھایا برسوں تک
سر سہلاتے ہو جو کبھو تو بھیجا بھی کھا جاتے ہو

ہو کے گدائے کوئے محبت زور صدا یہ نکالی ہے
اب تو میر جی رانوں کو تم ہر در پر چلّاتے ہو

ایسے تو حال کے کہنے سے بھلی خاموشی
کہیے اُس سے جو کوئی اپنا کہا رکھتا ہو

مت پوچھو کچھ اپنی باتیں کہیے تو تم کو ندامت ہو
قد و قامت پر کچھ ہے تمہارا لیکن قہر قیامت ہو
ربط اخلاص اے دیدہ و دل بھی دنیا میں ایک سی ہوتا ہے
لگ پڑتے ہو جس سے تس سے تم بھی کوئی ملامت ہو
چاہ کا دعویٰ سب کرتے ہیں ماننیے کیوں کر بے آثار
اشک کی سرخی، زردی منہ کی عشق کی کچھ تو علامت ہو
ہو جو ارادہ یاں رہنے کا رہ سکیے تو رہیے آپ
ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصد اقامت ہو
شور و شغب کو رانوں کے ہمسائے تمہارے کیا روویں
ایسے فتنے کتنے اُٹھیں گے میر جی تم جو سلامت ہو

شیخ جی آؤ مصلیٰ گرو جام کرو
جنس تقویٰ کے تئیں صرف مے جام کرو
فرش مستاں کرو سجادۂ بے تہ کے تئیں
مے کی تعظیم کرو شیشے کا اکرام کرو
دامن پاک کو آلودہ رکھو بادے سے
آپ کو مغبچوں کے قابل دشنام کرو
نیک نامی و تفاوت کو دعا جلد کہو
دین و دل پیش کش سادۂ خود کام کرو
ننگ و ناموس سے اب گزرو جوانوں کی طرح
پر فشانی کرو اور ساقی سے ابرام کرو

خوب اگر جرعۂ مے نوش نہیں کر سکتے  خاطرِ جمع مے آشام سے یہ کام کرو
اُٹھ کھڑے ہو جو جُھکے گردنِ مینائے شراب  خدمتِ بادہ گساراں ہے سرانجام کرو
مُطرب اگر جو کرے چنگ نوازی تو تم  پیرہن مستوں کی تقلید سے انعام کرو
خُنکی اتنی بھی تو لازم نہیں اِس موسم میں  پاسِ جوشِ گُل و دل گرمیٔ ایام کرو
سایۂ گُل میں لبِ جُو پہ گلابی رکھو  ہاتھ میں جام کو لو آپ کو بدنام کرو
آہ تا چند رہو خانقہ و مسجد میں  ایک تو صبح گلستان میں بھی شام کرو

رات تو ساری گئی سُنتے پریشاں گوئی
میرجی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

---

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو  ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو
ایسے ہم پیشہ کہاں ہوتے ہیں اے غم زدگاں  مرگِ مجنوں پہ کمر باندھو ماتم فرہاد کرو
اے اسیرانِ تہِ دام نہ تڑپو اِتنا  تا نہ بدنام کہیں چنگلِ صیاد کرو

اوّلِ عشق ہی میں میرجی تم رونے لگے
خاک ابھی مُنہ کو ملو نالہ و فریاد کرو

---

نزدیک اپنے ہم نے تو سب کر رکھا ہے سہل  پھر میر اس میں مُردنِ دشوار کیوں نہ ہو

---

مقصود دردِ دل ہے نہ اسلام ہے نہ کُفر
پھر ہر گلے میں سبحہ و زنار کیوں نہ ہو
تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری اُدھر
تُو اس ستم کا میر سزاوار کیوں نہ ہو

---

ہووے ہزار وحشت اُسے تو بھی یار ہے — اغیار تیرے ساتھ جو ہوں میر کیوں نہ ہو

جو بے دماغی یہی ہے تو بن چکی اپنی — دماغ چاہیئے ہر اک سے ساز کرنے کو
زیادہ حد سے تھی ناتوانی میر پر کثرت — ہوا نہ وقت مساعد نماز کرنے کو

---

کیا کیا عزیز دوست ملے میر خاک میں — کچھ اس گلی میں ہم ہی نہیں خوار ایک دو

حالِ دل میر کا اے اہلِ وفا مت پوچھو
اس ستم کشتہ پہ جو گذری جفا مت پوچھو
صبح سے اور بھی پاتا ہوں اُسے شام کو تند
کام کرتی ہے جو کچھ میری دُعا مت پوچھو
ہوش و صبر و خرد و دین و حواس و دل و تاب
اُس کے ایک آنے میں کیا کیا نہ گیا مت پوچھو
اشتعالک کی محبت نے کہ در بست پھنکا
شہرِ دل کیا کہوں کس طور جلا لت پوچھو
وقتِ قتل آرزوئے دل جو لگے پوچھنے لوگ
بس اشارت کی اُدھر اُن نے کہا مت پوچھو
خواہ مارا اُنہیں نے میر کو خواہ آپ موا
جانے دو یار جو ہونا تھا ہوا مت پوچھو

دل خراشی و جگر چاکی و سینہ کاوی — اپنے ناحق میں ہیں سب اور ہنر مت پوچھو
جوں توں کر حالِ دل اک بار تو میں عرض کیا — میر صاحب جی بس اب بار دگر مت پوچھو

اُس کی طرزِ نگاہ مت پوچھو — جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو
کہیں پہنچوگے بے رہی ہیں بھی — گُم رہاں یوں بہ راہ مت پوچھو
میر عاشق کو تم کو کچھ کہیے ہی بنے — خواہ وہ پوچھو خواہ مت پوچھو

〰〰〰

محرماں بے دمی کا میری سبب مت پوچھو
ایک دم چھوڑ دو یوں ہی مجھے اب مت پوچھو
گریۂ شمع کا اے ہم نفساں ہیں تھا حریف
گزُری ہے رات کی صحبت بھی عجب مت پوچھو

میر صاحب نئی یہ طرز ہو اُس کی تو کہوں
موجب آزردگی کا وجہ غضب مت پوچھو

〰〰〰

کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب — سمجھاؤں کب تک اس دلِ خانہ خراب کو

〰〰〰

لُطف کیا آزردہ ہو کر آپ سے ملنے کے بیچ
ٹک تری جانب سے جب تک عُذر خواہی بھی نہ ہو
چاہتا ہے جی کہ ہم تو ایک جا تنہا ملیں
نازِ بے جا بھی نہ ہووے کم نگاہی بھی نہ ہو!

〰〰〰

افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں ہیں — سو جا بیو نہ پیارے اس داستاں تلک تُو

〰〰〰

## دیوانِ دوم

اتنا کہا نہ ہم سے تم نے کبھو کہ آؤ
کاہے کو یوں کھڑے ہو وحشی سے بیٹھ جاؤ

اب آتے ہو تو آؤ ہر لحظہ جی گھٹے ہے
پھر لطف کیا جو آکر آدھا بھی تم نہ پاؤ

تھی سحر یا نگہ تھی ہم آپ کو تھے بھولے
اس جادوگر کو یارو پھر بھی ٹک دکھاؤ

مارے گئے سو گزرے جی پھر پھر آتے ہیں کہ
آئندہ میر صاحب دل مت کہیں لگاؤ

---

کیا اُس کے کئے ہے ذکر دل کا — ویران پڑا ہے یہ مکاں تو
کیا کیا نہ عزیز خوار ہوں گے — ہونے دو اُسے ابھی جواں تو
مت تُربتِ میر کو مٹاؤ — رہنے دو غریب کا نشاں تو

---

میر تو تو عاشقی میں کھپ گیا — مت کسی کو چند روز اب چاہ تو

---

بدزباں ہو جب سے خوش اسلوب ہو — کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو
بے نقابی اُس کی ہے ہم پر ستم — لائیے منہ پر تو وہ محجوب ہو
ایسا شہرِ حسن ہی ہے تازہ رسم — دوستی باہم جہاں معیوب ہو
مطلبِ عمدہ ہے دل لے تو رکھو — گاہ باشد تم کو بھی مطلوب ہو

جو کہو ہو سو مخالف عقل کے　　　میرؔ صاحب تم مگر مجذوب ہو

---

لگ نہ چل اے نسیم باغ ہیں کہ　　　رہ گیا ہوں چراغِ سا گُل ہو
اب دُھواں یوں جگر سے اُٹھتا ہے　　　جیسے پُر پیچ کوئی کاکُل ہو
ادھ جلا لالہ ساں رہا تو کیا　　　داغ بھی ہو تو کوئی بالکل ہو
مجھ دوانے کی مت ہلا زنجیر　　　کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غُل ہو

مُنکشف ہو رہا ہے حالِ میرؔ
کاش ٹک یار کو تامّل ہو

---

نہ میرے باعثِ شور و فغاں ہو　　　ابھی کیا جانیئے یاں کیا سماں ہو
جگر تو چھن گیا تیروں کے مارے　　　تمہاری کس طرح خاطر نشاں ہو
تم اے نازک تناں وہ ہو کہ سب کے　　　تمنّائے دل و آرامِ جاں ہو

ہوئے ہم پیر سو ساکت ہیں اب میرؔ
تمہاری بات کیا ہے تم جواں ہو

---

برسوں میں کبھو ایدھر تم ناز سے آتے ہو
پھر برسوں نہیں پیارے جی سے نہیں جاتے ہو
آتے ہو تم آنکھوں میں پھرتے ہو تمہیں دل میں
مدّت سے اگرچہ یاں آتے ہو نہ جاتے ہو
خوش کرنے سے ٹک ایسے ناخوش ہی رکھا کریے
ہنستے ہو گھڑی بھر تو پہروں ہی رُلاتے ہو

کچھ عزت کفر آخر اے دیر کے باشندو
مجھ سہل سے کو کیوں تم زنار بندھاتے ہو

آوارہ اُسے پھرتے پھر برسوں گزرتے ہیں
تم جس کسو کو اپنے ٹک پاس بلاتے ہو

دل کھول کے مل چلیئے جو میر سے ملنا ہے
آنکھیں بھی دکھاتے ہو پھر منہ بھی چھپاتے ہو

---

ہر صبح شام تو پئے ایذائے میر ہو
ایسا نہ ہو کہ کام ہی اُس کا اخیر ہو

ہو کوئی بادشاہ کوئی یاں وزیر ہو
اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو

ہوتے ہیں میکدے کے جوان شیخ جی بُرے
پھر در گزر یہ کرتے نہیں گو کہ پیر ہو

حد سے زیادہ جور و ستم خوش نما نہیں
ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو

ایسا ہی اُس کے گھر کو بھی آباد دیکھیو
جس خانماں خراب کا یہ دل مشیر ہو

یک وقتِ خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو
تم بھی تو میر صاحب و قبلہ فقیر ہو

---

ٹک لطف سے ملا کر گو پھر کبھو کبھو ہو
سو تب تلک کہ مجھ کو ہجراں سے تیرے خو ہو

کیا کیا جوان ہم نے دُنیا سے جاتے دیکھے
اے عشق بے محابا دُنیا ہو اور تو ہو

ایسے کہو گے کچھ تو ہم چپکے ہو رہیں گے
ہر بات پر کہاں تک آپس میں گفتگو ہو

کہتے ہو کانپتا ہوں جوں بید عاشقی سے
تم بھی تو میر صاحب کتنے خلاف گو ہو

جی میں تو ہے کہ دیکھیے آوازہ میر کو — لیکن خدا ہی جانے وہ گھر میں ہو یا نہ ہو

---

خدا کرے کہ بتوں سے نہ آشنائی ہو — کہ پھر موئے ہی بنے ہے اگر جدائی ہو
ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں — دکھائی دے ہے موئے ہی پہ اب رہائی ہو

---

سب سرگزشت سن چکے اب چپکے ہو رہو — آخر ہوئی کہانی مری تم بھی سو رہو
اتنا سیاہ خانۂ عاشق سے تنگ کیا — کتنے دنوں میں آئے ہو یاں رات تو رہو

---

لائق نہیں تمہیں کہ ہمیں ناسزا کہو — پر ہے یہی ہمارے کیے کی سزا کہو
چپکے رہے بھی چین نہیں تب کہے ہے یوں — لب بستہ بیٹھے رہتے جو مدعا کہو
پیغام بر تو بارو تمہیں میں کروں ولے — کیا جانوں جا کے حق میں مرے اس سے کیا کہو
اب نیک و بد یہ عشق میں مجھ کو نظر نہیں — اس میں مجھے برا کہو کوئی بھلا کہو
صحبت ہماری اس کی جو ہے گفتنی نہیں — کیا کہیے گر کہے کوئی یہ ماجرا کہو
یارو خصوصیت تو ہے اپنے اس کے ساتھ — میرا کہو جو حال تو اس سے جدا کہو
آشفتہ مو حواس پریشاں خراب حال — دیکھو مجھے تو خبطی دوانہ سڑا کہو
کب شرح شوق ہو سکے پر تو بھی میر جی — خط تم نے جو لکھا اسے کیا کیا لکھا کہو

---

صحبت آخر ہے ہماری نہ کرو پھر افسوس
متصل ہو سکے تو ہم سے ملاقات کرو

تم تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ
اتنی چپ بھی نہیں ہے خوب کوئی بات کرو

---

بس بہت وقت کیا شعر کے فن میں ضائع
میرؔ اب پیر ہوئے ترک خیالات کرو

جوں غنچہ میرؔ اتنے نہ بیٹھے رہا کرو — گُل پھول دیکھنے کو بھی ٹک اُٹھ چلا کرو
بہ اضطراب دیکھ کہ اب دشمنوں سے بھی — کہتا ہوں اُس کے ملنے کی کچھ تم دعا کرو
دشمن ہیں اپنے جی کے تمہارے لئے ہوئے — تم بھی حقوق دوستی کے کچھ ادا کرو
اپنا چلے تو آپ ہی ستم سب اُٹھائیے — تم کون چاہتا ہے کسو پر جفا کرو
ہر چند ساتھ جان کے ہے عشق میرؔ لیک
اس دردِ لاعلاج کی کچھ تو دوا کرو

---

نزدیک ہے کہ جاویں ہم آپ سے اب آؤ — ملتے ہیں دوستوں سے جاتے ہوئے سفر کو

---

حیرت ہے کہ ہے مدعی معرفت اک خلق
کچھ ہم نے تو پایا نہیں اب تک ترے ڈھب کو
ہوگا کسو دیوار کے سائے میں پڑا میرؔ
کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

---

گیا کوچے سے تیرے اُٹھ کے میرؔ آشفتہ سر شاید
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اُس کے سنگ بالیں کو

---

اندیشے کی جا گہ ہے بہت میرؔ جی مرنا — درپیش عجب راہ ہے ہم نو سفروں کو

---

یوں کب ہوا ہے پیارے پاس اپنے تم بُلا لو
دو باتیں گر لکھوں میں دل کو ٹک اک لگا لو

اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لوں گا میں بھی
تم دستِ لُطف اپنا سر سے مرے اُٹھا لو

یارانِ رفتہ ایسے کیا دُور نہ گئے ہیں
ٹک کر کے تیز گامی اُس قافلے کو جا لو

یوں رفتہ اور بے خود کب تک رہا کرو گے
تم اب بھی میرؔ صاحب اپنے تئیں سنبھالو

---

## دیوانِ سوم

قتل کئے پر غصہ کیا ہے لاش مری اُٹھوانے دو
جان سے ہم تو جاتے رہے ہیں تم بھی آؤ جانے دو

کرتے ہو تم نیچی نظریں یہ بھی کوئی مروت ہے
برسوں سے پھرتے ہیں جُدا ہم آنکھ سے آنکھ ملانے دو

اب کی بہت ہے شورِ بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو
دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں دھومیں ہم کو مچانے دو

عرصہ کتنا سارے جہاں کا وحشت پر جو آجاویں
پاؤں تو ہم پھیلا دیں گے پر فرصت ہم کو پانے دو

کیا جاتا ہے اس میں ہمارا چپکے ہم تو بیٹھے ہیں
دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا ناصح کو سمجھانے دو

ضعف بہت ہے میرؔ تمہیں کچھ اُس کی گلی میں مت جاؤ
صبر کرو کچھ اور بھی صاحب طاقت جی میں آنے دو

بات بنانا مشکل سا ہے شعر سبھی یاں کہتے ہیں
فکر بلند سے یاروں کو ایک ایسی غزل کہہ لانے دو

---

کس کو دماغ رہا ہے یہاں اب ضد میں اُس کی اُٹھانے کا
چار پہر جب منّت کریے تب وہ باتیں ملنے دو

رونے سے تو پھوٹیں آنکھیں دل کو غموں نے خراب کیا
دیکھنے قابل اس کے ہوئے ہیں اب تو یہ ویرانے دو

دشت و کوہ میں میرؔ پھرو تم لیکن ایک ادب کے ساتھ
کوہ کن و مجنوں بھی تھے اس ناحیے میں دیوانے دو

---

دریا سی آنکھیں بہتی ہی رہتی تھیں سو کہاں
ہوتی ہے کوئی کوئی پلک اب تو تر کبھو

غم کو تمہارے دل کے نہایت نہیں ہے میرؔ
اس قصے کو کروگے بھی تم مختصر کبھو!

---

آپ تو ایسے بنے اب کہ جلے جی سب کا
ہم کو کہتے ہیں تم جی کے تئیں مار رہو

لاگ اگر دل کو نہیں لطف نہیں جینے کا
اُلجھے سُلجھے کِسو کامل کے گرفتار رہو

---

سب میرؔ کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں پہ اپنی
اس خاکِ رہِ عشق کا اعزاز تو دیکھو

---

کیا بلا خیز جا ہے کوچہ عشق　　تم بھی یاں میرؔ مول اک گھر لو

---

پہلے دیوانے ہوئے پھر میرؔ آخر مر گئے　　ہم نہ کہتے تھے کہ صاحب عاشقی تم مت کرو

---

بارے دُنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو　　ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو
ہم کو دیوانگی شہروں ہی میں خوش آتی ہے　　وشت میں قیس رہو کوہ میں فرہاد رہو
میرؔ مِل مِل کے بہت خوش ہوئے تم سے پیارے
اس خرابے میں مری جان تم آباد رہو

---

ہونے ہیں خاک رہ بھی لیکن نہ میرؔ ایسے　　رستے میں آدھے دھڑ تک مٹی میں تم گڑھے ہو

---

زخموں پہ اپنے لون چھڑکتے رہا کرو　　دل کو مزے سے بھی تو تنک آشنا کرو
کیا آنکھ بند کر کے مُراقب ہوئے ہو تم　　جانتے ہیں کیسے کیسے حسیں چشم وا کرو
ہر چند اس متاع کی اب قدر کچھ نہیں　　پہ جیں کسو کے ساتھ رہو تم وفا کرو
تدبیر کو مزاج محبت میں دخل کیا　　جاں کاہ اس مرض کی نہ کوئی دوا کرو
بیٹھے ہو میرؔ ہو کے درِ کعبہ پر فقیر　　اس رُوسیہ کے باب میں بھی کچھ دعا کرو

---

گرچہ شان کفر ارفع ہے دلے اے راہباں
ایک دو ہم سوں کو بھی زنّار بند ہوا یا کرو

شوق سے دیدار کے بھی آنکھوں میں کھنچ آیا جی
اس سمیں میں دیکھنے ہم کو بہت آیا کرو

کب میسر اُس کے منہ کا دیکھنا آتا ہے میر
پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو

---

کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو
ایسا تو رو کہ رونے پہ تیرے ہنسی نہ ہو
سنتے نہیں کہے جو نہ کہیے تو دم رُکے
کچھ پوچھیے نہ قصہ ہمارا ہے گو مگو
جب دیکھتے ہیں پاؤں ہی والو ہوا کیے تم
کیوں ہوتے ہو ذلیل تم اتنا تو مت دبو

---

آنکھوں کا جھڑ برسنے سے ہتھیا کے کم نہیں
پل مارتے ہی پیش نظر ہاتھی کا ڈباؤ

---

میری طرف سے یارو اُس سے بات کوئی کہتے ہو کہو
مانے نہ مانے وہ جانے پھر تم بھی منت مت کریو
کہیے سو کیا اب چپکے دیکھو گو میں اُس میں مر جاؤں
تم کو قسم ہے حرف و سخن کی مجھ سے مروت مت کریو
ہوش نہیں اپنا تو ہمیں ٹک میر آئے ہیں پرسش کو
جانے سے آگے اُن کو ہمارے پیارے رخصت مت کریو

---

## دیوان چہارم

بعد از نماز تھے کل مے خانے کے در پر
کیا جانے میر اٹھ کر واں سے گئے کہاں کو

---

خراب عشق تو سرگشتہ ہوں ہی ہیں تم بھی | پھرا پھرا کے مجھے گلیوں میں خراب کرو
جہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں مندتے میر | نہیں تو چاہیئے ہر کام میں شتاب کرو

---

دل میر دل بروں سے چاہا کرے ہے کیا کیا
کچھ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

---

لگو ہو زار باراں رونے چلتے بات چاہت کی
کہیں ان روزوں تم بھی میر صاحب زار عاشق ہو

---

نو وہ نہیں کسو کا تہ دل سے یار ہو | یا تجھ کو دل شکستوں سے خلاص پیار ہو
کیا فکر میں ہو اپنی طرح داری ہی کی تم | ہم دردمند لوگوں کے بیمار دار ہو
مصروف احتیاط رہا کریئے رات دن | دینے میں دل کے اپنے جو کچھ اختیار ہو
اے آہو ان کعبہ نہ اینڈ حرم کے گرد | کھاؤ کسو کی تیغ کسو کے شکار ہو

---

ہوتا ہے میر روئے سخن آدمی کے اور | افسوس اے ستم زدہ انساں ہوا نہ تو

---

مختلط تر سا بچوں سے شیرہ خانے میں رہا
کن نے دیکھا مسجدوں میں میر کافر کیش کو

---

ناز کی کوئی یہ بھی ٹھیک جی کا ہیکو کڑھاتے ہو
آتے ہو تمکین سے ایسے جیسے کہیں کو جاتے ہو

مست نہیں پر بال ہیں بکھرے پیچ گلے میں پگڑی کے
ساختہ ایسے بگڑے رہے ہو تم جیسے مدماتے ہو

سوچ نہیں یہ فقیر ہے اپنا جیب دریدہ دیوانا
ٹھوکر لگتے دامن کو کس ناز سے تم یاں آتے ہو

رفتۂ عشق کسو کا یار و راہ چلے ہے کس کے کہے
کون رہا ہے آپ میں یاں تم کس کے تئیں سمجھاتے ہو

صبر بلا پر کرتے صاحب بے تابی کا حاصل کیا
کوئی منقلب قلبوں کا ہے میرؔ عبث گھبراتے ہو

---

یاد آئے وہ کیا تڑپے ہے کیا بے تابی کرتا ہے
کوئی تسلی پھر ہوتا ہے جب تک دل کو تھام رہا

میرؔ کہاں تک بے خوابی وہ میں ہوں ٹک جو سلاتا ہوں
بس جو تمہارا کچھ بھی چلے تو ایک گھڑی آرام رہا

---

چلتے ہو اس کو وبھاجی اپنے کھنچ گئے ہیں ہم اور میرؔ یاں ہیں بے اختیار دونوں

---

جو نہ ہووے نماز کریئے نیاز آدمی چاہیئے کرے کچھ تو
طالع و جذب و زاری و زر و زور عشق میں چاہیئے ارے کچھ تو
جینا کیا ہے جہان فانی کا مرتے جاتے ہیں کچھ مرے کچھ تو
سہمے سہمے نظر پڑے ہیں میرؔ اس کے اطوار سے ڈرے کچھ تو

---

رفتن رنگین گل رویاں سے کیا ٹھیراؤ ہو
ساتھ اُن کے چل تماشا کر لے جس کو چاؤ ہو

جی کی لاگ بلا ہے کوئی دل جینے سے اُٹھا بیٹھو
ہو کے فقیر گلی میں کسو کی رنج اُٹھاؤ جا بیٹھو
کام کی صورت اپنی پیارے کیا بگڑی ہے کب لگ کہئے
آؤ کبھو مدت میں یاں تو اچھے منہ کو بنا بیٹھو
ٹیڑھی چال سے اُس کی خائف چپکے کھڑے کیا پھرتے ہو
سیدھی سیدھی دو چار اُسکو جرأت کر کے سنا بیٹھو

صبر کہاں جو تم کو کہئے لگ کے گلے سے سو جاؤ
بولو نہ بولو بیٹھو نہ بیٹھو کھڑے کھڑے ٹک ہو جاؤ

## دیوان پنجم

عاشق ہو تو اپنے تئیں دیوانہ سب میں بنائے رہو
چکر مارو جیسے بگولا خاک اُڑاتے آتے رہو
دوستی جس کو لوگ کہیں ہیں جان سے اُسکو خصومت ہے
ہو جاوے جو تم کو کسی سے تا مقدور چھپاتے رہو
دل لگنے کی چوٹ بُری ہے اس صدمے سے خدا حافظ
بارے سعی و کشش کوشش سے جی کو اپنے بچائے رہو

شاعر ہو مت چپکے رہو اب جب میں جانیں جاتی ہیں
بات کرو ابیات پڑھو کچھ بتیں ہم کو بتاتے رہو
ابر سیہ قبلے سے آیا تم بھی شیخو پاس کرو
تحقیقی ٹک لٹ پٹی باندھو ساختہ ہی مدھ ماتے ہو
کیا جانے وہ مائل ہو وے کب ملنے کو تم سے میر
قبلۂ و کعبہ اُس کی جانب اکثر آتے جاتے رہو

---

کڑھوں ہوگا من مانتا میر صاحب　　　غم یار میں کیا فراغت ہے مجھ کو

---

کیا کچھ ہم سے ضد ہے تم کو بات ہماری اُڑا دو ہو
لگ پڑتے ہیں ہم تم سے تو تم اوروں کو لگا دو ہو
بند نہیں کرتے ہو تم سینے کے سوراخوں کو
جی کے رکن ہیں ان رخنوں سے شاید دل کو ہوا دو ہو

---

اس راہ سے کہتا ہے دل کب ہوا ہوگا　　　میرے پھٹے سینے کو زنہار نہ تم سیجو

---

ہر جگہ دل کش ہے اُس کے برگ گل سے جسم میں
ایک جا تو جی لگاؤ دل کے تئیں بے جا کرو

---

موسم گل آیا ہے یارو کچھ میری تدبیر کرو
یعنی سایۂ سرو گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو

عاشق ہوتر سا بچگاں پر تا کیفت حاصل ہو
اور کشودِ کار جو چاہو پیر مغاں کو پیر کرو

شعر کئے موزوں ایسے جن سے خوش ہیں سارے دل
رو دیں کڑھیں جو یاد کریں اب ایسا تم کچھ تیر کرو

---

رستے راہ میں دیکھ لیا ہے بستی میں سے نکلتے ہیں
کیا جانیں ہم روز و شب تم کیدھر رستے بستے ہو

پیری میں بھی جوان رکھا ہے دخترِ تاک کی صحبت نے
یعنی پی پی مئے انگوری تیر ہوئے کٹ ہستے ہو

---

منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا میر کی     ذاتِ مقدس اُن کی یہی ذات ہو تو ہو

---

مژہ وا کرو تمہیں غش ہے گیا کبھو حال پر بھی نظر کرو
یہی حال ہمیشہ رہا کیا تو مآل پر بھی نظر کرو

---

## دیوان ششم

مجھے عشق اُس پاس یوں لے گیا     کوئی جیسے لادے گنہ گار کو
محبت میں دشوار دینا ہے جان     نجاتے سُنا سہل آزار کو
کوئی دن کرے زندگی عشق میں     جو دم لینے دیں دل کے بیمار کو
مرے منہ پہ رکھا ہے رنگ اب تلک     ہزار آفریں چشم خوں بار کو

عنقا سا شہرہ ہوں پہ حقیقت میں کچھ نہیں
تم دور ہی سے نام کو میرے سُنا کرو

بیماری جگر کی شفا سے تو دل ہے جمع
اب دوستی سے مصلحتاً کچھ دوا کرو

دل جانے کا فسانہ زبانوں پہ رہ گیا
اب بیٹھے دور سے یہ کہانی کہا کرو

اب دیکھوں اُس کو میں تو مرا جی نہ چل پڑے
تم ہو فقیر میرؔ کبھو یہ دُعا کرو

---

مرتا مرو جیتا جیو آؤ کوئی جاؤ کوئی      ہے کام ہم لوگوں سے کیا اس دل بخود کام کا

---

اگلے سب چاہتے تھے ہم سے وفاداروں کو
کچھ تمہیں پیار نہیں کرتے جفا ماروں کو
زندگی کرتے ہیں مرنے کے لئے اہل جہاں
واقعہ میرؔ ہے درپیش عجب یاروں کو

---

وہ سخن گو فریبی چشم یار      ہم سے گویا تھی آشنا نہ کبھو

---

جھوٹ اُس کا نشاں نہ دیار و      ہم خرابوں کو مت خراب کرو
بیبر جی راز عشق ہو گا فاش      چشم ہر لحظہ مت پر آب کرو

---

رہتے ہیں میرؔ بے خود و وارفتہ ان دنوں — پوچھو کنایتہً کسو سے دل لگا نہ ہو

---

## متفرقات

فاتحہ کو نہ آیا بعد از مرگ — میرؔ کے یار کی طرح دیکھو

---

# ردیفِ ہائے ہوّز

## دیوانِ اول

ہم ہیں مجروح ماجرا ہے یہ — وہ نمک چھڑکے ہے مزا ہے یہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم — اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ

بس ہوا ناز ہو چکا اغماض — ہر گھڑی ہم سے کیا ادا ہے یہ

ہے رے بے گانگی کبھو اُن نے — نہ کہا یہ کہ آشنا ہے یہ

میرؔ کو کیوں نہ مغتنم جانیں — اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

---

جی چاہے مِل کسو سے یا سب سے تو جدا رہ
پر ہو سکے تو پیارے ٹک دل کا آشنا رہ

گل نے تکلفی میں لطف اُس بدن کا دیکھا
نکلا نہ کہہ قبا سے اے گل بس اب ڈھپا رہ

ہر مشتِ خاک یاں کی چاہے ہے اک تامل
بن سوچے راہ مت چل ہر گام پر کھڑا رہ

جب ہوش میں تو آیا اُودھر ہی جاتے پایا
اس سے تو میر چندے اُس کوچے ہی میں جا رہ

---

اب حال اپنا اُس کے ہی دل خواہ
کیا پوچھتے ہو الحمد للہ

پیرِ مغاں سے بے اعتقادی
استغفر اللہ استغفر اللہ

کہتے ہیں اُس کے تو منہ لگے گا
ہو یوں ہی یارب جوں ہے یہ افواہ

مجرم ہوئے ہم دل دے کے ورنہ
کس کو کسو سے ہوتی نہیں چاہ

گزرے ہے دیکھیں کیوں کر ہماری
اُس بے وفا سے نے رسم نے راہ

---

ناحق اُلجھ پڑا ہے یہ مجھ سے طریقِ عشق
جاتا تھا میر میں تو چلا اپنی راہ راہ

---

کہتے ہیں آہ بھی گئے جل کے پر پروانہ
کچھ سنی سوختگاں تم خبرِ پروانہ

بزمِ دنیا کی تو دل سوزی سُنی ہو گی میر
کس طرح شام ہوئی یاں سحرِ پروانہ

---

ہم سے کچھ آگے زمانے میں ہوا کیا کیا کچھ
تو بھی ہم غافلوں نے آگے کیا کیا کیا کچھ

ایک محروم چلے میر ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ

---

ذکرِ گل کیا ہے صبا، اب کہ خزاں میں ہم نے
دل کو ناچار لگایا ہے خس و خار کے ساتھ

کس کو ہر دم ہے لہو رونے کا ہجراں میں دماغ
دل کو اِک ربط سا ہے دیدۂ خوں بار کے ساتھ

## دیوانِ دوم

ہر آن ہم کو تجھ بن ایک اک برس ہوئی ہے
کیا آ گیا زمانہ اے یار رفتہ رفتہ

کیا کہیے کیونکہ جانیں بے پرواجا نیا ہیں
اس معنی کا بھی ہوگا اظہار رفتہ رفتہ

یہ ہی سلوک اُس کے اکثر چلے گئے تو
بیٹھیں گے اپنے گھر ہم ناچار رفتہ رفتہ

پامال ہوں کہ اس میں ہوں خاک سے برابر
اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ

گر بتکدے میں جانا ایسا ہے میرؔ جی کا
تو تارِ سبحہ ہو گا زنّار رفتہ رفتہ

بندے کے دردِ دل کو کوئی نہیں پہنچتا
ہر ایک بے حقیقت یاں ہے خدا رسیدہ

سائے سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ
جوں آفتاب ہم بھی کیسے رہے جریدہ

مسجد میں چل کے ملیے جمعہ کے دن بنے تو
ہوتے ہیں میرؔ صاحب واں دن ڈھلے ہمیشہ

لطف کیا ہر کسو کی چاہ کے ساتھ ‏ ‏ ‏ ‏ چاہ وہ ہے جو ہو نباہ کے ساتھ
میرؔ سے تم بُرے ہی رہتے ہو ‏ ‏ ‏ ‏ کیا شرارت ہے خیر خواہ کے ساتھ

---

باغباں بے رحم گل بے دید موسم بے وفا
آشیاں اس باغ میں بلبل نے باندھا کیا سمجھ
میرؔ کی عیاریاں معلوم لڑکوں کو نہیں
کرتے ہیں کیا کیا ادائیں اس کو سادا سا سمجھ

---

کھینچتا ہے دلوں کو صحرا کچھ ‏ ‏ ‏ ‏ ہے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ
شہر میں حشر کیوں نہ برپا ہو ‏ ‏ ‏ ‏ شور ہے میرے سر میں کیسا کچھ
کچھ نہ دیکھا تھا میں نے پر تو بھی ‏ ‏ ‏ ‏ آنکھ میں آئی یہ نہ دنیا کچھ
اب تو بگڑے ہی جاتے ہیں خوباں ‏ ‏ ‏ ‏ رنگ صحبت نہیں ہے اچھا کچھ
وصل اُس کا خدا نصیب کرے ‏ ‏ ‏ ‏ میرؔ دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

---

یہ جو مہلت جسے کہیں ہیں عمر ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ
منہ نہ ہم جبریوں کا کھلواؤ ‏ ‏ ‏ ‏ کہنے کو اختیار سا ہے کچھ
منتظر اس کی گردِ راہ کے تھے ‏ ‏ ‏ ‏ آنکھوں میں سو غبار سا ہے کچھ
کیا ہے دیکھو ہو جو ادھر ہر دم ‏ ‏ ‏ ‏ اور چتون میں پیار سا ہے کچھ

---

ہم نے تو ناخنوں سے منہ سارا نوچ ڈالا ‏ ‏ ‏ ‏ اب کوہ کن دکھاوے رکھتا ہے گر ہنر کچھ

---

گہہ شیفتہ ہیں مُو کے گہہ باؤلے ہیں رُو کے
احوال میرجی کا ہے شام کچھ سحر کچھ

## دیوانِ سوم

کہتے تو ہیں کہ ہم کو اُس کی طلب نہیں کچھ
پر جی اُسی کو اپنا ڈھونڈھے ہے ڈھب نہیں کچھ

یہ حال بے سبب تو ہوتا نہیں ہے لیکن
رونے کا لمحہ لمحہ ظاہر سبب نہیں کچھ

کر عشق میر اُس کا مارے کہیں نہ جاویں
جلدی مزاج میں ہے اُس سے عجب نہیں کچھ

میر کعبے سے قصد دیر کیا جاؤ پیارے بھلا خدا ہمراہ

جانے دے ست اس قدر اب زلف و خط و خال دیکھ
حال کچھ بھی تجھ میں ہے اے میر اپنا حال دیکھ

چشم و دل کا اس سے لگ جانا تو تھا جس تس طرح
جی بھی ان باتوں میں اُلجھا اور یہ جنجال دیکھ

سودائے عاشقی میں تو جی کا زیان ہے پھرتے ہیں میر ڈھونڈتے ہی سودے ہر جگہ

نہ باتیں کرو سرگرانی کے ساتھ　　مری زیست ہے مہربانی کے ساتھ
نہ اُٹھ کر در یار سے جا سکے　　یہ کم لطف ہے ناتوانی کے ساتھ
جلاجی بہت قصۂ میرسن　　بلا سوز تھا اُس کہانی کے ساتھ

---

کیا کریں نیچی نظر کرنے سے غصہ کھائے وہ
اور مجلس میں جو رہیے دیکھ تو شرمائے وہ
لُطف سے لب ریز ہے اُس کا مِ جان کا سب بدن
مختلط ہو جائے ہم سے جو کبھو تو ہائے وہ
میر کو واشد نہیں ہے مقصد اُس کا اور ہی
عشق سے لڑکوں کے دل کو کب تلک بہلائے وہ

---

## دیوانِ چہارم

مُنہ کر بھی میری جانب سوتا نہیں کبھو وہ
کیا جانوں اُس کے جی میں ہے اس طرف سے کیا کچھ
کب تک یہ بد شرابی پیری تو میر آئی
جانے کو مہیّا اب کر چلو بھلا کچھ!

---

کیا کیا دیدہ درائی سی ہم کرتے رہے اس عالم میں
تم سے آگے سنو ہو صاحب نہیں ہوا ہے کیا کیا کچھ

---

## دیوان پنجم

ہائے ستم ناچار معیشت کرنی پڑی ہر خار کے ساتھ
جان عزیز گئی ہوتی کاش اب کی سال بہار کے ساتھ

وہ لحظہ نہیں جاتا جی سے آنکھ لڑائی تھی جب ہاں ٹک
چاہ نکلتی تھی باتوں سے چتون بھی تھی پیار کے ساتھ

دیر سے ہیں بیمار محبت ہم سے قطع امید کرو
جانیں ہی جاتی دیکھی ہیں ہم نے آخر اس راز کے ساتھ

---

کیا جانوں میں چمن کو ولیکن قفس پہ میر
آتا ہے برگ گل کبھو کوئی صبا کے ساتھ

---

## دیوان ششم

ہر چند جذب عشق سے تشریف یاں بھی لائے وہ
پر خود گم ایسا میں نہیں جو سہل مجھ کو پائے وہ

مارا ہوا چاہت کا جو آوارہ گھر سے اپنے ہو
حیران پریشاں پھر کے پھر کیا جانے کیدھر جائے وہ

---

اب دل خزاں میں رہتا ہے جی کی رکن کے ساتھ
جانا ہی تھا ہمیں بھی بہار چمن کے ساتھ

ہم باغ سے خزاں میں گئے پر ہزار حیف
جانا بنا نہ اپنا گل و یاسمن کے ساتھ
کیا جانیں لوگ عشق کا راز و نیاز میرؔ
اک بات اُس سے ہو گئی دو دو بچن کے ساتھ

---

مرتے ہیں ہم تو اُس صنمِ خود نما کے ساتھ
جیتے ہیں وے ہی لوگ جو تھے کچھ خدا کے ساتھ
تھا جذب آگے عشق سے جو ہر نفس میں میرؔ
اب وہ کشش نہیں ہے سحر کی دعا کے ساتھ

---

دل لیا جس غمیں کا تو نے شوخ
دے کیا جی ہی اک سرور سے وہ
خوش ہیں دیوانگی میرؔ سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

---

ملنا نہ ملنا ٹھہرے تو دل بھی اپنا ٹھہرے
اقرار ہے ہمیشہ انکار ہے ہمیشہ

---

دل ہے میری بغل میں صد پارہ
اور ہر پارہ اُس کا آوارہ
کام اُس سے پکڑ کر نہ لیا
ہیچ کارہ بھی ہے وہ ناکارہ
کیا بنے اُس سے میرؔ میں ہمسِکیں
وہ جفا پیشہ و ستم کارہ

---

# ردیف یائے تحتانی

## دیوانِ اوّل

ہمت اپنی ہی تھی یہ میرؔ کہ جوں مرغ خیال
اک پر افشانی میں گزرے سر عالم سے بھی

آج پھر تھا بے حمیت میرؔ واں  کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات میرؔ  آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جئے  عمر نے ہم سے بے وفائی کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی  شب نہ آخر ہوئی جدائی کی
اسی تقریب اُس گلی میں رہے  منتیں ہیں شکستہ پائی کی
زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میرؔ  کس بھروسے پہ آشنائی کی

آتش رنگ و گل سے کیا کہیے  برق تھی آشیان پر آئی

بات شکوہ کی ہم نے گاہ نہ کی  بلکہ دی جان اور آہ نہ کی
کعبے سو بار وہ گیا تو کیا  جس نے یاں ایک دل میں راہ نہ کی

جس سے تھی چشم ہم کو کیا کیا میرؔ　　اس طرف اُن نے اک نگاہ نہ کی

کل میرؔ نے کیا کیا کی مے کے لیے بیتابی　　آخر کو گرو رکھا سجادۂ محرابی
دن رات مری چھاتی جلتی ہے محبت میں　　کیا اور نہ تھی جاگہ یہ آگ جو یاں دابی
کل میرؔ جو یاں آیا طور اُس کا بہت بھایا　　وہ خشک لبی تس پر جامہ گلے میں آبی

ہمیں آمدِ میرؔ کل بھا گئی　　طرح اُس میں مجنوں کی سب پا گئی
کہاں کا غبار آہ دل میں یہ تھا　　مری خاک بدلی سی سب چھا گئی
کیا پاس بلبل خزاں نے نہ کچھ　　گل و برگ بے درد پھیلا گئی
ہوئی سامنے یوں تو ایک ایک کے　　ہمیں سے وہ کچھ آنکھ شرما گئی
کوئی رہنے والی ہے جانِ عزیز　　گئی گر نہ امروز فردا گئی
کیے دست و پا گم جو میرؔ آگیا　　وفا پیشہ مجلس اُسے پا گئی

ہر شب تری گلی میں عالم کی جان جا ہے
آگے ہوا ہے اب تک ایسا ستم کہیں بھی
زیرِ فلک جہاں تک آسودہ میرؔ ہوتے
ایسا نظر نہ آیا اک قطعۂ زمیں بھی

عجب کچھ ہے گر میرؔ آوے میسر　　گلابی شراب اور غزل اپنے ڈھب کی

کس پاس جا کے بیٹھوں خرابی میں اب میں ہائے　　مجنوں کو موت کیسی شتابی میں آگئی

سودا جو اُس کے سر سے گیا زلف یار کا — تو تو بڑی ہی میرؔ کے سر سے بلا گئی

---

کیا جلی جاتی ہے خوبی ہی میں اپنی اے شمع
کہہ پتنگے کی بھی کچھ شام و سحر کرنے کی

اب کی برسات ہی کے ذمّہ تھا عالم کا وبال
میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی

اب دنوں نکلے ہے آغشتہ بخوں راتوں کو
دُھن ہے نالے کو کسو دل میں اثر کرنے کی

عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر پٹکے
صورت ایک یہ رہی ہے عمر بسر کرنے کی

---

ترے کوچے کے شوقِ طوف میں جیسے بگولا تھا
بیاباں میں غبار میرؔ کی ہم نے زیارت کی

---

بے طاقتی سے آگے کچھ پوچھتا بھی تھا سو — رونے نے ہر گھڑی کے وہ بات ہی ڈبوئی
بلبل کی بے کلی نے شب بے دماغ رکھا — سونے دیا نہ ہم کو ظالم نہ آپ سوئی

---

ملائی خوب مرے خوں میں خاک بسمل گاہ — یہ تھوڑی منتیں ہیں مجھ پہ سخت جانی کی

---

لاعلاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی — کہیے کیا میرؔ صاحب بندگی بیچارگی
کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں — دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا یک بارگی

دو دن سے کچھ بنی تھی تو پھر شب بگڑ گئی
صحبت ہماری یار سے بے ڈھب بگڑ گئی
باہم سلوک تھا تو اٹھاتے تھے نرم گرم !
کاہے کو میر کوئی دبے جب بگڑ گئی

---

کچھ موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی
شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی
دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
اس کی دل آزاری بے ہیچ ہی تھی یارو
کچھ تم کو ہماری بھی تقصیر نظر آئی

---

ہو گئی شہر شہر رسوائی
اے مری موت تو بھلی آئی
میر جب سے گیا ہے دل تب سے
میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی

---

نشمردہ مرے منہ سے یاں حرف نہیں نکلا
جو بات کہ میں نے کی سو میر حسابی کی

---

ہاں خدا مغفرت کرے اس کو
صبر مرحوم تھا عجب کوئی
بعد میرے ہی ہو گیا سنسان
سونے پایا تھا ورنہ کب کوئی
اور مجنوں بھی ہم سنے تھے ولے
میر سا ہو سکے ہے کب کوئی

---

آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جا نہ تھی
دیوانگی کسو کی بھی زنجیر پا نہ تھی
بیگانہ سا لگے ہے چمن اب خزاں میں ہائے
ایسی گئی بہار مگر آشنا نہ تھی
پژمردہ اس قدر ہیں کہ ہے شبہ ہم کو میر
تن میں ہمارے جان کبھو تھی بھی یا نہ تھی

ابر مت گورِ غریباں پہ برس غافل آہ!
ان دل آزردوں کے بھی جی میں لہر آوے گی

میرؔ میں جینتوں میں آوں گا اُسی دن جب دن
دل نہ تڑپے گا مرا چشم نہ بھر آوے گی

کیا کہوں شرح خستہ جانی کی    میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بد گفتنی نہیں میرا    تم نے پوچھا تو مہربانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند میرؔ نے کل    ابتدا پھر وہی کہانی کی

کیوں کہ کہئے کہ اثر گریہ مجنوں کو نہ تھا
گرد نم ناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب
یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی

بیل اشکوں سے بہے صرصر آہوں سے اٹھے
مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی ویرانوں کی!

ہرگز نہ سنیں نہ مری ہمنشیں، کہ اچٹتی ہے نیند
خاصیت یہ ہے مری جاں ان افسانوں کی

مے کدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں میرؔ
ہو نہ لغزش کہیں مجلس ہے یہ بیگانوں کی

دلا اُس کے گیسو سے کیوں لگ چلا تو    یہ اک اپنے جی کی بلا کیا نکالی

لگے دربدر میر چلانے پھرنے  گدا تو ہوئے پر صدا کیا نکالی

---

رہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری  نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری
برنگِ صوتِ جرس تجھ سے دور ہوں تنہا  خبر نہیں ہے تجھے آہ کارواں میری
ترے نہ آج کے آنے میں صبح کے مجھ پاس  ہزار جائے گئی طبع بدگماں میری
ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا  گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

---

اب کے بھی سیر باغ کی جی میں ہوس رہی  اپنی جگہ بہار میں کنجِ قفس رہی !
میں پاشکستہ جا نہ سکا قافلے تلک  آتی اگرچہ دیر صدائے جرس رہی
لطف قبائے تنگ پہ گل کا بجا ہے ناز  دیکھی نہیں ہے اُن نے تری چولی چست رہی
خالی شگفتگی سے جراحت نہیں کوئی  ہر زخم یاں ہے جیسے کلی ہو بکس رہی
جوں صبح اس چمن میں نہ ہم کھل کے ہنس سکے  فرصت رہی جو میر بھی سو اک نفس رہی

---

آج کل بے قرار ہیں ہم بھی  بیٹھ جا چلنے ہار ہیں ہم بھی
آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں  تحفۂ روزگار ہیں ہم بھی
منع گریہ نہ کر تو اے ناصح  اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی
گر ز خود رفتہ ہیں ترے نزدیک  اپنے تو یادگار ہیں ہم بھی
میر نام اک جواں سنا ہوگا  اُسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی

---

دیکھیں تو سہی کب تئیں نبھتی ہے یہ صحبت
ہم جی سے ترے دوست ہیں تو دشمن جانی

دیکھیں تو سہی کب تئیں نبھتی ہے یہ صحبت
ہم جی سے ترے دوست ہیں تو دشمنِ جانی
اک شخص مجھی سا تھا کہ وہ تجھ پہ تھا عاشق
وہ اُس کی وفا پیشگی وہ اُس کی جوانی
یہ کہہ کے جو رویا تو لگا کہنے نہ کہہ میر
سُنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی

---

کل بارے ہم سے اُس سے ملاقات ہو گئی
دو دو بچن کے ہونے میں ایک بات ہو گئی
کتنا خلاف وعدہ ہوا ہوگا وہ کہ یاں
نومیدی و اُمید مساوات ہو گئی
اپنے تو ہونٹ بھی نہ ہلے اُس کے روبرو
رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہو گئی

---

قفس میں میر نہیں جوشِ داغ سینے پر
ہوس نکالی ہے ہم نے بھی گُل کے موسم کی

---

رکھنا نہ تھا قدم یاں جوں بادِ بے تامّل
سیر اس جہاں کی رہرو پر تُو نے سرسری کی
یہ دَور تو موافق ہوتا نہیں مگر اب
رکھیے بنائے تازہ اِس چرخِ عنبری کی
خوباں تمہاری خوبی تاچند نقل کریے
ہم رنجہ خاطروں کی کیا خوب دلبری کی

---

# دیوان دوم

ہم سے دیکھا کہ محبت نے ادا کیا کیا کی — ایک دل قطرۂ خوں تس پہ جفا کیا کیا کی

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی — دھوم ہے پھر بہار آنے کی
وہ جو پھرتا ہے مجھ سے دُور ہی دُور — ہے یہ تقریب جی کے جلنے کی
تیز یوں ہی نہ تھی شب آتش شوق — تھی خبر گرم اُس کے آنے کی

جو ہے سو پائمال غم ہے میر
چال بے ڈول ہے زمانے کی

---

میر دریا ہے سنے شعر زبانی اُس کی — اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اُس کی
خاطر بادیہ سے دیر میں جاوے گی کہیں — خاک مانند بگولے کے اُڑانی اُس کی
ایک ہے عہد میں اپنے وہ پراگندہ مزاج — اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اُس کی
مُنہ تو بوچھار کا دیکھا ہے برستے تم نے — اسی انداز سے تھی اشک فشانی اُس کی
بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جادو تھا — پر ملی خاک میں کیا سحر بیانی اُس کی
کر کے تعویذ رکھیں اُس کو بہت بھاتی ہے — وہ نظر پاؤں پہ وہ بات دِوانی اُس کی
اُس کا وہ عجز تمہارا یہ غرورِ خوبی — منتیں اُس نے بہت کیں پہ نہ مانی اُس کی
کچھ لکھا ہے تجھے ہر برگ پہ اے رشکِ بہار — رقعہ واریں ہیں یہ اوراقِ خزانی اُس کی
سرگذشت اپنی کس اندوہ سے شب کہتا تھا — سو گئے تم نہ سُنی آہ کہانی اُس کی
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دیئے لوگوں کو — شہرِ دلّی میں ہے سب پاس نشانی اُس کی
آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی پھوٹ بہے — دردمندی میں گئی ساری جوانی اُس کی

اب گئے اُس کے جز افسوس نہیں کچھ حاصل　　حیف صد حیف کہ کچھ قدر نہ جانی اُس کی

---

کی سیر ہم نے سینہ عکس سرو نگار کی　　اس تختے نے ہے اب کی قیامت بہار کی
دریائے حسن یار تلاطم کرے کہیں　　خواہش ہے اپنے جی میں بھی بوس و کنار کی
مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں　　منہ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی

کیا جانوں چشم تر سے اُدھر دل پہ کیا ہوا
کس کو خبر ہے میرؔ سمندر کے پار کی

---

یہ جور و جور کش تھے کہاں آگے عشق میں　　تجھ سے جفا و میرؔ سے رسم وفا چلی

---

خانہ آباد کعبے میں تھا میرؔ
کیا خدائی خراب ہے وہ بھی

---

یار بن تلخ زندگانی تھی　　دوستی مدعی جانی تھی
سر سے اُس کے ہوا گئی نہ کبھو　　عمر برباد یوں ہی جانی تھی
لطف پر اُس کے ہم نشیں مت جا　　کبھو ہم پر بھی مہربانی تھی
ہاتھ آتا جو تو تو کیا ہوتا　　برسوں تک ہم نے خاک چھانی تھی
میرے قصے سے سب کی نیند گئی　　کچھ عجب طور کی کہانی تھی
عاشقی جی ہی لے گئی آخر　　یہ بلا کوئی ناگہانی تھی
پھر سخن نشنوی ہے ویسی ہی　　رات اک آدھ بات مانی تھی

فقر پر بھی تھا میرؔ کے اک رنگ
کفنی بھی سو زعفرانی تھی

دیوانگی سے اپنی ہے اب ساری بات خبط
افراطِ اشتیاق سے وہ مت نہیں رہی
پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

---

عشق میں ذلت ہوئی خفت ہوئی تہمت ہوئی
آخر آخر جان دی یاروں نے یہ نوبت ہوئی
مر گیا آوارہ ہو کر میں تو جیسے گرد باد
پر جسے یہ واقعہ پہنچا اُسے وحشت ہوئی
کم کسو کو میرؔ کی میّت کی ہاتھ آئی نماز
نعش پر اُس بے سروپا کی بلا کثرت ہوئی

---

باؤلے سے جب تلک بکتے تھے سب کرتے تھے پیار
عقل کی باتیں کیاں کیا ہم سے نادانی ہوئی
شیخ مت یادِ بُتاں کو رات کا سا ذکر جان
یہ صنم گوئی ہماری کیا خدا خوانی ہوئی

---

بتوں سے آنکھ کیوں میں نے لڑائی
طرف ہے مجھ سے اب ساری خُدائی
بگڑ لی ہی گئی صورت ہماری
گئے پر دل کے پھر کچھ بن نہ آئی
کہا تھا میں نہ دیکھو غیر کی اور
سو تم نے آنکھ مجھ سے ہے چھپائی
جفا اُس کی نہ پہنچی انتہا کو
دریغا عُمر نے کی بے وفائی

گلے اُس مہ نے لگ کر ایک دو رات　　مہینوں تک مری چھاتی جلائی

---

گو اُس رُخ مہتابی سے واں چاندنی چھٹکی
یاں رنگِ شکستہ سے بھی چھٹتی ہے ہوائی

ہیں دیر پہنچ کے نہ کیا قصدِ حرم پھر
اپنی ہی جرس نے کی بہت ہرزہ درائی

---

تجھ کنے بیٹھے گھٹا جاتا ہے جی　　کاہشیں کیا کیا اُٹھا جاتا ہے جی
یوں تو مُردے سے پڑے رہتے ہیں ہم　　پر وہ آتا ہے تو آجاتا ہے جی
عشق آدم میں نہیں کچھ چھوڑتا　　ہولے ہولے کوئی کھاجاتا ہے جی
آ نہیں پھرتا وہ مرتے وقت بھی　　حیف ہے اُس میں رہا جاتا ہے جی
رکھتے تھے کیا کیا بنا ہیں پیشتر　　سو تو اب آپ ہی ڈھاجاتا ہے جی
آسماں شاید ورے کچھ آگیا　　رات سے کیا کیا رُکا جاتا ہے جی

---

مزاجوں میں یاس آگئی ہے ہمارے　　نہ مرنے کا غم ہے نہ جینے کی شادی
وفا لوگ آپس میں کرتے تھے آگے　　یہ رسمِ کہن آہ تم نے اُٹھادی

---

## دیوانِ سوم

تدبیرِ غمِ دل کی بستی میں نہ ٹھیرائی　　جنگل میں نکل آئے کچھ واں بھی نہ بن آئی
آزار بہت کھینچے اب میرؔ توکل ہے　　کھینچی نہ گئی ہم سے ہر ایک کی مرزائی

---

خلوتِ یار ہے عالم عالم ایک نہیں ہے ہم کو بار
در پر جا کر پھر آتے ہیں خوب ہماری عزت کی

دکھن پورب پچھم سے لوگ آ کر مجھ کو دیکھیں ہیں
حیف کہ پروا تم کو نہیں مطلق میری صحبت کی

دوستی یاری الفت باہم عہد میں اس کے رسم نہیں
یہ جانے ہیں مہر و وفا اک بات ہے گویا مدت کی

آبِ حسرت آنکھوں میں اُس کی نومیدانہ پھرتا تھا
میر نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

---

کہیں ہیں اُن لبوں کی جاں فزائی
یہ بات اک بے خودی میں مُنہ پہ آئی
تعارف کیا رہا اہلِ چمن سے
ہوئی اک عمر میں اپنی رہائی
کہاں کا بے ستوں فرہاد کیسا
یہ تھی سب عشق کی زور آزمائی
موافق ٹک ہو تو تو پھر جہاں میں
مثل ہو میری تیری آشنائی
ہوئے ہیں دودِ دل سے میر کے تنگ
پھر اس جوگی نے یاں دھونی لگائی

---

خوش طرح مکاں دل کے ڈھانے ہیں شتابی کی
اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی

---

ذلیل ذات نہیں عشق میں کہ میر کو دیکھ
ذلیل کیسے ہیں اُن کی ہے گو کہ ذات بڑی

---

عجب چو پڑ بچھی ہے ہر زماں اُڑتا ہے رنگ اپنا
سمجھ بیں چال کچھ آتی نہیں اپنے زمانے کی

---

بات کیا آدمی کی بن آئی | آسماں سے زمین نپوائی
چرخ زن اُس کے واسطے ہے مدام | ہو گیا دن تمام رات ہوئی
ماہ و خورشید و ابر و باد سبھی | اُس کی خاطر ہوئے ہیں سودائی

حیرت آتی ہے اُس کی باتیں دیکھ
خود سری خود ستائی خود رائی

---

## دیوانِ چہارم

جامۂ احرام آخر نہ کر دل کی اور توجہ کی
در پہ حرم کے اس لئے تھے ہم کوئی ملے گا محرم بھی
دیکھ ہوا کو طائرِ گلشن کس حسرت سے کہتے تھے
گُل ہی چلے جاتے نہیں یاں سے چلنے کو بیٹھے ہیں ہم بھی

---

کھپ ہی جاتا ہے آدمی اے میر | آفتِ جاں ہے عشق کا غم بھی

---

اکثر کی ہے دماغی ہر دم کی سرگرانی | اب کب گئی اُٹھائی ہے زورِ ناتوانی
مرزائی فقر میں بھی دل سے گئی نہ میرے | چہرے کے رنگ اپنی چادر کی زعفرانی
یوں میر تو غم اپنا برسوں کہا کریں گے | اب رات کم ہے سو بس ہو چکی کہانی

---

سنو سرگزشت اب ہماری زبانی سنی گرچہ جاتی نہیں یہ کہانی
گرامی گہر میر جی تھا ہمارا
ولے عشق میں قدر ہم نے نہ جانی

---

میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنہ رباط سے پیری میں
رقص کناں بازار تک آئے عالم میں رسوائی ہوئی

---

آج ہمیں بے تابی سے ہی صبر کی دل سے رخصت تھی
چاروں اور نگہ کرنے میں عالم عالم حسرت تھی
کس محنت سے محبت کی تھی کس خواری سے یاری کی
رنج ہی ساری عمر اٹھایا کلفت تھی یا الفت تھی
بدنامی کیا عشق کی کہیے رسوائی سی رسوائی ہے
صحرا صحرا وحشت بھی تھی دنیا دنیا تہمت تھی
عہد ہمارا تیرا ہے یہ جس میں گم ہے مہر و وفا
اگلے زمانے میں تو یہی لوگوں میں رسم و عادت تھی
جو اٹھتا ہے یاں سے بگولا ہم سا ہے آوارہ کوئی
اس وادی میں میر مگر سرگشتہ کسو کی تربت تھی

---

# دیوانِ پنجم

رات کو تھا کعبے میں میں بھی شیخ حرم سے لڑائی ہوئی
سخت کدورت بیچ میں آئی صبح تلک نہ صفائی ہوئی
حوصلہ داری کیا ہے اتنی قدرت کچھ ہے خداہی کی
عالم عالم جہاں جہاں جو غم کی ہم میں سمائی ہوئی
یہ یہ بلائیں سر پر ہیں تو آج موئے کل دوسرا دن
یاری ہوئی بیماری ہوئی درویشی ہوئی تنہائی ہوئی
اتنے لوگوں میں چشم کسو کی قہر قیامت آفت ہے
تم نے دیکھی نہیں ہے صاحب آنکھ کوئی شرمائی ہوئی
ہم قیدی بھی موسمِ گل کی کب سے توقع رکھتے تھے
دیر بہار آئی اب کی پہ اسیروں کی نہ رہائی ہوئی
کہنا جو کچھ جس سے ہوگا سامنے میر کہا ہوگا
بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی منہ پر میرے آئی ہوئی

---

مستی حسن پرستی رندی یہی عمل ہے مدت سے
پیر کبیر ہوئے تو کیا ہے چھوٹے ہے معمول کوئی
حرف و حکایت شکر و شکایت تھی تو اک ضعف و دطیرے پر
میر کو جاکر دیکھا ہم نے ہے مردِ معقول کوئی

---

ملواں دنوں ہم سے اِک رات جانی　　کہاں ہم کہاں تم کہاں پھر جوانی

شکایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے مری سرگزشت اب ہوتی ہے کہانی
ملاقات ہوتی ہے تو کشمکش ہے یہی ہم سے ہے جب نہ تب اینچا تانی

عشق کیا سو جان چلی ہے الفت تھی یا کلفت تھی
ٹوٹے گئے ہیں سب اعضا یہ محبت تھی یا محنت تھی
اب تو نڈھال پڑے رہتے ہیں ضعف ہی اکثر رہتا ہے
آئے گئے اُس کے کوچے میں جب تک جی میں طاقت تھی
آنسو ہو کر خون جگر کا بے تابانہ آیا تھا
شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی

دل کی لاگ بُری ہوتی ہے رہ نہ سکے ٹک جائے بھی
آئے بیٹھے اٹھ بھی گئے بیتاب ہوئے پھر آئے بھی
آنکھ نہ ٹک میلی ہوتی اپنی مطلق دل بے جا نہ ہوا
دل کی مصیبت کیسی کیسی کیا کیا رنج اٹھائے بھی
تاجر تُرک فقیر ہوئے اب شاعر عالم کامل ہیں
پیش گئی کچھ میرؔ نہ اپنے سوانگ بہت سے لائے ہیں

مدت سے پائے چنار رہے ہیں مدت گلخن تابی کی
برسوں ہوئے ہیں گھر سے نکلے عشق نے خانہ خرابی کی
عشق میرؔ کسو سے اتنا اب تک ظاہر ہم پہ نہ ظاہر
حرف یار جو منہ سے نکلا اُن نے بلا بے تابی کی

وے سبہ موئے و گرفتاری | دُزدِ غمزوں کی وہ بھی عیاری
اب کی دل اُن سے بچ گیا تو کیا | چور جاتے رہے کہ اندھیاری
شور و فریاد و زاریٔ شب سے | شہریوں کو ہے مجھ سے بیزاری
چلے جاتے ہیں رات دن آنسو | دیدۂ تر کی خیر ہے جاری
مر رہیں اس میں یار ہیں جیتے | شیوہ اپنا تو ہے وفاداری
میرؔ چلنے سے کیوں ہو غافل تم | سب کے ہاں ہو رہی ہے تیاری

---

درگیر کیونکہ ہوگی اس سفلہ خُو سے صحبت
دیوانگی یہ اتنی وہ اتنا لااُبالی

اتنی سڈول دیہی دیکھی نہ ہم سُن ہے
ترکیب اُس کی گویا سانچے گئی ہے ڈھالی

وصل و فراق دونوں بے حالی ہی میں گُذرے
اب تک مزاج کی میں پاتا نہیں بحالی

---

# ردیف یائے مجہول

## دیوانِ اوّل

دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے — یہ دُھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا — کوئی ایسے مکاں سے اُٹھتا ہے
سُدھ لے گھر کی بھی شعلۂ آواز — دُود کچھ آشیاں سے اُٹھتا ہے
یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم — جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

عشق اک میرؔ بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اُٹھتا ہے

---

کروں کیا حسرتِ گُل کو وگر نہ — دلِ پُر داغ بھی اپنا چمن ہے
جو دے آرام ٹک آوارگی میرؔ — تو شامِ غربت اک صبحِ وطن ہے

---

گُل گشت کی ہوس تھی سو تو بگیر آئے
آئے جو ہم چمن میں ہو کر اسیر آئے

دلّی میں اب کی آ کر اُن یاروں کو نہ دیکھا
کچھ وے گئے شتابی کچھ ہم بھی دیر آئے

---

کُڑھنے نہ دیجے تو اوقات کیونکر گذرے — رہتا ہے مشغلہ سا بارِ غم و الم سے

---

گئے جی سے چھوٹے بُتوں کی جفا سے     یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے
نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت     کہو میرؔ جی آج کیوں ہو خفا سے

---

اندوہ وصل و ہجر نے عالم کھپا دیا
ان دو ہی منزلوں میں بہت یار تھک گئے۔

---

عشق اُن کو ہے جو یار کو اپنے دمِ رفتن
کرتے نہیں غیرت سے خُدا کے بھی حوالے

---

برنگ بوئے گُل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
کہ ہمراہِ صبا ٹک سیر کرتے پھر ہوا ہوتے
الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہے بندگی خواہش
ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خُدا ہوتے
کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میرؔ کیا جانے
اُنھیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے سے جُدا ہوتے

---

یہ وہ کارواں گاہ دل کش ہے میرؔ     کہ پھر یاں سے حسرت ہی ہمراہ ہے

---

عشق میں نے خوف و خطر چاہیئے     جان کے دینے کو جگر چاہیئے
خوفِ قیامت کا یہی ہے کہ میرؔ
ہم کو جیا بارِ دگر چاہیئے

---

نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے

میرؔ اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

---

اب جو اک حسرتِ جوانی ہے
عمرِ رفتہ کی یہ نشانی ہے

یاں ہوئے میرؔ تم برابرِ خاک
واں وہی نازِ سرگرانی ہے

---

کہاں تک دُور بیٹھے بیٹھے کہیے
کبھو تو پاس ہم کو بھی بلائیے

ستایا میرؔ غم کش کو کنھوں نے
کہ پھر اب عرش تک جاتے ہیں نالے

---

بے طاقتیٔ دل نے سائل بھی کیا ہم کو
پر میرؔ فقیروں کی یاں کون صدا مانے

---

دل کے معمورے کی مت کر فکر فرصت چاہیے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مُدّت چاہیے

عشق میں وصل و جُدائی سے نہیں کچھ گفتگو
قُرب و بُعد اُس جا برابر ہے محبت چاہیے

تنگ مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر
خیریت ہے میرؔ صاحب دل سلامت چاہیے

---

بے یار شہر دل کا ویران ہو رہا ہے — دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے

---

صناع طرفہ ہیں ہم عالم میں ریختے کے
جو میر جی لگے گا تو سب ہنر کریں گے

---

شب کو تہ اور قصہ اُن کا دراز ورنہ — احوال میر صاحب ہم تجھ کو سب سُناتے

---

بہت دُور کوئی رہا ہے مگر — کہ فریاد میں ہے جرس شور سے

---

تھا بلا ہنگامہ آرا میر بھی — اب تلک گلیوں میں اُس کا شور ہے

---

اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے
اک نظر گُل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے

---

رنج کھینچے تھے داغ کھائے تھے — دل نے صدمے بڑے اُٹھائے تھے
پاسِ ناموس عشق تھا ورنہ — کتنے آنسو پلک تک آئے تھے
وہی سمجھا نہ ورنہ ہم نے تو — زخم چھاتی کے سب دکھائے تھے
کچھ نہ سمجھے کہ تجھ سے یاروں نے — کس توقع پہ دل لگائے تھے
فرصتِ زندگی سے مت پُوچھو — سانس بھی ہم نہ لینے پائے تھے
میر صاحب رُلا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھی لائے تھے

خوب ہی اے ابر اک شب آؤ باہم روئیے
پر نہ اتنا بھی کہ ڈوبے شہر کم کم روئیے
عشق میں تقریب گریہ کو نہیں درکار میرؔ
ایک مدت صبر ہی کا رکھئے ماتم روئیے

---

ابر و بہار و باد سبھوں میں ہے اتفاق
ساقی جو تو بھی مل چلے تو واہ واہ ہے

---

اپنے جی ہی نے یہ چاہا کہ پئیں آب حیات
یوں تو ہم میرؔ اسی چشمے پہ بے جان ہوئے

---

کہتے ہیں ترے کوچے سے میرؔ آنے کہے ہے
جب جانیئے وہ خانہ خراب اپنے گھر آوے

---

جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے
اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

---

صناع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہنر آوے

---

کیا تھا جا بجا رنگیں لہو تجھ ہجر میں رو کر
گریباں میرؔ کا دیکھا مگر گل چیں کا داماں ہے

اپنا شعار پُوچھو تو مہرباں وفا ہے
پر اُس کے جی میں ہم سے کیا جانیئے کہ کیا ہے

---

حرم کو جائیے یا دیر میں بسر کریے
تری تلاش میں اک دل کدھر کدھر کریے
کٹے ہے دیکھیئے یوں عمر کب تلک اپنی
کہ سُنیے نام ترا اور چشم تر کریے

---

مشہور چمن میں تری گُل پیرہنی ہے
قرباں ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

---

میر صاحب سے خُدا جانے ہوئی کیا تقصیر
جس سے اس ظالم نمایاں کے سزاوار ہوئے

---

بھلے کو اپنے سب دوڑے ہیں یہ اپنا بُرا چاہے
چلن اس کا تم دیکھو تو دُنیا سے نرالا ہے

---

ہوا مذکور نام اُس کا کہ آنسو بہہ چلے مُنہ پر
ہمارے کام سارے دیدۂ تر ہی ڈبوتا ہے

---

ہم تو اس کے ظلم سے ہمدم چلے
رہ سکے ہے تُو تُو رہ یاں ہم چلے

دیکھئے بخت زبوں کیا کیا دکھائے　　　تم تو خوباں ہم سے ہو برہم چلے

کس دن دامن کھینچ کے اُن نے یار سے اپنا کام لیا
مُدّت گزری دیکھتے ہم کو میرؔ بھی اک ناکارا ہے

دامانِ دشت سوکھا ابروں کی بے تہی سے
جنگل میں رونے کو اب ہم بھی چلا کریں گے
احوالِ میرؔ کیونکر آخر ہو ایک شب میں
اک عمر ہم یہ قصّہ تم سے کہا کریں گے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے　　　اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
آگے یہ بے ادائیاں کب تھیں　　　ان دنوں تم بہت شریر ہوئے

جب کہ پہلو سے یار اُٹھتا ہے　　　درد بے اختیار اُٹھتا ہے
اب تلک بھی مزارِ مجنوں سے　　　ناتواں اک غبار اُٹھتا ہے
ہے بگولا غبار کس کا میرؔ　　　کہ جو ہو بے قرار اُٹھتا ہے

نے اب ہے جگر کاوی نے سینہ خراشی ہے
کچھ جی میں یہ آئے ہے بے کار رہا کیجے
دل جاؤ تو اب جاؤ ہو خوں تو جگر ہووے
اک جان ہے کس کس کے غم خوار رہا کیجے

بے زیست کوئی یہ بھی جو میرؔ کرے ہے تُو
ہر آن میں مرنے کو تیار رہا کیجے

---

طاقت نہیں ہے جی میں نے اب جگر رہا ہے
پھر دل ستم رسیدہ اک ظلم کر رہا ہے
مارا ہے کس کو ظالم اس بے سلیقگی سے
دامن تمام تیرا لوہو میں بھر رہا ہے
چل ہم نشیں کہ دیکھیں آوارہ میرؔ کو ٹک
خانہ خراب وہ بھی آج اپنے گھر رہا ہے

---

کیا خراب تغافل نے اس کے ورنہ میرؔ
ہر ایک بات پہ دشنام و سنگ تھا آگے

---

کیسے ہیں وے کہ جیتے ہیں صد سال ہم تو میرؔ
اس چار دن کی زیست میں بے زار ہو گئے

---

کب تلک گلیوں میں سودائی سے پھرتے رہیے
دل کو اس زلفِ مسلسل سے لگا بیٹھیں گے

---

کیا خرابی ہے مے کدے کی سہل
محتسب اک جہان جاتا ہے
اس سخن ناشنو سے کیا کہیے
غیر کی بات مان جاتا ہے

گو وہ ہرجائی آئے اپنی اور — سو طرف ہی گمان جاتا ہے
میر گو عمرِ طبعی کو پہنچا — عشق میں جوں جوان جاتا ہے

---

جب رونے بیٹھتا ہوں تب کیا کسر رہے ہے
رومال دو دو دن تک جوں ابر تر رہے ہے
آگہ تو رہیئے اُس کی طرز و رہ و روش سے
آنے میں اُس کے لیکن کس کو خبر رہے ہے
میر اب بہار آئی صحرا میں چل جنوں کر
کوئی بھی فصلِ گل میں نادان گھر رہے ہے

---

سودا ہو تب ہو میر کو تو کریے کچھ علاج
اس تیرے دیکھنے کے دوانے کو عشق ہے

---

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
اُن سے بھی تو پُوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے

---

کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے — زمیں سخت ہے آسماں دُور ہے
تمنّائے دل کے لئے جان دی — سلیقہ ہمارا تو مشہور ہے
نہ ہو کس طرح فکرِ انجامِ کار — بھروسہ ہے جس پر سو مغرور ہے
کہیں جو تسلّی ہوا ہو یہ دل — وہی بے قراری بدستور ہے
بہت سعی کریے تو مر رہیے میر — بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

اب میرجی تو اچھے زندیق ہی بن بیٹھے
پیشانی پہ دے قشقہ زُنّار پہن بیٹھے
بس ہو تو اِدھر ودھر یوں پھرنے نہ دیں تجھ کو
ناچار ترے ہم پہ دیکھیں ہیں چلن بیٹھے

---

گماں کب تھا یہ پروانے پر اتنا شمع روئے گی
کہ مجلس میں سے جس کے اشک کے بھر بھر لگن نکلے
حرم میں میرؔ جتنا بُت پرستی پر ہے تُو مائل
خُدا ہی ہو تو اِتنا بُت کدے میں برہمن نکلے

---

کام میں قتل کے مرے تن دے
اب فلک مجھ میں جان ہے پیارے
میرؔ عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

---

ٹک تمہارے ہونٹ کے ہلنے سے یاں ہوتا ہے کام
اِتنی اُتنی بات جو ہو دے تو مانا کیجئے

---

مہ وشاں پوچھیں نہ ٹک ہجراں میں گر مر جائیے
اب کہو اس شہرِ ناپُرساں میں کیدھر جائیے
شوق تھا جو یار کے کوچے ہمیں لایا تھا میرؔ
پاؤں میں طاقت کہاں اُتنی کہ اب گھر جائیے

---

ہم نے جانا تھا سخن ہوں گے زباں پر کتنے
پر قلم ہاتھ جو آئی لکھے دفتر کتنے

آہ نکلی ہے یہ کس کی ہوسِ سیرِ بہار
آتے ہیں باغ میں آوارہ ہوئے پر کتنے

---

اے شب ہجر راست کہہ تجھ کو بات کچھ صبح کی بھی آتی ہے

جم گیا خوں کفِ قاتل پہ ترا میرؔ زبس
اُن نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

---

بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی
سناہٹے میں جی کے گلستاں تلک گئے

کچھ آبلے دیئے تھے رہ آورد عشق نے
سو رفتہ رفتہ خارِ مغیلاں تلک گئے

---

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

گھبرا نہ میرؔ عشق میں اس سہل زیست پر
جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے

---

اسیری نے چمن سے میرے دل گرمی کو دھو ڈالا
وگرنہ برق جا کر آشیاں میرا جلا آوے

اُداسیاں تھیں مری خانقہ میں قابلِ سیر
صنم کدے میں تو ٹک آکے دل لگا بھی ہے
یہ کہیے کیونکہ کہ خوباں سے کچھ نہیں مطلب
لگے جو پھرتے ہیں ہم کچھ تو مدعا بھی ہے

ترا ہے وہم کہ میں اپنے پیرہن میں ہوں
نگاہ غور سے کر مجھ میں کچھ رہا بھی ہے
گزارِ شہرِ وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں میرؔ شکستہ پا بھی ہے

---

نکلا نہ مناجاتیوں سے کام کچھ اپنا
اب کوئی خراباتی جواں پیر کریں گے
بازیچہ نہیں میرؔ کے احوال کا لکھنا
اس قصہ کو ہم کرتے ہی تحریر کریں گے

---

عاشق کہیں جو ہو گئے تو جانو گے قدر میرؔ
اب تو کسی کے چاہنے کا تم کو چاؤ ہے

---

مری خلق محوِ کلام سب مجھے چھوڑتے ہیں خموش کب
مرا حرف رشکِ کتاب ہے مری بات لکھنے کا باب ہے
کبھو لطف سے نہ سخن کیا، کبھو بات کہہ نہ لگا لیا
یہی لحظہ لحظہ خطاب ہے وہی لمحہ لمحہ عتاب ہے

مرا شور سن کے جو لوگوں نے کہا پوچھا تو کہے ہے کیا
جسے میرؔ کہتے ہیں صاحبو یہ وہی تو خانہ خراب ہے

---

میرؔ کی بات پہ ہر وقت یہ جھنجھلایا نہ کر
سڑی ہے خبطی ہے وہ شیفتہ ہے مجنوں ہے

---

پیرِ مغاں سعادت تیری جو ایسا آوے
یہ میرؔ مے کشوں میں اک طرز کا جواں ہے

---

آوارہ میرؔ شاید واں خاک ہو گیا ہے
اک گرد اٹھ چلے ہے گاہ اُس کی رہ گزر سے

---

وعدہ وعید پیارے کچھ تو قرار ہووے
دل لگی معاملت ہے کیا کوئی خوار ہووے

---

ہوتی ہیں فکریں پریشان میرؔ یاروں کی
حواس خمسہ کرے جمع سو نظامی ہے

---

در پئے خونِ میرؔ ہی نہ رہو | ہو بھی جاتا ہے جرم آدم سے

---

تربتِ میرؔ پہ ہیں اہلِ سخن | ہر طرف حرف ہے حکایت ہے

تو بھی تقریب فاتحہ سے چل　　بخدا واجب الزیارت ہے

---

دیہی کو نہ کچھ پوچھو اک بھرت کا ہے گڑوا
ترکیب سے کیا کہیے سانچے ہیں کہ ڈھالی ہے

---

کیا غم میں ویسے خاک فتادہ سے ہو سکے
دامن پکڑ کے یار کا جو ٹک نہ رو سکے

---

ناصح نہ روویں کیونکہ محبت کے جی کو ہم
اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے
یہ راہ و رسم دل شدگاں گفتنی نہیں
جانے دے میر صاحب و قبلہ جدھر گئے
روزِ وداع اُس کی گلی تک تھے ہم بھی ساتھ
جب دردمند ہم کو وے معلوم کر گئے
کر یک نگاہ یاس کی ٹپ دے سے رو دیا
پھر ہم اِدھر کو آئے میاں وے اُدھر گئے

---

طرف ہونا مرا مشکل ہے میر اس شعر کے فن سے
یو نہیں سودا کبھی ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

---

پوچھا تھا راہ جاتے کہیں اُن نے میر کو　　آتا ہے اُس کی بات کا اب تک عجب مجھے

---

کب تلک جی رکے خفا ہووے  آہ کریے کہ ٹک ہوا ہووے
جی ٹھہر جائے یا ہوا ہووے  دیکھیے ہوتے ہوتے کیا ہووے
کاہشِ دل کی کیجیے تدبیر  جان میں کچھ بھی جو رہا ہووے
چُپ کا باعث ہے بے تمنائی  کہیے کچھ بھی تو مدعا ہووے
بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم  دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

نہ سُنا رات ہم نے اِک نالہ
غالباً میرؔ مر رہا ہووے

---

کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہے
دن گزر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہے

رہ گئے گاہ تبسم پہ گہے بات ہی پر
بارے اے ہم نشیں اوقات چلی جاتی ہے

یاں تو آتی نہیں شطرنج زمانہ کی چال
اور واں بازی ہوئی مات چلی جاتی ہے

روز آنے پہ نہیں نسبتِ عشقی موقوف
عمر بھر ایک ملاقات چلی آتی ہے

خرقہ مندیل و ردا مست لیے جاتے ہیں
شیخ کی ساری کرامات چلی جاتی ہے

ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں میرؔ
یوں تو اوروں کی مدارات چلی آتی ہے

---

پہنچا تو ہو گا سمعِ مُبارک میں حالِ میر
اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگائیے

---

نہیں وسواس جی گنوانے کے — ہائے رے ذوق دل لگانے کے
میرے تغیرِ حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے
دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا — اور بھی وقت تھے بہانے کے
اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں — ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے
مرنے پر بیٹھے ہیں سُنو صاحب — بندے ہیں اپنے جی جلانے کے

---

کم فرصتیٔ گُل جو کہیں کوئی نہ مانے
ایسے گئے ایّامِ بہاراں کہ نہ جانے
ہمراہ جوانی گئے ہنگامے اُٹھانے
اب ہم بھی نہیں وے رہے نے وے ہیں زمانے
ان ہی چمنوں میں کہ جنھوں میں نہیں اب چھاؤں
کن کن روشوں سیر کو پھرایا ہے ہوا نے

---

بے خوابی تری آنکھوں پہ دیکھوں ہوں مگر رات
افسانہ مرے حال کا مذکور ہوا ہے

---

کس کے کہنے کو ہے تاثیر کہ اک میر ہی سے
رمز و ایما و اشارات و کنایت کیجے

---

ہر گھڑی رنجش ایسی باتوں میں کوئی اخلاص و پیار رہتا ہے
تجھ بن آئے ہیں تنگ جینے سے مرنے کا انتظار رہتا ہے
کیوں نہ ہووے عزیز دلہا میرؔ
کس کے کوچے میں خوار رہتا ہے

---

صبر بھی کریئے بلا پر میرؔ صاحب جی کبھو
جب نہ تب رونا ہی کُڑھنا یہ بھی کوئی ڈھنگ ہے

---

جس سے اسے لگاؤں رُوکھا ہی ہو ملے ہے
سینے میں جل کر از بس دل خاک ہو گیا ہے
زیر فلک بھلا تُو رووے ہے آپ کو میرؔ
کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہو گیا ہے

---

آج تیری گلی سے ظالم میرؔ لو ہو میں شور بور آیا ہے

---

فقیرانہ آئے صدا کر چلے میاں خوش رہو ہم دُعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئی نا اُمیدانہ کرتے نگاہ سو تم ہم سے مُنہ بھی چھُپا کر چلے
بہت آرزو تھی گلی کی تری سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے
دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے

پرستش کی یاں تک کہ اے بُت تجھے　　نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے　　ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

گئی عمر در بندِ فکرِ غزل　　سو اس فن کو ایسا بُرا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

---

بس بے وفاری ہو چکی گلیوں میں خواری ہو چکی
اب پاس کر ٹک میرؔ کا دو چار دن مہمان ہے

پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش　　روز ان کا بھی شام ہوتا ہے

---

اب چھیڑ یہ رکھی ہے عاشق ہے تو کہیں
القصہ خوش گزرنی ہے اُس بدگمان سے

داغوں سے ہے چمن جگرِ میرؔ دہر میں
اُن نے بھی گل چُنے بہت اُس گلستان میں

---

چاک پر چاک ہوا جُوں جُوں سلایا ہم نے
اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اُٹھایا ہم نے

جی میں تھا عرش پہ جا باندھیئے تکیہ لیکن
بسترا خاک ہی میں اب تو بچھایا ہم نے

یاں فقط ریختہ ہی کہنے نہ آئے تھے ہم
چار دن یہ بھی تماشا سا دکھایا ہم نے

---

کافر ہوئے بتوں کی محبت میں میرجی
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ دیئے ہوئے

---

کروتوکل کہ عاشقی میں نہ یوں کروگے تو کیا کروگے
الم جو یہ ہے تو دردمندو کہاں تلک تم دوا کروگے
جگر میں طاقت کہاں ہے اتنی کہ دردِ ہجراں سے مرتے رہئے
ہزاروں وعدے وصال کے تھے کوئی بھی جیتے وفا کروگے
اخیر الفت یہی نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوئے پتنگے
ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہو کر اڑا کروگے
عدم میں ہم کو یہ غم رہے گا کہ اوروں پر اب ستم رہے گا
تمہیں تو لت ہے ستاتے ہی کی کسو پر آخر جفا کروگے
اگرچہ اب تو خفا ہو لیکن موئے گئے پر کبھو ہمارے
جو یاد ہم کو کروگے پیارے تو ہاتھ اپنے ملا کروگے
غم محبت سے میر صاحب بہ تنگ ہوں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہوگا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کروگے

---

اس شہر دل کو تو بھی جو دیکھے تو آب ہے
کیا جانیئے کہ بستی یہ کب کی خراب ہے

---

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم پر ہم تم سے بنائے گئے
چھپکے باتیں اٹھائے گئے سر گاڑے وو ہیں آئے گئے

کب کب تم نے سچ نہیں مانیں جھوٹی باتیں غیروں کی
تم ہم کو یونہیں جلانے گئے وے تم کو دہیں لگائے گئے

صبح وہ آفت اُٹھ بیٹھا تھا تم نے نہ دیکھا صد افسوس
کیا کیا فتنے سر جوڑے پلکوں کے سائے سائے گئے

مرنے سے کیا میرؔ جی صاحب ہم کو ہوش تھے کیا کریئے
جی سے ہاتھ اُٹھائے گئے پر اُس سے دل نہ اُٹھائے گئے

---

اِدھر سے ابر اُٹھ کر جو گیا ہے ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے
مصائب اور تھے پر دل کا جانا عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
کچھ آؤ زلف کے کوچے میں درپیش مزاج اپنا اُدھر اب تو گیا ہے

سرہانے میرؔ کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

---

عُمر بھر ہم رہے شرابی سے دِل پُرخوں کی اِک گلابی سے
جی ڈہا جائے ہے سحر سے آہ رات گزرے گی کس خرابی سے
کھِلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے اُس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

کام تھے عشق میں بہت پر میرؔ
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

---

ہو گا ستم و جور سے تیرے ہی کنایہ
دو شخص جہاں شکوۂ ایام کریں گے

گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے میرؔ
ہم زیرِ زمیں بھی بہت آرام کریں گے

---

## دیوان دوم

صبح ہے کوئی آہ کر لیجے
آسماں کو سیاہ کر لیجے

چشمِ گل باغ میں مُندی جا ہے
جو بنے اک نگاہ کر لیجے

---

لو گرفتار ہوں اس باغ کا رحم اے صیّاد
موسمِ گل رہے جب تک مجھے مُہلت دیجے

اپنے ہی دل کا گنہ ہے جو جلاتا ہے مجھے
کس کو لے مریے میاں اور کسے تہمت دیجے

ہم نے تو عاشقی میں کھویا ہے جان کو بھی
صدقے ہیں میرؔ جی کو ویسے ڈھونڈتے ہیں وارے

---

میرؔ ایک دم نہ اُس بن تُو تو جیا پیارے
کیا کہہ کے تجھ کو روویں یہ کیا کیا پیارے

---

سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے
پھر جو دیکھا تو کچھ نہیں پیارے

خشک سال وفا میں اک مدّت
پلکیں لوہو میں تر رہیں پیارے

یک نظر دیکھنے کی حسرت میں
آنکھیں تو پانی ہو بہیں پیارے

تجھ گلی میں رہے ہے میرؔ مگر
دیکھیں ہیں جب نہ تب نہیں پیارے

---

مت سہل سمجھو ایسے ہیں ہم کیا ورے دھرے
ظاہر تو پاس بیٹھے ہیں پر ہیں بہت پرے
خالی کروں ہوں راتوں کو رو رو کے دل کے تئیں
انصاف کر کہ یوں کوئی دن کب تلک بھرے

جل تھل فقط نہیں مرے رونے سے بھر گئے
جنگل پڑے تھے سوکھے سو وہ بھی ہوئے ہرے
جی کو بچا رکھیں گے تو جانیں گے عشق میں
ہرچند میرؔ صاحب قبلہ ہیں منگرے

---

بُو کئے کمھلائے جاتے ہو نزاکت ہائے رے
ہاتھ لگتے میلے ہوتے ہو لطافت ہائے رے

---

نظر مت بے پری پر کر کہ آں سُوئے جہاں پھر ہوں
ہوئے پرواز کے قابل یہ ٹوٹے پر جہاں میرے

---

مباد اکارواں جاتا رہے تو صبح سوتا ہے
بہت ڈرتا ہوں میں لے میرؔ تیری دیر خوابی سے

---

کعبے میں جاں بلب تھے ہم دُوریٔ بُتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو اب کی خُدا کے ہاں سے

تصویر کے سے طائر خاموش رہتے ہیں ہم
جی کچھ اُچٹ گیا ہے اب نالہ و فغاں سے

خاموشی ہی میں ہم نے دیکھی ہے مصلحت اب
ہر اک سے حال دل کا مدّت کہا زباں سے

اتنی بھی بد مزاجی ہر لحظہ میرؔ تم کو
اُلجھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

---

ہمسائے مجھے رات کو رو با ہی کرے ہیں
سوتے نہیں بیچارے مری نالہ کشی سے

تم نے تو اِدھر دیکھنے کی کھائی ہے سوگند
اب ہم بھی لڑا بیٹھتے ہیں آنکھ کسی سے

بے رحم وہ تجھ پاس لگا بیٹھنے جب دیر
ہم میرؔ سے دل اپنے اُٹھائے تھے تبھی سے

---

وہ کہاں دھوم جو دیکھی گئی چشم تر سے
ابر کیا کیا اُٹھے ہنگامے سے کیا کیا برسے

ساتھ سونا جو گیا اُس کا بہت دل تڑپا
برسوں پھر میرؔ یہ پہلو نہ لگے بستر سے

---

لگے ہی ایک دو رہتے ہیں مہلت بات کی کیسی
ہوا ہے دشمنوں کو کچھ قیامت اتحاد اُس سے
اِدھر توبہ کرے ہے میرؔ اُدھر لگتا ہے مے پینے
کہاں تک اب تو اپنا اُٹھ گیا ہے اعتماد اُس سے

---

بھری آنکھیں کسو کی پونچھتے جو آستیں رکھتے
ہوئی شرمندگی کیا کیا ہمیں اس دستِ خالی سے
گہے غم اُس دہن کا ہے گہے فکر اس کمر کی ہے
کہے سو کیا کوئی ہیں میرؔ صاحب کچھ خیالی سے

---

افراطِ اشتیاق میں سمجھے نہ اپنا حال
دیکھے ہیں سوچ کرکے تو اب ہم بھی ہو چکے
کہتا ہے میرؔ سا مجھ ہی سے آج دردِ دل
ایسی کہانی گرچہ بندھی سے تو سو چکے

---

سر کو اُس آستاں پر رکھے رہیں تو بہتر
اُٹھے جو اُس کے در سے تو ہو جئے کہاں کے
خمیازہ کش رہے ہے اے میرؔ شوق سے تو
سینے کے زخم کے کہہ کیوں کر رہیں گے ٹانکے

---

رہنے کی اپنے جانو نے دیر ہے نہ کعبہ
اُٹھے جو اُس کے در سے تو ہو جئے کدھر کے
خاک ایسی عاشقی ہیں ٹھکرائے بھی گئے گُل
پاؤں کئی سے اُس کے پر میرؔ جی نہ سر کے

---

کتنے روزوں سے نہ سونے کے ہیں نے کھانے کے
دل جو یہ ہے تو ہم آرام نہیں پانے کے

---

اِس باغِ بے ثبات میں کیا دِل صبا لگے
کیا کیا نہال دیکھتے یاں پاؤں آ لگے
سب چاہتے ہیں دیر رہے میرؔ دل زدہ
یارب کسو تو دوست کی اُس کو دُعا لگے

---

غیر کو دیکھے ہے گرمی سے نہ کچھ لاگ لگے
اس لئے دیکھ رہے ہے کہ مجھے آگ لگے
ہم نشیں کہہ مت بتوں کی میرؔ کو تسبیح ہے
کام کیا اس ذکر سے اُن کو خدا کا نام ہے

---

لائے تھے جا کر ابھی تو اُس گلی میں سے بِگار
چُپکے چُپکے میرؔ جی تم اُٹھ کے پھر کیدھر چلے

---

یا پہلے وے نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے
یا اب کی وے ادائیں جو دل سے آہ نکلے
غیروں سے تو کہے ہے اچھی بُری سب اپنی
اے یار کب کے تیرے بہ خیر خواہ نکلے

---

جلنے کو جلتے ہیں سب کے اندروے لیک میرؔ
جب کِسو کی اِس وطیرے سے کہیں چھاتی جلے

---

دل دھڑکے ہے جاتے کچھ بُت خانے سے کعبے کو
اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خُدا جانے

---

یوں شہر میں بہتیرے آزار دہندے ہیں
تب جانیئے جب کوئی اس ڈھب سے ستا جائے

---

نہ بھائیں تجھے میری باتیں وگرنہ رکھی دھوم شہروں میں اس گفتگو نے
کُڑھایا کِسو کو کھپایا کسو کو بُرائی ہی کی سب سے اُس خوبرو نے
تری چال ٹیڑھی تری بات سوکھی
تجھے میرؔ سمجھا ہے یاں کم کِسو نے

---

جی میں بگڑ رہا ہے تب میرؔ چپ ہے بیٹھا
چھیڑو ابھی تو کیا کیا باتیں بنا کے لاوے

---

شورش کدہ عالم کہنے ہی کی جا گہ تھی
دل کیا کرے جو ایسے ہنگامے میں پھنس جاوے

چولی جہاں سے مسکی پھر آنکھیں وہیں چپکیں
جب پیرہن گل بھی اس خوبی سے چُس جاوے

ہے میر عجب کوئی درویش برشتہ دل
بات اُس کی سنو تم تو چھاتی بھی جھلس جاوے

---

کوئی بھی میر سے دل ریش سے یوں دور پھرتا ہے
ٹک اس درویش سے مل چل کہ تجھ کو کچھ دعا ہووے

---

رنگِ گل و بوئے گل ہوتے ہیں ہوا دونوں
کیا قافلہ جاتا ہے جو تو بھی چلا چاہے

ہم میر ترا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن
رہتا ہے ہوئے بن کب جو کچھ کہ ہوا چاہے

---

دوری میں اُس کی گور کنارے ہم آرہے
جی رات دن جنہوں کے پہیں ان میں کیا رہے

اب جس کے حسن خلق پہ بھولے پھریں ہیں لوگ
اس بے وفا سے ہم بھی بہت آشنا رہے

آئے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اُداس
آخر کو میر اُس کی گلی ہی میں جا رہے

---

ہم نے بھی نذر کی ہے پھریں گے چمن کے گرد
آنے تئیں بہار کے گر بال و پر رہے

---

دیکھیں تو مصر حسن میں کیا خواریاں کھنچیں
اب تک تو ہم عزیز رہے ہیں جہاں رہے
اک قافلے سے گرد ہماری نہ ٹک اُٹھی
حیرت ہے میر اپنے تئیں ہم کہاں رہے

---

ایک سمے تم ہم فقرا سے اکثر صحبت رکھتے تھے
اور نہ تھی توفیق تمہیں تو بوسے کی ہمت رکھتے تھے
اب تو ہم ہو چکتے ہیں ٹک تیرے ابرو خم ہوتے
کیا کیا رنج اُٹھاتے تھے جب جی میں طاقت رکھتے تھے
چاہ کے سارے دیوانے پر آپ سے اکثر بیگانے
عاشق اُس کے سیر کئے ہم سب سے جُدی مت رکھتے تھے
کوہ کن و مجنوں و وامق کس کس کے لیں نام غرض
جی ہی سے جاتے آگے سُنے وے لوگ جو اُلفت رکھتے تھے
جنوں کے کب ڈھب تھے ایسے چشمک کے تھے کب یہ ڈول
ہائے وے دن جن روزوں تم کچھ بھی مُروّت رکھتے تھے
کل کہتے ہیں اس بستی میں میر جی مُشتاق نہ موئے
تجھ سے کیا ہی جان کے دشمن وے بھی محبت رکھتے تھے

---

مجنوں و کوہ کن کو آزار ایسے ہی تھے
یہ جان سے گئے سب بیمار ایسے ہی تھے
دیوار سے پٹک سر ہیں جو موا تو بولا
کچھ اس ستم زدہ کے آثار ایسے ہی تھے
اک حرف کا بھی اُن کو دفتر ہے کر دکھانا
کیا کہیے میر جی کے بستار ایسے ہی تھے

وادیٔ قیس سے پھر آئے نہ میر صاحب
مرشد کے ڈھیر پر وے شاید کہ جا کے بیٹھے

کیا رنگ ہیں شوخی ہے اُس کے تنِ نازک کے
پیراہن اگر پہنے تو اُس پہ بھی تہ بیٹھے
مرنے ہوئے پہ چاہت ظاہر نہ کی اگلوں نے
بے حوصلے تھے ہم جو اِس راز کو کہہ بیٹھے

گُل گئے بوٹے گئے گلشن ہوئے برہم گئے
کیسے کیسے ہائے اپنے دیکھتے موسم گئے
گر ہوا اس باغ کی ہے یہ تو اے بُلبُل نہ بھُول
کوئی دن میں دیکھیو واں وے گئے یاں ہم گئے
کیا معاش اس غم کدے میں ہم نے اس دن کی بہم
اُٹھ کے جس کے ہاں گئے دل کا لئے ماتم گئے

ہم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کیا یاں سے گئے
سو ہی بات آئی اُٹھے اُس پاس سے جاں سے گئے

خانہ سازِ دیں جو ہے واعظ سو یہ خانہ خراب
اینٹ کی خاطر جسے مسجد کو ڈھایا چاہیے

کیا ریوں ہی میں پڑے رہیے گا سائے کی روش
اپنے ہوتے اب کی موسم گُل کا آیا چاہیے

یہ ستم تازہ کہ اپنی ناکسی پر کر نظر
جن سے بگڑا چاہیے اُن سے بنایا چاہیے

جی نہیں رہتا ہے ٹک ناچار ہم کو اس کی اور
گرتے پڑتے ضعف میں بھی روز جایا چاہیے

وہ بھی تو ٹک دستِ تیغ اپنے کی جانے قدر میرؔ
زخم سارے ایک دن اُس کو دکھایا چاہیے

---

انکھڑیوں کو اس کی خاطر خواہ کیوں کر دیکھیے
سو طرف جب دیکھ لیجے تب ٹک ایدھر دیکھیے

---

گرداب وار یار ترے صدقے جایئے
دریا کا پھیر پایئے تیرا نہ پایئے
تاثیر ہے دُعا کو فقیروں کی میرؔ جی
ٹک آپ بھی ہمارے لئے ہاتھ اُٹھایئے

---

ان دنوں رنگ اور کچھ ہے اس دلِ پُر خون کا
حق میں میرے آپ ہی کچھ سوچ کر فرمایئے

دل ستم زدہ ویراں کرنے میں بے داد کی ہے تُونے ہائے
خوش عمارت ایسے گھر کو اس طرح سے ڈھایئے

کچھ نہیں تو شعر ہی کی فکر کر | آئے ہیں جو یاں تو کچھ کر جائیے
خانماں آباد جو ہے سو خراب | کس کے اُٹھ کر شہر میں گھر جائیے
ہم مُردن اس قدر یہ کیا ہے میر | عشق کرئیے اور پھر ڈر جائیے

---

کیا جاؤ میر صاحب و قبلہ کے ڈھب کو تم
خوبی سلام ان کی و لے بد بلا کے ہیں

---

کُھل گئی بات تھی سو اک پر | تُو وہی مُنہ چھپائے جاتا ہے
وہ تو بگڑے ہے میر سے ہر دم
اپنی سی یہ بنائے جاتا ہے

---

خرابی دل کی کیا انبوہِ درد و غم سے پُوچھو ہو
وہی حالت ہے جیسے شہر لشکر لوٹ جاتا ہے
نہیں کچھ عقل میں آتا کہ دیوانہ سا میر ایدھر
کبھو آتا جو ہے کیدھر کو مارے روٹ جاتا ہے

---

جب نسیم سحر اُدھر جا ہے | ایک سناٹا گزر جا ہے
کیا اُس آئینہ رُو سے کہیے ہائے | وہ زباں کر کے پھر مکر جا ہے
جب سے سمجھا کہ ہم چلاؤ ہیں | حال پُرسی ٹک آ کے کر جا ہے
جی نہیں میر میں نہ بُو تُو تُند
بات کہتے ابھی وہ مر جا ہے

---

زورِ طبیعت اُس کا سُنیں اشتیاق تھا
آیا نظر جو میرؔ تو کچھ ناتواں سا ہے

---

ہزار بار گھڑی بھر میں میرؔ مرتے ہیں
اُنہوں نے زندگی کا ڈھب نیا نکالا ہے

---

چھاتی جلا کرے ہے سوزِ دروں بلا ہے
اک آگ سی رہے ہے کیا جانیے کہ کیا ہے
پھرتے ہو میرؔ صاحب سب سے جُدے جُدے تم
شاید کہیں تمہارا دل ان دنوں لگا ہے

---

ہمارا تو ہے اصل مدّعا تو
خدا جانے ترا کیا مدّعا ہے
نہیں ملتا سخن اپنا کسو سے
ہماری گفتگو کا ڈھب جُدا ہے
صبا اُودھر گُل اُودھر سرو اُودھر
اُسی کی باغ میں اب تو ہوا ہے
جگہ افسوس کی ہے بعد چندے
ابھی تو دل ہمارا بھی بجا ہے

---

دست و پا گم گئے ہیں تُو نے میرؔ
تیری بے طاقتی سے پیدا ہے

---

پلکوں سے رفو اُن نے کیا چاکِ دلِ میرؔ
کس زخم کو کس نازکی کے ساتھ سیا ہے

---

کس غم میں مجھ کو یارب یہ مبتلا کیا ہے
دل ساری رات جیسے کوئی ملا کیا ہے
ہے منہ پہ میر کے کیا گرد ملال تازہ
یہ خاک میں ہمیشہ یوں ہی رُلا کیا ہے

---

گہ آپ میں نہیں ہو گہ منتظر کہیں ہو
کچھ میر جی تمہارا ان روزوں حال کیا ہے

---

ہر طرف بحث تجھ سے ہے اے عشق — شکر تیرا نری شکایت ہے
دہر کا ہو گلہ کہ شکوہ چرخ — اُس ستم گر ہی سے کنایت ہے
عاشق اب بڑھ گئے ہمیں چھانٹو — اس میں سرکار کی کفایت ہے

---

کس سے جدا ہوئے ہیں کہ ایسے ہیں دردمند
منہ میر جی کا آج نہایت ہی زرد ہے
جانے ہیں قتل گہ سے ترا اختیار ہے
پر جائیں جو گئی ہیں سو رہ پُر غبار ہے
کب تک ستم کبھو تو دلاسا بھی دیجیے
بالفرض میر ایسا ہی تقصیروار ہے

---

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے — جوانی دوانی ہے مشہور ہے
ہم اب ناتوانوں کو مرنا ہے صرف — نہیں وہ کہ جینا بھی منظور ہے

گیا شاید اُس شمع رُو کا خیال
کہ اب میرؔ کے مُنہ پہ کچھ نور ہے

---

جاتا نہیں اگر وہ مسجد سے مے کدے کو
پھر میرؔ جمعہ کی شب دو دو پہر کہاں ہے

---

کیا سہل گزرتی ہے جنوں سے | تحفہ ہم لوگوں کا چلن ہے
لُطف اُس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو | کیا جانیے جان ہے کہ تن ہے
گہ دیر میں ہیں گہے حرم میں | اپنا تو یہی دوانہ پن ہے

کر میرؔ کے حال پر ترحّم
وہ شہر غریب و بے وطن ہے

---

ہم مست بھی ہو دیکھا آخر مزا نہیں ہے
ہشیاری کے برابر کوئی نشا نہیں ہے

زیر فلک رُکا ہے اب جی بہت ہمارا
اس بے فضا قفس میں مطلق ہوا نہیں ہے

میں روؤں تم ہنسو ہو کیا جانو میرؔ صاحب
دل آپ کا کِسو سے شاید لگا نہیں ہے

---

کیا تن نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے
کیا بدن کا رنگ ہے تہ جس کی پیراہن پہ ہے

---

گلی میں اپنی قدغن کر رکھو آنے نہ پاؤں میں
کہیں کیا اور بھی دل کے لگانے کی منادی ہے

مجھے منظور کیا ہے زلف و خال و خطِ خوباں سے
خُدا نے دیکھنے کی لت سی آنکھوں کو لگادی ہے

ہوئی ہے دل کی محویت سے یکساں یاں غم و فرحت
نہ ماتم مرنے کا ہے میرؔ نے جینے کی شادی ہے

---

کیا حال بیاں کریے عجب طرح پڑی ہے
رہ طبع تو نازک ہے کہانی یہ بڑی ہے

---

واشد ہوئی نہ بُلبُل اپنی بہار میں بھی
کیا جانیے کہ جی میں یہ کیسی گُل چھڑی ہے

کیا میرؔ سر جھکا دیں ہر کم بغل کے آگے
نامِ خُدا اُنہوں کی عزت بہت بڑی ہے

---

یہ کیا ہے کہ مُنہ نوچے نے چاک کرے سینہ
کہ عرض جو کچھ تجھ میں اے میرؔ ہنر بھی ہے

---

لکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر — شوق نے بات کیا بڑھائی ہے
دیدنی ہے شکستگی دل کی — کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے
بے ستوں کیا ہے کوہ کن کیسا — عشق کی زور آزمائی ہے

جس مرض میں جان جاتی ہے دل بروں ہی کی وہ جدائی ہے
مرگِ مجنوں سے عقل گُم ہے میرؔ
کیا دوانے نے موت پائی ہے

---

اُس شوخ سے ہمیں بھی اب یاری ہوگئی ہے
شرم انکھڑیوں میں جس کی عیّاری ہوگئی ہے
ہم کو تو دردِ دل ہے تم زرد کیوں ہو ایسے
کیا میرؔ جی تمہیں کچھ بیماری ہوگئی ہے

---

چھپائی ہوں آنکھیں ہی اُن نے تو کہئے
وہ ہر بات کا ہم سے پردا کرے ہے
ہلاک آپ کو میرؔ مت کر دوانے
کوئی ذی شعور آہ ایسا کرے ہے

---

دانستہ اپنے جی پر کیوں تُو جفا کرے ہے
اِتنا بھی میرے پیارے کوئی کُڑھا کرے ہے
ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
کیا چال یہ نکالی ہو کر جوان تم نے
اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے
دشمن ہو یار جیسا درپے ہے خوں کے میرے
ہے دوستی جہاں واں یوں ہی ہوا کرے ہے

کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے ہم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے

گُل ہی کو اور ہم بھی آنکھیں لگا رکھیں گے
اک آدھ دن جو موسم اب کی وفا کرے ہے

گہ سر گزشت اُن نے فرہاد کی نکالی
مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہے

اک آفتِ زماں ہے یہ میرؔ عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے

---

ناز و خشم و بے دماغی اس طرف سب ہیں دلے
کچھ کسو بھی طور کی رنجش بھلا ادھر سے ہے

بادیے ہی میں پڑا پاتے ہیں جب تب تجھ کو میرؔ
کیا خفا اے خانماں برباد کچھ تو گھر سے ہے

---

ہم نہیں فتنہ ساز سچ صاحب
شہر پُر شور اس غلام سے ہے

بوسہ لے کر سرک گیا کل میں
کچھ کہو کام اپنے کام سے ہے

شعر میرے ہیں سب خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

سر جھکاؤں تو اور ٹیڑھے ہو
کیا تمہیں چڑھ مرے سلام سے ہے

سہل ہے میرؔ کا سمجھنا کیا
ہر سخن اُس کا اک مقام سے ہے

---

ہیں جو ہر سو لگوں ہوں دیکھنے ہو کے مضطر
آنسو ہر میری نگہ ساتھ گتھا نکلے ہے

بنتی ہے سامنے اس کے کئے سجدہ ہی ولے
جی سمجھتا ہے جو اُس بُت میں ادا نکلے ہے

اجر سے خالی نہیں عشق میں مارے جانا
دے ہے جو سر کوئی کچھ یاں سے بھی پا نکلے ہے

کیا فریبندہ ہے رفتار ہے کینے کی خُدا
اور گفتار سے کچھ پیار جُدا نکلے ہے

ویسا بے جا نہیں دل میر کا جو رہ نہ سکے
چلتا پھرتا کبھو اُس پاس بھی جا نکلے ہے

---

ہیں دل گداز جن کے کچھ چیز مال و نے ہیں
ہوتے ہیں ملتفت تو پھر خاک زر بنے ہے

سارے دُکھوں کی اے دل ہو جائے گی تلافی
صحبت ہماری اُس کی ٹک بھی اگر بنے ہے

برسوں لگی رہیں ہیں جب مہر و مہ کی آنکھیں
تب کوئی ہم سا صاحب صاحب نظر بنے ہے

یارانِ دیر و کعبہ دُونوں بُلا رہے ہیں
اب دیکھیں میر اپنا جانا کدھر بنے ہے

---

## دیوانِ سوم

شور کیا جو اس کی گلی میں رات کو ہیں سب جان گئے
آہ و فغاں کے طور سے میرے لوگ مجھے پہچان گئے
کہیے سلوک انہوں کے کیا کیا چھیڑ تجاہل کی ہے نئی
نکلے تھے اس رستے وے جان کے بھی انجان گئے

---

تم کہتے ہو بوسہ طلب تھے شاید شوخی کرتے ہوں
میرؔ تو چپ تصویر سے تھے یہ بات انہوں سے عجب سی ہے

---

ایک نہ آباد بدیں اپنے دلکش دلچسپ اس کے رنگ
ان آنکھوں سے اس گلشن میں یوں تو ہزار کو دیکھا ہے
جمع کرو دل میرؔ سے تم بھی بے تابی تھی دل کو بہت
اچھے کچھ آثار نہ تھے میں اس بیمار کو دیکھا ہے

---

جب دیکھتے ہیں میرؔ تمہیں بے دماغ ہو
کاہے کو ناز عشق میں صاحب دخیل ہے

---

برسوں گزرے ہیں ملے کب تئیں یوں پیار رہے
دور سے دیکھ لیا اس کو تو جی مار رہے
وہ مودت کہ جو قلبی ہو اُسے سو معلوم
چار دن کہنے کو اس شوخ سے ہم یار رہے

---

اب تک تو نبھی اچھی اب دیکھئے پیری ہے
سب لوگوں میں ہیں لاگیں یاں محض فقیری ہے

---

سوزِ دروں نے آخر جی ہی کھپا دیا ہے
ٹھنڈا دل اب ہے ایسا جیسے بجھا دیا ہے
عالم شکار ہے وہ اِس سن میں میرؔ اس کو
ڈھب جانے مارنے کا کن نے بتا دیا ہے

---

ہم چمن میں گئے تھے وا نہ ہوئے
نکہتِ گل سے آشنا نہ ہوئے
سر کسو سے فرو نہیں آتا
حیف بندے ہوئے خدا نہ ہوئے
کیسا کیسا قفس سے سر مارا
موسمِ گل میں ہم رہا نہ ہوئے
بس نہ گردن کٹائی جب تک میرؔ
عشق کے مجھ سے حق ادا نہ ہوئے

---

خاطر اپنی اتنی پریشاں آنکھیں بھری ہیں اُس بن جیراں
تم نے کہا دل چاہے تو بیٹھو دل کیا جانے کیدھر ہے
تاب و تواں کا حال وہی ہے آج تک ہم جیتے ہیں
تم پوچھو تو اور کہیں کیا نسبت کل کی بہتر ہے
جب سے ملا اُس آئینہ رُو سے خوش کی اُن نے تملہ پوشی
پانی بھی دے ہے بھونک سبھوں کو میرؔ فقیر قلندر ہے

---

ہیں خوبیاں ہی خوبیاں وحشی طبیعت میرؔ میں
پر اُنس کم ہم سے دلیل اب کی یہ سودا پر بھی ہے

---

اس عرصے سے کیا ہو کہیں کوئی تو کہیں
چل پھر کے لوگ یاں کے یہیں سارے رہ گئے
تسبیحیں ٹوٹیں خرقے مصلے پھٹے جلے
کیا جانے خانقاہ میں کیا میرؔ کہہ گئے

---

میرؔ کیوں رہتے ہیں اکثر ان سے — کہ نہیں بنتی کسو سے جو بنے
ہے توکل جی سے ہم درویش ہیں — کر ہی چکتے ہیں جو کچھ دل میں ٹھنے

---

ہم پہ رہتے ہو کیا کمر کستے — اچھے ہوتے نہیں جگر خستے
سیر قابل ہو تنگ پوش اب کے — کہنیاں پھٹتی چولیاں چستے
رنگ کیفیتی ہے سبب ہوا اُس کا — اس سے باغ و بہار ہیں رستے

---

میرؔ صناع ہے بلو اُس سے
دیکھو باتیں تو کیا بناتا ہے

---

طاعت کا محو تب ہے جب ڈھب نہیں بتوں سے
چھوڑے نماز واجب گر میرؔ وقت پاوے

---

بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن بنے تو باندھ دو گل کے گریباں سے

نہ ٹک واشد ہوئی دل کو نہ جی کی لاگ کچھ پائی
رہے دس دن جو اپنی عمر کے یاں ہم سو مہماں سے

ادھر زنجیر کا غل ہے اُدھر ہنگامہ لڑکوں کا
جنوں اس دشت میں ہم نے کیا ہے کیسے ساماں سے

خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے
کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پہ حیراں سے

---

برسوں تک جی کو مار مار رہے
رات دن ہم اُمیدوار رہے

موسمِ گل تلک رہے گا کون
چبھتے ہی دل کو خار خار رہے

وصل یا ہجر کچھ ٹھہر جاوے
دل کو اپنے اگر قرار رہے

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی
سب مزے میر در کنار رہے

---

یوں بات راہ کی سنتا نہیں ہے کوئی
جاتے ہیں ہم جرس سے اس قافلے میں بکتے

---

ہمیں کیا جو ہے میر بے ہوش سا
خدا جانے یہ کیا ہے درویش ہے

---

پوچھنا اُس ناتواں کا خوب تھا
پر نہ پوچھا اُن نے وہ بھی زور ہے

---

گرچہ جی کب چاہتا ہے آپ کا آنے کو یہاں
پر کبھو تو آئیے خاطر ہماری کیجیے
آشنا ہو اُس سے ہم مر مر گئے آئندہ میرؔ
جیتے رہیے تو کسو سے اب نہ یاری کیجیے

---

چلاہٹ اس طرح کی جُز میرؔ کس سے ہوئے
باور نہ ہو تو دیکھو یہ ہو نہ ہو وہی ہے

---

ہم سا شکستہ خاطر اس بستی میں نہ ہوگا
برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے
چاہت بُری بلا ہے کل میرؔ نالہ کش بھی
ہمراہ نے سواراں دوڑے پھرے نفر سے

---

لے موئے سر سے ناخنِ پا تک بھری ہے آگ
جلتے ہیں دردمند پہ جلنے کے ڈھب ہیں یے
غُربت پہ مہرباں ہوئے میری سو یہ کہا
ان کو غریب کوئی نہ سمجھے غضب ہیں یے
سید ہیں میرؔ صاحب درویش و دردمند
سر رکھیے اُن کے پاؤں پہ جائے ادب ہیں یے

---

اب جنوں میں میرؔ سوئے دشت جلئے کارِ وحشت کے تئیں یک سُو کرے

---

جی ہی دینے کا نہیں کُڑھنا فقط
اس کے در سے جانے کی حسرت بھی ہے

دُور سے باتیں کرے ہے یوں ہی یار
میرؔ صاحب سے اُنہیں صحبت بھی ہے

---

چلے ہم اگر تم کو اکراہ ہے
فقیروں کی اللہ اللہ ہے

جہاں لگ چلے گُل سے ہم داغ ہیں
اگرچہ صبا بھی ہوا خواہ ہے

غمِ عشق ہے ناگہانی بلا
جہاں دل لگا کڑھنا جاں کاہ ہے

نہ کی کوتہی بُت پرستی میں کچھ
خُدا اس عقیدے سے آگاہ ہے

گیا میرؔ کے جی کی سُن کر وہ شوخ
لگا کے سب کو یہی راہ ہے

---

غزل ہی کی ردیف و قافیہ کا رفتہ رہتا ہے
نکلنا میرؔ اب مشکل ہے میرا ان زمینوں سے

---

بے تابی جو دل ہر گھڑی اظہار کرے ہے
اب دیکھوں مجھے کس کا گرفتار کرے ہے

کچھ ہیں بھی عجب جنس ہوں بازارِ جہاں میں
سو ناز مجھے لیتے خریدار کرے ہے

آگے تو جو کچھ ہم نے کہا مان لیا اب
اک ایک سخن پر بھی وہ تکرار کرے ہے

کیوں کر نہ ہو تم میرؔ کے آزار کے در پے
یہ جُرم ہے اُس کا کہ تمہیں پیار کرے ہے

---

اس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے
لوگوں کے پُوچھنے کا کوئی کیا جواب دے

---

نہ جرأت ہے نہ جذبہ ہے نہ یاری بختِ بد سے ہے
یہی بے طاقتی خوں گشتہ دل کو بہرے گھر سے ہے
سخن کرنے میں تعلیق گوئی ہی نہیں کرتا
پڑھے ہیں شعر کوئی ہم سو وہ بھی شد و مد سے ہے

---

دلِ فصلِ گُل کے اب کی بھی جاتے ہیں یاؤ سے
دل داغ ہو رہا ہے چمن کے سُبھاؤ سے
وارفتگانِ عشق بھی کیا ظرف لوگ ہیں
دل کے گئے پہ دیتے ہیں جی کیسے چاؤ سے
کہتے تو کہیے بات کوئی دل کی میرؔ سے
پر جی بہت ڈرے ہے اُنہوں کے جماؤ سے

---

کیا چال نکالی ہے کہ جو دیکھے سو مر جائے
بھیچک کوئی رہ جائے کوئی جی سے گزر جائے
کیا ذکر مرا میں تو کہیں اُس سے ملوں ہوں
ان خانہ خرابوں کی کہو جن کے وہ گھر جائے

بُتوں کے جرمِ اُلفت پر ہمیں زجر و ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے

کھڑا ہوتا نہیں وہ رہزنِ عشق پاس عاشق کے
موافق رسم کے اک دُور کی صاحب سلامت ہے

پئے دار و پڑے پھرتے تھے کل تک میر کوچوں میں
انہیں کو مسجد جامع کی دیکھی آج امامت ہے

---

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دُعا کر میر
کہ اب جو دیکھوں اُسے میں بہت نہ پیار آئے

---

دن رات گاہ وبے گہ جب دیکھو ہیں سفر میں
ہم کس گھڑی وداعی یارب ہوئے وطن سے

دل سوختہ ہوں مجھ کو تکلیفِ حرف مت کر
اک آگ کی لپٹ سی نکلے ہے ہر سخن سے

---

کعبے کے در پہ تھے ہم یاد بر میں در آئے
آوارگی تو دیکھو کیدھر سے کیدھر آئے

دیوانگی ہے میری اب کی کوئی تماشا
رہتے ہیں گھیرے مجھ کو کیا اپنے کیا پرائے

آ ہم نشیں ہے تو آج اُن کنے بھی چلیے
کہتے ہیں میر صاحب مدت میں کل گھر آئے

---

قصر و مکان و منزل ایکوں کو سب جگہ ہے
ایکوں کو جا نہیں ہے دُنیا عجب جگہ ہے

مت پڑا رہ دیر کے ٹکڑوں پہ میرؔ
اُٹھ کے کعبے چل خدا رزّاق ہے

بُت کدے سے تو چلے کعبے وے
دس قدم ہم دل کو پتھّر کر گئے
کیا جو اُڑتی سی سُنی آئے ہیں گُل
ہم اسیروں کے تو بال و پر گئے
مجلسوں کی مجلسیں برہم ہوئیں
لوگ وے پل مارتے کیدھر گئے
خانوادے ہو گئے کیا کیا خراب
خانہ سازِ دین کیسے مر گئے
دست افشاں پائے کوباں شوق میں
صومعے سے میرؔ بھی باہر گئے

## دیوانِ چہارم

واعظ نا کس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میرؔ
آدمی خانے چلو تم کس کے کہنے پر گئے

خوار پھرایا گلیوں گلیوں سر مارے دیواروں سے
کیا کیا اُن نے سلوک کیے ہیں شہر کے عزت داروں سے
شور کیا جو میں نے شبانگہ بے تابی سے دل کی بہت
کہنے لگا جی تنگ آیا ان مہر و وفا کے ماروں سے

حرف شنو ساتھ اپنے نہیں ورنہ درآتے قافلہ ساں
راہ میں باتیں کس کس ڈھب کی کرتے ہیں ہم یاروں سے
خستہ ہوا اپنا کیسا ہی کوئی پھر بھی گلے سے لگاتے ہیں
وحشت ایک تمہیں کو دیکھی اپنے سینہ فگاروں سے
حرف کی پہچان اُس کو نہ تھی تو سادہ ہی کچھ اچھا تھا
بات اگر مانے ہے کوئی سو سو اب تکراروں سے
کوہ کن و مجنوُں یہ دونوں دشت کوہ میں سر مارہیں
شوق نہیں ملنے کا ہم کو میر ایسے آواروں سے

---

سودے میں دل کے نفع جو چاہے خام طبع سودائی ہے
وارا سارا عشق میں کیسا جی کا بھی نقصان کرے
آتش خو مغرور سے ویسے عہدہ بر آ کیا عاشق ہو
دل کو جلا دے منت رکھے جی مارے احسان کرے
کہنے میں یہ بات آتی نہیں ہو سیر خدا کی قدرت کی
موند کر آنکھیں میر اگر تو دل کی طرف ٹک دھیان کرے

---

بے دل ہوئے بے دیں ہوتے بے وقر ہم ات گت ہوئے
بے کس ہوئے بے بس ہوئے بے کل ہوئے بے گت ہوئے
ہم عشق میں کیا کیا ہوئے اب آخر آخر ہو چکے
بے مت ہوئے بے ست ہوئے بے خود ہوئے میت ہوئے
اُلفت جو کی کہتا ہے جی حالت نہیں عزت نہیں
ہم بابت ذلت ہوئے شائستہ کلفت ہوئے

آنکھیں بھر آئیں جی رُندھا کہنے سو کیا چُپکے سے تھے
جی چاہتا مطلق نہ تھا ناچار ہم رخصت ہوئے
یا مست درگاہوں میں شب کرتے تھے شاہد بازیاں
تسبیح لے کر ہاتھ میں یا میرؔ اب رُخصت ہوئے

---

باغ میں سیر کبھو ہم بھی کیا کرتے تھے
روشِ آبِ رواں پھیلے پھرا کرتے تھے
غیرتِ عشق کسو وقت بلا تھی ہم کو
تھوڑی آزردگی میں ترکِ وفا کرتے تھے
دل کی بیماری سے خاطر تو ہماری تھی جمع
لوگ کچھ یوں ہی محبت سے دوا کرتے تھے
جب تلک شرم رہی مانعِ شوخی اُس کی
تب تلک ہم بھی ستم دیدہ حیا کرتے تھے
مائل کفر جوانی میں بہت تھے ہم لوگ
دیر میں مسجدوں میں دیر رہا کرتے تھے
اب تو بے تابیِ دل نے ہمیں بٹھلا ہی دیا
آگے رنج و تعبِ عشق اُٹھا کرتے تھے
اُٹھ گئے پر مرے تکیے کو کہیں گے یاں میرؔ
دردِ دل بیٹھے کہانی سی سنا کرتے تھے

---

باغ میں جا کر ہم جو رہے سو اور دماغ آشفتہ ہوا
کیا کیا سر پہ ہمارے آ کر بلبل شب چلائی ہے
قصہ ہم غربت زدگاں کا کہنے کے شائستہ نہیں
بے صبری کم پائی ہے پھر دُور اُس سے تنہائی ہے
چشمک چتون نیچی نگاہیں چاہ کے تیرے مشعر ہیں
میرؔ عبث بگڑے ہے ہم سے آنکھ کہیں تو لگائی ہے

---

دیر سے ہم کو بھول گئے ہو یاد کرو تو بہتر ہے
غم حرماں کا کب تک کھینچیں شاد کرو تو بہتر ہے
جو کرنے گا حق میں میرے خوبی ہے میری اُس ہی میں
داد کرو تو بہتر ہے بے داد کرو تو بہتر ہے
عشق میں دم مارا نہ کبھو تم چُپکے چُپکے میرؔ کھپے
لوہو مُنہ سے مل کر اب فریاد کرو تو بہتر ہے

---

قرار دل سے گیا ہے اب کی کہ رُک کے گھر میں نہ مرنے گا ہوں
بہار آئی جو اپنے جیتے تو سیر کرنے چلا کریں گے
ہلاک ہونا مقرری ہے مرض سے دل کے پہ تم کڑھو ہو
مزاج صاحب اگر ادھر ہے تو ہم بھی اپنی دوا کریں گے
غمِ محبت میں میرؔ ہم کو ہمیشہ جلنا ہمیشہ مرنا
صعوبت ایسی دماغِ رفتہ کہاں تلک ہم وفا کریں گے

---

چلتے ہو تو چمن کو چلئے کہتے ہیں کہ بہاراں ہے
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم باد و باراں ہے
رنگ ہوا سے یوں ٹپکے ہے جیسے شراب چواتے ہیں
آگے ہو مے خانے کے نکلو عہدِ بادہ گساراں ہے
کوہ کن و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے
عشق میں ہم کو میرؔ نہایت پاسِ عزت داراں ہے

---

بہم مہر درزی کے سرگرم تھے     خُدا جانے وہ لوگ کیدھر گئے
رباطِ کہن میں نہیں تیر جی
ہوا جو لگی وے بھی باہر گئے

---

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتّے ہرے ہرے
پودے چمن میں پھولوں سے دیکھے ہرے بھرے
آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمع دراز
وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

---

ہماری تیری مودّت ہے دوست داری ہے
ہزار سابقوں سے سابق ایک یاری ہے
کریں تو جا کے گدایانہ اُس طرف آواز
اگر صدا کوئی پہچانے شرم ساری ہے
ہمیں ہی عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں
وگرنہ سب کے تئیں جان اپنی پیاری ہے

---

عشق میں کھوئے جاؤ گے تو بات کی نہ کبھی پاؤ گے
قدر ہماری کچھ جانو گے دل کو کہیں جو لگاؤ گے
پھر کہاں بے تابیٔ دل سے چین کہاں بے خوابی سے
سو سو بار گلی میں نکلے گھر سے باہر آؤ گے

صنعت گریاں صاحب بندہ دل کی لگی کب مٹ گئیں
ایک نہیں وہ سُننے کا تم باتیں بہت بناؤ گے

چاہ کیئے درویش ہوئے تو آب و خورش کی فکر نہیں
لوہو پیو گے اپنا ہر دم غم غصّہ ہی کھاؤ گے

رنگ محبّت کے ہیں کتنے کوئی تمہیں خوش آوے گا
خون کرو گے یا دل کو، یا داغ جگر پہ جلاؤ گے

رہتے ہیں مبہوتِ اُلفت ہیں گم گُشتہ کلفت ہیں
بھولے بھولے آپ ہی پھرو گے کس کو راہ بتاؤ گے

اشک تو پانی سے ہیں لیکن جلتے جلتے آویں گے
دل کی لگی حیران ہیں صاحب کس ڈھب ہل کے بجھاؤ گے

چاہت میرؔ سبھی کرتے ہیں رنج و تعب میں رہتے ہیں
تم جو ابھی بے تاب ہوا یسے جی سے ہاتھ اُٹھاؤ گے

---

اے میرؔ شعر کہنا کیا ہے کمال انساں
یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آ گیا ہے

---

کہو سو کر نہیے فراق اُس کا تو جی کو میرے کھپا گیا ہے
دروں میں آگ اک لگا گیا ہے بروں کو یکسر جلا گیا ہے

---

میرؔ اُٹھ بُت کدے سے کعبے گیا
کیا کرے جو خدا خراب کرے

---

حال رہا ہو ہم میں کچھ تو حال کسو سے کہا جاوے
آن رہی ہے آج دموں پر کل تک کیونکہ رہا جاوے

---

عشق کیا ہے جب سے ہم نے دل کو کوئی ملتا ہے
اشک کی سُرخی زردیٔ چہرہ کیا کیا رنگ بدلتا ہے
ضعفِ دماغی جس کو ہووے عشق کے رنج و محنت سے
جی بھی سنبھلتا ہے اُس کا پر بعد از دیر سنبھلتا ہے

---

کہہ صوفی چل مے خانے میں لُطف نہیں اب مسجد میں
ابر ہے باراں بادِ شرک رنگ بدن میں جھمکا ہے

---

میر جی کی بیماریٔ دل کو کب سے ہم سب سُنتے ہیں
پُوچھے کوئی مزاج کو اُس کے ان روزوں میں کیسا ہے

---

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے ضعف بھی ہے بیتابی ہے
سہل نہیں ہے جی کا ڈھنا کیسی خانہ خرابی ہے -
کس سے سبب میں پُوچھوں یارب اپنی سوزشِ سینہ کا
چھاتی جو جلتی رہتی ہے ات گت آگ یاں دابی ہے
دربدر دُرسوا و عاشق شاعر شاغل کاہل میر
گہہ کعبے میں دیر میں گاہے کیا کافر ہرجائی ہے

---

دل کی بات کہی نہیں جاتی چُپکے رہنا ٹھانا ہے
حال اگر ہے ایسا ہی تو جی سے جانا جانا ہے
دل جو رہے تو پاؤں کو بھی دامن میں ہم کھینچ رکھیں
صبح سے لے کر سانجھ تلک اودھر ہی آنا جانا ہے
سُرخ کبھو آنسو ہیں ہوتے زرد کبھو ہے مُنہ میرا
کیا کیا رنگ محبت کے ہیں یہ بھی ایک زمانہ ہے
آنکھوں کی یہ مردُم داری دل کو کسو دلبر سے ہے
طرزِ نگہ طراری ساری میرؔ تمہیں پہچانا ہے

---

کیا کیا ہم نے رنج اُٹھائے کیا کیا ہم بھی شکیبا تھے
دو دن جُوں تُوں جیتے رہے سو مرنے ہی کے مہیّا تھے
عشق کیا سو باتیں بنائیں یعنی شعر شعار ہوا
بیتیں جو وے مشہور ہوئیں تو شہروں شہروں رُسوا تھے
کیا پگڑی کو پھیر کے رکھتے کیا سر نیچے نہ ہوتا تھا
لُطف نہیں اب کیا کہیے کچھ آگے ہم بھی کیا کیا تھے
کیا ہوتا جو پاس اپنے لے میرؔ کبھو وے آجاتے
عاشق تھے درویش تھے آخر بےکس بھی تھے تنہا تھے

---

ایک پل بھی نہ اُس سے آنسو تھمے
روتے مجھ کو پہر پہر گزرے
سر کا جاتا ہی ہر قدم ہے میرؔ
کیا کوئی اُس کی راہ پہ گزرے

---

جب آنکھیں کھلی ہیں اپنی درد و رنج و غم دیکھے
ان ہی دیدۂ نم دیدوں سے کیا کیا ہم نے ستم دیکھے
سر جانے کی اور اپنے زنہار نگاہ نہ کی ہم نے
اُٹھ کے اندھا دُھند آئے چلے ہی اُس ظالم کے قدم دیکھے

---

کیا کوئی اُس گلی میں آوے میر
آوے تو لوہو میں نہا بھی جائے

---

دونوں طرف سے دیدہ درائی نہیں ہے خوب
اس چاہ کا ہے لُطف جو آپس میں ڈر رہے

---

عیب آدمی کا ہے جو رہے اُس دیار میں
مطلق جہاں نہ میر رواج ہُنر رہے

---

پھر اب چلو چمن میں کھلے غنچے رُک گئے
شاخوں سمیت پھول نہالوں کے جھک گئے
چندیں ہزار دیدۂ گُل رہ گئے کھلے
افسوس ہے چمن کی طرف تم نہ ٹک گئے

---

مجھ کو مارا بھلا کیا تُو نے　　پر وفا کا بُرا کیا تُو نے
حسرتیں اُس کی سر پٹکتی ہیں　　مرگِ فرہاد کیا کیا تُو نے
وہ جو کہنا تھا تُو ہی کہہ بو قتل
میر کا سو کہا کیا تُو نے

---

سوچے تھے کہ سودائے محبت میں ہے کچھ سود
اب دیکھتے ہیں اس میں تو جی ہی کا ضرر ہے

---

کیا کہیے کچھ بن نہیں آتی جنگل جنگل ہو آئے
چھاتہ میں جا کے پھولوں کی ہم عشق و جنوں کو رو آئے
دل کی تلاش میں اُٹھ گئے تھے شاید یاں پیدا ہو سو
جان کا اپنے گرامی گوہر اُس کی گلی میں کھو آئے
کچھ کہنے کا مقام نہ تھا وہ واہو نا تو کہتے کچھ
آنا نہ آنا یکساں تھا واں ہوتے اِدھر ہم گو آئے
سب کہتے تھے چین کرے گا کچھ بھی نہ دیکھا جز سختی
پتھر رکھ کے سرہانے ہم ٹک اُس کی گلی میں سو آئے
کیا ہی دامن گیر تھی یا رب خاکِ بسمل گاہ وفا
اُس ظالم کی تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آئے
سر دینا ٹھہرا کر ہم نے پاؤں کو باہر رکھا تھا
ہر سو ہو دشوار ہے پھر نا میرا اِدھر اب تو آئے

---

جوں ابرِ بے کسانہ رونے اُٹھے ہیں گھر سے
برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے
یہ عاشقی ہے کیسی ایسے جیو گے کب تک
ترکِ وفا کرو ہو مرنے کے میرؔ ڈر سے

---

بسانِ برق وہ جھمکے دکھاوے ... ولے دل شرط ہے جو تاب لاوے
پڑا اُٹر پا کیا ہیں دو پہر دن ... عجب کیا ہے جو پاس اپنے بلاوے
بتانِ دیر سے ایسی نہیں لاگ ... خدا ہی ہو تو کعبے میرؔ جاوے

---

اگر مسجد سے آوں میرؔ تو بھی لوگ کہتے ہیں
کہ مے خانے سے پھر دیکھو وہ شاہد باز آتا ہے

---

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے
آگے اُس متکبر کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں
کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے

عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہوگا دُنیا میں
جی کے زیاں کو عشق میں اُس کے اپنا وارا جانے ہے
چارہ گری بیماریٔ دل کی رسمِ شہرِ حُسن نہیں
ورنہ دلبرِ ناداں بھی اس درد کا چارا جانے ہے

مہر و وفا و لُطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں
اور تو سب کچھ طنز و کنایہ رمز و اشارا جانے ہے

---

عالم عالم عشق و جنوں ہے دُنیا دُنیا تہمت ہے
دریا دریا روتا ہوں میں صحرا صحرا وحشت ہے
ہائے غیوری جس کے دیکھے جی ہی نکلتا ہے اپنا
دیکھیے اُس کی اور نہیں پھر عشق کی یہ بھی غیرت ہے
صبح سے آنسو نومیدانہ جیسے وداعی آتا تھا
آج کسو خواہش کی شاید دل سے ہمارے رخصت ہے

---

یاری کرے جو چاہے کسو سے غم ہی غم یاری میں ہے
بے موقع یاں آہ و فغاں ہے بے اثری زاری میں ہے

---

دل بھی بھرا رہتا ہے میرا جی بھی رُندھا کچھ جاتا ہے
کیا جانوں میں روؤں گا کیا دریا چڑھتا آتا ہے
سچ ہے وہ جو کہا کرتا ہے کون ہے تو کیا سمجھے ہمیں
بیگانے تو ہیں ہی ہم وے ناتوں کا چاہ کا ناتا ہے
عشق و محبّت کیا جانوں میں لیکن اتنا جانوں ہوں
اندر ہی اندر سینے میں میرے دل کو کوئی کھاتا ہے
عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید میرؔ ہمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہم ہی سے شرماتا ہے

---

اُس مغرور کو کیا ہوتا ہے حالِ شکستہ دکھانے سے
جس کو شبہ ہو وے نہ ہرگز جی کے ہمارے جانے سے

رنج و عنا پر درد و بلا پر صبر کئے ہم بیٹھے ہیں
کلفت الفت جاتی رہی کیا جور و ستم کے اٹھائے سے

جھگڑا ناز و نیاز کا سن کر بے مزہ ہم سے تم تو ہوئے
میرؔ سخن کو طول نہ دو بس بات بڑھے ہے بڑھائے سے

---

گردش دنوں کی کم نہ ہوئی کچھ کڑے ہوئے
روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے

---

ظلم و ستم سب سہل ہیں اس کے ہم سے اٹھتے ہیں کہ نہیں
لوگ جو پرسش حال کریں ہیں جی تو انھوں نے کھایا ہے

---

درِ کعبہ پر کفر بکتا ہے میرؔ مسلماں نہیں وہ کہن گبر ہے

---

ظلم سہے ہیں داغ ہوئے ہیں رنج اٹھے ہیں درد کھنچے
اب وہ دل میں تاب نہیں جو لب تک آہِ سرد کھنچے

---

پر کے اسیرِ دام ہوئے تھے نکلے ٹوٹی شکن کی راہ
اب کے دیکھیں موسم گل کا کیسے کیسے شگوفے لائے

---

ہم پہ چشم و عتاب ہے سو ہے وہ ہی ناز و عتاب ہے سو ہے
زلفیں اس کی ہوا کریں برہم ہم کو بھی پیچ و تاب ہے سو ہے

شہر میں در بدر پھرے ہیں عزیز
میرؔ ذلت مآب ہے سو ہے

---

اس کج روش سے ملنا خرابات میں نہ تھا
بے طور ہم بھی جا کے ملے بے جگہ گئے
وہ یار تو نہ تھا نہ دل سے کسو کا میرؔ
ناچار اُس کے جور و ستم ہم بھی سہہ گئے

---

ہائے جدائی ایک ہی جا گہ مار کے ہم کو توڑ رکھا
وے دن یاد آتے ہیں اب جب اُن کے آنے جاتے تھے
چاہت روگ بُرا ہے جی کا میرؔ اس سے پرہیز بھلا
اگلے لوگ سُنا ہے ہم نے دل نہ کسو سے لگاتے تھے

---

چارہ گر اس شہر کے ہوں تو فکر کریں آبادی کا
یارب بستے تھے جو یاں وے لوگ کہاں بیچارے گئے

سارے عالم کے حواس خمسہ میں ہے انتشار
ایک ہم تم ہی نہیں معلوم ہوتے وہ دلے

---

میرؔ کی تیری کیا سُلجھے گی حرف و سخن میں گنجلک ہے
کوئی بھی عاقل اُلجھ پڑے ہے ناصح ایسے دِوانے سے

---

در پئے خون میرؔ کے نہ رہو　　ہو بھی جاتا ہے جُرم آدم سے

---

داد فریاد جا بجا کریے　　شاید اُس کے بھی دل میں جا کریے
وُہ نہیں سرگزشت سُنتا میرؔ　　یوں کہانی سی کیا کہا کریے

---

جو کوئی خستہ جگر عشق کا آزاری ہے
جی چُکا وہ کہ یہ بے طرح کی بیماری ہے
آنکھ مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اُس کی
یہ بھی اُس سادہ و پُرکار کی ہُشیاری ہے
واں سے جُز ناز و تبختر نہیں کچھ یاں سے تمیرؔ
عجز ہے دوستی ہے عشق ہے غم خواری ہے

---

درد و غم سے دل کبھو فرصت نہ پائے　　یہ صعوبت کب تلک کوئی اُٹھائے
زار رونا چشم کا کب دیکھئے　　دیکھیں ہیں لیکن خدا جو کچھ دکھائے
کب تلک چاکِ قفس سے جھانکیے　　برگِ گُل یاں بھی صبا کوئی تو لائے

---

اکثر پُوچھے ہے جیتے ہیں میرؔ
اب تو کچھ مہرباں بہت ہے

---

عشق ہمارا در پئے جاں ہے کیسی خصومت کرتا ہے
چین نہیں دیتا ہے ظالم جب تک عاشق مرتا ہے

---

بے قراری ہو کیوں نہ چاہت ہیں — ہم دگر کچھ قرار ہوتا ہے
کس کو پوچھے ہے کوئی دنیا ہیں — دیر یاں اعتبار ہوتا ہے

---

عشق بلا انگیز مفتن یہ تو کوئی قیامت ہے
جس سے پیار رکھے ہے کچھ یہ اُس کے سر پہ شامت ہے
موسم گل میں توبہ کی بھی واعظ کے ہیں کہنے سے
اب جو رنگ بہار کے دیکھے شرمندہ ہیں ندامت ہے
تو ہی کہہ انصاف صبا ٹک باغوں باغوں پھرے ہے تو
روئے گل اُس کا سو رو ہے سرو کا ایسا قامت ہے
چھوڑو اُس اوباش کا ملنا ورنہ سر کٹواؤ گے
چاہ رہو گے بہتیروں کو سر جو بہتر سلامت ہے

---

فریاد شب کی سن کے کہا بے دماغ ہو — دیکھو تو اس بلا کو یہ شاید کہ میر ہے

---

ان بلاؤں سے کب رہائی ہے — عشق ہے فقر ہے جدائی ہے
دیکھیے رفتہ رفتہ کیا ہو وے — ہم بھی چلنے کو ہیں کہ آئی ہے
اس صنائع کا اس بدائع کا — کچھ تعجب نہیں خدائی ہے
نہ تو جذبِ رسا نہ بخت رسا — کیونکہ کہیے کہ واں رسائی ہے
اور کچھ مشغلہ نہیں ہے ہمیں — گاہ وبے گہ غزل سرائی ہے
وہ نہ شرمائے کب تلک آخر — دوستی یاری آشنائی ہے
وے نہیں تو اُنہوں کا بھائی اور — عشق کرنے کی کیا منائی ہے

---

تیرے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے خُدا جانے تُو ہم کو کیا جانتا ہے
بلا شور انگیز ہے چال اُس کی اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے
جہاں میرؔ عاشق ہوا خوار ہی تھا یہ سودائی کب دل لگا جانتا ہے

زمانے کے اکثر ستم گار دیکھے وہی خوب طرزِ جفا جانتا ہے
نہ جانے جو بیگانہ تو بات پُوچھے سو مغرور کب آشنا جانتا ہے

---

## دیوانِ ششم

دم میں دم جب تلک تھا سوچ رہا سانس کے ساتھ سارے سانسے گئے
واں گئے کرتے وے خرامِ ناز یاں جواں کیسے کیسے جاں سے گئے

کچھ نہ کی اُن نے جس کو چاہا ہے جُوں جُوں اپنا کیا نبا ہا ہے
سُدھ خبر اپنے غم زدے کی لے صبح تک رات کو کراہا ہے

عشق میں ہم نے جانکنی کی ہے
کیا محبت نے دشمنی کی ہے

میرؔ کو ہے کیا جوانی میں صلاح
تب تو سارے مے کدے کا پیر ہے

زمیں اور ہے آسماں اور ہے　　تب آناً فاناً سماں اور ہے
نہ وے لوگ ہیں اب نہ اجماع وہ　　جہاں وہ نہیں یہ جہاں اور ہے
نہ ان لوگوں کی بات سمجھی گئی　　یہ خلق اور ان کی زباں اور ہے
ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میرؔ
زمین و زماں ہر زماں اور ہے

---

کہو تو کب تئیں یوں ساتھ تیرے پیار رہے
کہ دیکھا جب تجھے تب جی کو مار مار رہے
ہوس اسیروں کے ٹک دل کی نکلے کچھ شاید
کوئی دن اور اگر موسم بہار رہے
لیا تو جاوے بھلا نام منہ سے یار ہی کا
جو ہم ستم زدوں سے یار کچھ بھی یار رہے
وصال ہجر ٹھہر جاوے کچھ نہ کچھ آخر
جو بے قرار مرے دل کو بھی قرار رہے
نہ کریئے گریۂ بے اختیار ہر گز میرؔ
جو عشق کرتے ہیں دل پر کچھ اختیار رہے

---

برسے ہے عشق یاں تو دیوار اور در سے
روتا گیا ہے ہر اک جوں ابر میرے گھر سے
سر دے دے مارتے ہیں ہجراں ہیں میرؔ صاحب
یارب چھڑا تو ان کو چاہت کے دردسر سے

---

جب سے جہاں ہے تب سے خرابی یہی ہے میرؔ
تم دیکھ کر زمانے کو حیران کیا ہے

---

وہ اب ہوا ہے اتنا کہ جور و جفا کرے
افسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے

ہجرانِ یار ایک مصیبت ہے ہم نشیں
مرنے کے حال سے کوئی کب تک جیا کرے

رُکنے سے میرے رات کے سارا جہاں رُکا
آئے نسیمِ صبح کہ اک دم ہوا کرے

عارف ہے میرؔ اس سے ملا بیشتر کرو
شاید کہ وقتِ خاص میں تم کو دعا کرے

---

گُل نے بہت کہا کہ چمن سے نہ جائیے
گُل گشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے

میں بے دماغ کر کے تغافل چلا گیا
وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے

صحبت عجب طرح کی پڑی اتفاق ہائے
کھو بیٹھئے جو آپ کو تو اُس کو پائیے

رنجیدگی ہماری تو پر سہل ہے ولے
آزردہ دل کسو کو نہ اتنا ستائیے

خاطر ہی کے علاقے کی سب ہیں خرابیاں
اپنا ہو بس تو دل نہ کسو سے لگائیے

اے ہمدم ابتدا سے ہے آدم کشی میں عشق
طبع شریف اپنی نہ ایدھر کو لائیے
جانِ غیور پر ہے ستم سا ستم کہ میر
بگڑا جنہوں سے چاہیے اُن سے بنائیے

---

نامہربانی نے تو تمہاری کیا ہلاک
اب لگ چلیں گے اور کسی مہربان سے

---

کہو سو کریے علاج اپنا طبیب دردِ دل بلائے جاں ہے
نہ شب کو مہلت نہ دن کو فرصت دما دم آنکھوں سے خوں رواں ہے
تلاش دل کی جو دلبری سے ہمارے پاس آ نہیں رہے ہے
ستم رسیدہ شکستہ وہ دل گیا بھی خوں ہو کے یاں کہاں ہے

---

سرِ راہ چند انتظاری رہے — بھلا کب تلک بے قراری رہے
رہا ہی کیے آنسو پلکوں پہ شب — کہاں تک ستارہ شماری رہے
پھرا کرتے ہیں خوار گلیوں میں ہم — کہاں تک یہ بے اعتباری رہے

---

سودائی و رسوا و شکستہ دل و خستہ
اب لوگ ہمیں عشق میں کیا کیا نہ کہیں گے
دیکھے سو کہے کوئی نہیں جرم کسو کا
کہتے ہیں بجا لوگ بھی بے جا نہ کہیں گے

ہوں دربدر و خاک بسر چاک گریباں
اس طور سے کیونکر مجھے رُسوا نہ کہیں گے

موقوف غمِ میرؔ کہ شب ہو چکی ہمدم
کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے

---

اب نہ حسرت رہے گی مرنے تک — موسمِ گُل میں ہم اسیر ہوئے
شور جن کے سروں میں عشق کا تھا — دے جواں سارے پانے گیر ہوئے
بات کا ہم سے اُن کو کب ہے دماغ — میرؔ درویشی میں امیر ہوئے

---

شاید شراب خانے میں شب کو رہے تھے میرؔ
کھیلے تھا ایک مُغ بچہ مُہرِ نماز سے

---

کچھ تو نسبت ہے اُس کے بالوں سے — یوں ہی کیا حال میرؔ درہم ہے

---

جو لوگ آسماں نے یاں خاک کر اُڑائے
سب عبرتوں نے لے کر خاک اُن کی گھر بنائے

ہر اک صنم کدے کی کافر جگہ ہے ہم نے
قشقے بھی یاں کھنچائے زُنّار بھی بندھائے

---

اے خوشا حال اُس کا جس کا وے — حال عمداً تباہ کرتے تھے
کیا زمانہ تھا وہ جو گزرا میرؔ — ہم دگر لوگ چاہ کرتے تھے

---

اُس سخن رس سے اگر شب کی مُلاقات رہے
بات رہ جائے نہ یہ دن رہیں نے رات رہے
دھجیاں جامے کی کر دوں گا جنوں میں اب کے
گر گریباں دری کا کام مرے ہاتھ رہے

تنگ ہو میر جی بے طاقتیِ دل سے بہت
کیونکہ یہ ہاتھ تلے قبلۂ حاجات رہے

---

کیا پھر نظر چڑھا ہے لے میر کوئی خوش رُو
یہ زرد و زرد چہرہ تیرا اُتر رہا ہے

---

چرخ پر اپنا مدار دیکھئے کب تک رہے
ایسی طرح روزگار دیکھئے کب تک رہے
اُس سے تو عہد و قرار کچھ بھی نہیں درمیاں
دل ہے مرا بے قرار دیکھئے کب تک رہے
اس سرے سے اُس سرے داغ ہی ہیں صد رہیں
ان بھی گُلوں کی بہار دیکھئے کب تک رہے
روئے سُخن سب کا ہے میری غزل کی طرف
شعر ہے میرا شعار دیکھئے کب تک رہے
گیسو و رُخسارِ یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں
میر یہ لیل و نہار دیکھئے کب تک رہے

---

گئے ان قافلوں سے بھی اُٹھی گرد
ہماری خاک کیا جانیں کہاں ہے

---

ہم تر بہ بادہ جامۂ احرام کر چکے
مستی کی دہر میں قسم اقسام کر چکے

جامہ ہی وجہ مے ہیں ہمارا نہیں گیا
دستار و رخت سب گرو جام کر چکے

زنار پہنا سبحہ کے رشتے کے تار توڑ
ترکِ نماز و روزہ و اسلام کر چکے

جب کرنے بیٹھے مالا لیے پیش رُوئے بُت
کفر اختیار کرنے میں ابرام کر چکے

صندل کے قشقے دیکھ برہمن بچوں کے بیچ
عاشق ہوئے سو آپ کو بدنام کر چکے

واسوختہ ہو دیر سے کعبے کو پھر گئے
سو بار اضطراب سے پیغام کر چکے

شکر و گلہ صنم کدے کا حرف حرف میر
کعبے کے رہنے والوں کو ارقام کر چکے

---

عشق کیا کوئی اختیار کرے وہی جی مارے جس کو پیار کرے
غنچہ ہے سر پہ داغ سودا کا دیکھیں کب تک بہ گل بہار کرے
آنکھیں پتھرائیں چھائی پتھر ہے وہی جانے جو انتظار کرے

---

یہ راہِ دُورِ عشق نہیں ہوتی مہرطے
ہم صبح بھی چلے گئے ہیں شام بھی چلے

---

تم کو تو التفات نہیں حال زار پر      اب ہم ملیں گے اور کسو مہربان سے

---

## متفرقات

ناچار ہم تو تجھ بن جی مار کر رہیں گے
پر اس روش کو تیری یہ لوگ کیا کہیں گے

---

وے دن گئے کہ آٹھ پہر اُس کے پاس تھے
اب آ گئے تو دُور سے کچھ غم سُنا گئے

---

ہنس دے ہے دیکھتے ہی کیا خوب آدمی ہے
معشوق بھی ہمارا کیا خوب آدمی ہے

---

راہ آنسو کی کب تلک تکیئے      خونِ دل ہی کا اب مزا چکھیئے

---

کیا تجھ سے کہوں معاش اپنی
بارے گزرے ہے جیسے تیسے

---

خط و زلف و کاکل میں دل جا کے اُلجھا
نہ سمجھا یہ ناداں کہ ہندوستاں ہے

---

بے گی طلب شرطِ یاں کچھ تو کیا چاہیئے
بیٹھے نہیں بنتی میاں کچھ تو کیا چاہیئے
عشق میں لے ہم رہاں کچھ تو کیا چاہیئے
گریۂ و شور و فغاں کچھ تو کیا چاہیئے

میں جو کہا تنگ ہوں مار مروں کیا کروں
وہ بھی لگا کہنے ہاں کچھ تو کیا چاہیئے
سون کیسے رہنے کی کس نے بدی ہے بھلا
لُطف و غضب مہرباں کچھ تو کیا چاہیئے

کیا کروں دل خوں کروں شعر ہی موزوں کروں
چلتی ہے اب تک زباں کچھ تو کیا چاہیئے
یہ تو نہیں دوستی ہم سے جو تم کو رہی
پاسِ دلِ دوستاں کچھ تو کیا چاہیئے

میرؔ نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے
نامِ خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیئے

---

# رُباعیات

بُت خانے سے دل اپنے اُٹھائے نہ گئے
کعبے کی طرف مزاج لائے نہ گئے
طورِ مسجد کو برہمن کیا جانے
یاں مدّتِ عمر میں ہم آئے نہ گئے

---

چُپکا چُپکا پھرا نہ کر تو غم سے
کیا حرف و سخن عیب ہے کچھ محرم سے
آخر کو رُکے رہتے جنوں ہونا ہے
اے میرؔ کوئی بات کیا کر ہم سے

---

اے میرؔ کہاں دل کو لگایا تُو نے
شکل اپنی بگاڑ کر کُڑھایا تُو نے
جی ہیں نہ ترے حال نہ مُنہ پر کچھ رنگ
اپنا یہ حال کیا بنایا تُو نے

---

سُن سوزِ دروں کو اس کے جلنے بُھننے
ہر حرف پہ افسوس سے سر کو دُھننے
کیا کیا اب سانجھ سے کہے گا عالم
آؤ ٹک میرؔ کی کہانی سُننے

---

ہم میرؔ سے کہتے ہیں نہ تو رویا کر
ہنس کھیل کے ٹک چین سے بھی سویا کر
پایا نہیں جانے کا وہ دُرِ نایاب
کُڑھ کُڑھ کے عبث جان کو مت کھویا کر

---

وصف اپنے دلوں کے کس سے کہیئے سارے
اُس شوخ کی نمکیں نے تو جی ہی مارے
بالوں میں چھپا مُنہ نہ کبھو یوں پُوچھا
کہہ میر گئی ہے رات کیونکر بارے

---

ہم سے تو بُتوں کی وہ حیا کی باتیں
وہ طرزِ کلام اِس ادا کی باتیں
دیکھیں قرآں میں فال غیروں کے لئے
کیا ان سے کہیں یہ ہیں خُدا کی باتیں

---

دل خون ہوا ضبط ہی کرتے کرتے
ہم ہو ہی چکے دُکھوں کے بھرتے بھرتے
اے مایۂ زندگی ستم ہے یہ اگر
پھر آنکھ تجھے دیکھیں نہ مرتے مرتے

---

میر اُس سے ملے کہ جو ملا بھی نہ کبھو
جی یوں ہی گیا وہ آ پھرا بھی نہ کبھو
چُپ جس کے لئے لگ گئی ایسی ان کو
اُن نے تو کچھ زیرِ لب کہا بھی نہ کبھو

---

تم تو اے مہرباں انوٹھے نکلے
جب آن کے پاس بیٹھے روٹھے نکلے
کیا کہیے وفا ایک بھی وعدہ نہ کیا
سچ یہ ہے کہ تم بہت ہی جھوٹے نکلے

---

کیا کیا اے عاشقی ستایا تُو نے | کیسا کیسا ہمیں کھپایا تُو نے
اوّل کے سلوک میں کہیں کا نہ رکھا | آخر کو ٹھکانے ہی لگایا تُو نے

---

کیا میر نا کور کریں سب ہے جہل
پایا ہم نے اُسے نہایت ہی سہل
البسوں سے نہیں مزاج اپنا مانوس
وحشی بے طور بدزباں و نا اہل

---

ملیے اُس شخص سے جو آدم ہووے
ناز اُس کو کمال پر بہت کم ہووے
ہو گرمِ سخن تو گرد آوے یک خلق
خاموش رہے تو ایک عالم ہووے

---

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے | خوں نابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مُہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر | مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

---

ہیں گو کہ سبھی تمہاری پیاری باتیں
پر جی سے نہ جائیں گی تمہاری باتیں
آنکھیں ہیں ادھر روئے سخن اور طرف
یاروں کی نظر میں ہیں یہ ساری باتیں

---

ایسا نہ ہوا کہ ہم نے شادی کی ہو یا سیر بہار و باغ و وادی کی ہو
پژمردہ کلی کے رنگ اس گلشن میں غالب ہے یہی کہ نامرادی کی ہو

---

اتنے بھی نہ ہم خراب ہوتے رہتے کاہے کو غم و الم سے روتے رہتے
سب خواب عدم سے چونکنے کے ہیں وبال بہتر تھا یہی کہ وہیں سوتے رہتے

---

ہر روز نیا ایک تماشا دیکھا ہر کوچے میں سو جوانِ رعنا دیکھا
دلّی تھی طلسمات کہ ہر جاگہ میرؔ
ان آنکھوں سے ہم نے آہ کیا کیا دیکھا

---

تا چند تلطف میرؔ حیا سے ہوگا شائستۂ صد ستم وفا سے ہوگا
کر ترکِ ملاقاتِ بتاں کعبے چل ان سے ہوگا سواب خدا سے ہوگا

---

جس وقت شروع یہ حکایت ہوگی رنجیدگی یک دگر نہایت ہوگی
احوالِ وفا کا اپنے ہرگز مجھ سے
مت پوچھ کہ کہنے میں شکایت ہوگی

---

پھر عشق میں میر پاؤں دھوتا ہے گا
جی اور منغّض اپنا کرتا ہے گا
سب مل کے چلو بلا سے سمجھا آویں
افسوس کہ وہ جوان مرتا ہے گا

---

چُپکے رہنا نہ میر دل میں ٹھانو
بولو چالو کہا ہمارا مانو
اک حرف نہ کہہ سکو گے وقتِ رفتن
چلنے کو زبان کے غنیمت جانو

---

کوچے میں ترے آن کے اڑ بھی بیٹھے
بے ہیچ ہر اک بات پہ لڑ بھی بیٹھے
حاصل کہ ہمارے تیرے ہرگز نہ بنی
سو سو طرحوں سے ہم بگڑ بھی بیٹھے

---

رنجش کی کوئی اُس کی روایت نہ سُنی
بے صرفہ کسو وقت حکایت نہ سُنی
تھا میر عجب فقیر صابر شاکر
ہم نے اُس سے کبھو شکایت نہ سُنی

---

دلّی میں بہت سخت کی اب کی گذران
دل کو کر سنگ
غیرت نہ رہی عافیت کار نہ شان
کھینچا یہ ننگ
یاروں میں نہ تھا کوئی مروّت جو کرے
اُجڑے تھے گھر
ناچارِ نظر صاف پڑے تھے میدان
عرصہ تھا تنگ

ٹک میر زمانے سے نہ کر قال مقال
بس اب چُپ رہ
ہر چند خموشی ہے سخن گو کو وبال
ایذا ہی سہہ
ایسا نہیں یہ قصہ کہ کاہش افزا
جو ہو آخر
اُٹھ سو نہیں ہو چکا ہے پچھلوں کا حال
آگے مت کہہ

---

# واسوخت

طرزاے رشکِ چمن اب تری کچھ نازی ہے
سازِ غیروں کے مرے حق میں سخن سازی ہے
داغ رکھنے کو مرے اُن ہی سے گُل بازی ہے
ہم دمی اُن سے اُنھیں سب سے ہم آوازی ہے
گوش کر پھرے بھی شکوے کی طرف گل کے رنگ
رُکنے رُکتے روشِ غنچہ ہوا ہوں دل تنگ

ایک مدّت ہوئی بدنامی و رسوائی ہے
بے کسی بے دلی درویشی و تنہائی ہے
صبح جب دی ہے دُعا گالی تری کھائی ہے
ابتدا سے مری ذلّت تجھے خوش آئی ہے
خلق کیا کیا تری بے طوریوں سے کہتی نہیں
میں بھی ناچار ہوں اب مُنہ میں زباں رہتی نہیں

بس جو صحبت میں بیٹھا تو رُکے جو تو ہو
آنکھیں ابد ھرے جو موندو ہو سو کم کھولو ہو
نام لیتے ہو کراہت سے مرا جو لو ہو
لگ چلے غیر تو تابع اسی کے ہو لو ہو
روئے حرف اُس کی طرف چشمِ حمایت اُودھر
ابروؤ اودھر کو جھکے لُطف و عنایت اُودھر

پیار تجھ کو نہ کیا کرتے اگر جانتے ہم
کاش کہ تیری روش پہلے ہی پہچانتے ہم
جھوٹے جھوٹے ترے وعدے نہ کبھو مانتے ہم
جی ہیں اب ٹھانی ہے جو کچھ سو نبھی ٹھانتے ہم

اس قدر تجھ سے نہ لگ چلتے نہ آنتے اس راہ
تو پری ہوتا تو کرتے نہ تری اور نگاہ

ترک اخلاص کیا سب سے تجھے پیار کیا
رحم دل پر نہ کیا جان کو آزار کیا
چاہ سے اپنی عبث تجھ کو خبردار کیا
کیا کیا ہم نے کہ اس معنی کا اظہار کیا

جو کہ الفاظ نہ شایاں تھے سو تو کہنے لگا
وجہ بے وجہ تو روپوش ہی اب رہنے لگا

اور مہ پارہ بھی اس شہر میں مشہور ہے اب
اُس کی محبوبی و خوبی ہی کا مذکور ہے اب
دیکھنا کچھ ہو اسی کا مجھے منظور ہے اب
صرف اُس پر کروں گا اپنا جو مقدور ہے اب

اُس کنے ضد سے تری شام و سحر جاؤں گا
گھر سے جس دم اُٹھوں کا اُس کے ہی گھر جاؤں گا

وہ بھی سُن شورِ وفا مجھ سے ملا چاہے ہے
مختلط لطف و عنایت سے ہوا چاہے ہے
کوئی دن راتوں کو مجھ پاس رہا چاہے ہے

کام دل لوں ہوں اُسی سے جو خُدا چاہے ہے
باؤ کا رُخ تجھے بتلاؤں دم اُس مہ کا بھروں
خط تری بندگی کا کاغذِ باد اُس کا کروں

فنِ معشوق میں تیّار کروں گا اُس کو
شانہ و آئینہ سے یار کروں گا اُس کو
حُسن سے اُس کے خبردار کروں گا اُس کو
ضد سے میں تیری بہت پیار کروں گا اُس کو

فرشِ رہ دیدۂ نمناک کروں گا واں کے
پلکوں سے خار و خسک پاک کروں گا واں کے

ہو گیا مجھ سے جو مانوس تو مرزا ہو گا
پوششِ ننگ کا مصروف مہیّا ہو گا
گھبر جاوے کا نہ سو گز سے کم اُس کا ہو گا
لپٹے بندوں کا برو دوش پہ پچھا ہو گا

چلتے دامن کے تئیں لگتی رہے گی ٹھوکر
ہو گا ہنگامہ اُدھر نکلے گا جیدھر ہو کر

کس و ناکس اسی مہ پارے کا مفتوں ہو گا
ایسی سج سے تو اُسے دیکھ کے محزوں ہو گا
رشک سے اُس کے ترا حال دگر گوں ہو گا
دلِ نازک ترا دھڑکے گا جگر خوں ہو گا

شرم سے ہو گا نہ اک آنکھ اُٹھانا مُشکل
بلکہ ہو جاوے گا اس کوچے میں آنا مُشکل

اب بھی گر سمجھے تو مجھ کو ہے وہی تجھ سے پیار
چھیڑ کا ننگ نہیں تیری نہ گالی کا ہے عار
وہی مخلص ہوں قدیمی وہی میں تیرا یار
بندگی کیش وفا شیوہ و اخلاص شعار

چوٹ مجھ کو بھی تو غیروں کی ملاقات کی ہے
چھوڑے یہ تو تو پھر آزردگی کس بات کی ہے

بس ہوس کیشوں سے مل مل کے تو بدنام ہوا
بس کہ رانوں کو رہا شہرۂ ایام ہوا
کاسہ لیسوں کے گھیے مرتکبِ جام ہوا
شوخ و شنتاقی و بد وضع و مے آشام ہوا

طور پر میرے معیشت کوئی دن اچھی ہے
ایسے بدکار سے صحبت کوئی دن اچھی ہے

آ اگر غیر کے ملنے کی قسم کھاتا ہے
میرے بھی حرفِ درشتانہ سے شرماتا ہے
ذوق ویسا ہی ہے اس کا تو اُسے بھاتا ہے
دل کی واسوز سے منہ پر یہ سخن لاتا ہے

ورنہ مشتاق ہے سوجی سے جگر خستہ ترا
کشتۂ و مُردہ ترا رفتۂ و دل بستہ ترا

---

# دیگر

یادِ ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی
سُرمہ و آئینہ کی اور نظر تجھ کو نہ تھی
فکرِ آراستگیٔ شام و سحر تجھ کو نہ تھی
زُلفِ آشفتہ کی سُدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی
شانہ تھا نابلدِ کوچۂ گیسو تیرا
آئینہ کاہے کو تھا حیرتیِ رُو تیرا

آگہی حُسن سے اپنے تجھے زنہار نہ تھی
اپنی مستی سے تری آنکھ خبردار نہ تھی
پاؤں بے ڈول نہ پڑتا تھا یہ رفتار نہ تھی
ہر دم اِس طور کمر میں ترے تلوار نہ تھی
خون یوں کاہے کو کوچے میں ترے ہوتے تھے
دل زدے کب تری دیواروں تلے روتے تھے

بند جامے کا جو وا ہوتا تھا وا رہتا تھا
بے تکلف مرے گھر رات کو آ رہتا تھا
تھوڑی رنجش میں گلے ہی سے لگا رہتا تھا
ٹک جُدا رہتے تو دیر آنکھ لڑا رہتا تھا
اس قدر قدر نہ تھی اپنی تری آنکھوں میں
لعب و بازی میں بھی رہتا تھا مری آنکھوں میں

تنگ پوشی سے نہ محفوظ تمہیں پاتے تھے
تنگ جامے جو سینے جاتے تو گھبراتے تھے
مسکی چولی سے نہ تم در پہ کبھو آتے تھے
چلتے دامن سے الٹ گھر ہی میں پھر جاتے تھے
یا تو اب کہنی پھٹی مونڈھے چُسے رہتے ہیں
باہر اندر ہو کہیں بند کسے رہتے ہیں

یا تو ہم ہی تھے کہ اب ہم سے نہیں کچھ یاری
مفت برباد گئی عزت و حرمت ساری
بارِ خاطر ہے اب ہم کو بھی ہے بے زاری
یعنی اس شہر سے اٹھ جانے کی ہے تیاری
رتبۂ غیر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا
طاقت اب یہ دلِ بیتاب نہیں تک لاتا

کوئی نادیدہ محب سادہ لگا لیں گے ہم
سادہ نا محتسب بادہ لگا لیں گے ہم
بوسِ آغوش کا آمادہ لگا لیں گے ہم
بند خود رائی سے آزادہ لگا لیں گے ہم
اس کو آغوشِ تمنا میں اب اپنی لیں گے
اس سے دادِ دلِ ناکام سب اپنی لیں گے

اس کی کھینچیں گے علی الرغم ترے مرزائی
اس کو سکھلائیں گے طرز و روشِ رعنائی
مجلسوں میں اسے لا دیں گے بصد زیبائی

صحبت اے دشمنِ جاں اُس سے اگر بر آئی
تو تجھے دیکھیو کس طور کُڑھاتے ہیں ہم
چھیڑیں کیا رکھتے ہیں کس ڈھب سے ستاتے ہیں ہم

زندگانی ہو تجھے ہاتھ سے اُس کے دشوار
کوئی دن تو بھی پھرے جان سے اپنی بیزار
پہنچیں ہر آن میں اُس سے تجھے سو سو آزار
طنز و تعریض کنائے کی رہے اک بوچھاڑ
جا کے ٹک سامنے اُس کے تو بہت نڑ آوے
عرقِ شرم میں ڈوبا ہوا سب گھر آوے

دلِ واسوختہ کو اپنے لئے جاتے ہیں
غصّے سے خونِ جگر اپنا پئے جاتے ہیں
اپنی جا غیروں کو ناچار دیئے جاتے ہیں
اب کے یوں جاتے نہیں عہد کئے جاتے ہیں
آوے گا تو بھی منانے کو نہ آویں گے ہم
جان سے جاویں گے پیماں سے نہ جاویں گے ہم

میر اعراض بھی لوگوں نے کیا ہے آگے
دل کے واسوز سے لوہو بھی پیا ہے آگے
خلقِ عالم سے کنارہ بھی کیا ہے آگے
عزّت و وقر بھی برباد دیا ہے آگے
پر کنھوں نے نہیں اس ڈھب سے زباں بازی کی
یہ بھی ظالم ہے کوئی طرز سخن سازی کی

# دیگر

ایک دن وے تھے کہ تم کو نہ فریب آتے تھے
ادنی سونی بھی مرے آگے اُٹھا جاتے تھے
مدعی کا ہے کو مجلس میں جگہ پاتے تھے
چھُوتے تھے پاؤں تو پھر سر میں وہیں کھاتے تھے
یا تو اب شام و سحر پاس لگے رہتے ہیں
کر کے سرگوشی جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں

تم کو بھی آٹھ پہر حرف و حکایت اُن سے
بازو جانو ہو اُنہیں چشمِ عنایت اُن سے
شکر اُن کا ہے جو ہے بھی تو شکایت اُن سے
ہر طرح کوئی چلی جا ہے رعایت اُن سے
ہاتھ کاندھے پہ کبھو رکھ کے کھڑے ہوتے ہو
کبھی منت کرو ہو ٹک جو کڑے ہوتے ہو

وے جو آزردہ ہوں ٹک بھی تو منانے جاؤ
مکث کر بیٹھ رہیں گھر تو بلانے جاؤ
الغرض کر کے اُدھر سو سو بہانے جاؤ
اُن کو دریا پہ جو سن پاؤ نہانے جاؤ
ہم اگر خاک ملیں مُنہ پہ نہ بولو چالو
ہم اگر لوہو لگیں رونے تو ہنس کر ٹالو

ایسے اوباشوں کی تقلید میں کب تھی تنگ و دو
تنگ چولی کے نہ رہتا تھا کبھی اتنا گرو
پاٹ دامن کے نہ ہوتے تھے ترے ساڑھے سو
اب تو ہے قہر جو ڈھیلی ہو کمر ایک بھی جو
درزی کا بنا ہی کرے ٹھیک نہ جب تنگ سی لے
کاڑھے ناکے میں سوئی کے کرے ٹانکے ڈھیلے

بال واں سنوریں ترے یاں مجھے جی ہے جنجال
میں ملوں خاک میں منظور تجھے اپنی چال
ہو جگر داغ مرا منہ پہ بنے تیرے خال
مہندی پاؤں سے لگے گھل کے رہوں میں پامال
سُرمہ آنکھوں میں جگہ تیری کرے شام و سحر
مُطلق احوال مرا تجھ کو نہ ہو مدِّ نظر

تھیں فریب اگلی نگاہیں وہ تمہاری بارے
دامن و جیب پھٹے یاد ہیں اُن کی سارے
شوق کے ہاتھ شب و روز سروں پر مارے
چھاتیاں کوٹتے ہی کوٹتے آخر ہارے
روئے اتنا کہ جگر میں نہ رہی لوہو کی بُوند
اب سماں وہ ہے کہ دیکھو گے میاں آنکھیں مُوند

تنگ اب حد سے زیادہ ہوئے ہیں یاد رہے
بس بہت ہی ترے اطوار سے ناشاد رہے
کب تک اس طور کوئی اے ستم ایجاد رہے

دن کو بے داد رہے رات کو فریاد رہے

ہے قریب اب کہ ترے کوچے سے اُٹھ کر جاویں

بے حمیت ہی ہمیں کہیو اگر پھر آویں

ایک طرف مر رہیں گے جا کے بھلا کیا کریئے

ہر زماں ہر کسو سے حال کہا کیا کریئے

سر گریبان میں یوں ڈال رہا کیا کریئے

میرؔ کے طور ترا شکوہ لکھا کیا کریئے

جی نہ نکلا اگر اس میں تو کڑھا کریئے گا

مرثیہ اپنا کہیں بیٹھے کہا کریئے گا

# ہجویات

## ہجو اکول

اک ہے پُر خور آشنا بے پیر / سینہ سوراخ جس سے ہے کف گیر
صدمنی دیگ ہے شکم اُس کا / نفس اژدہا ہے دم اُس کا
آنت شیطان کی ہے اُس کی آنت / دانت اُس کا ہے ہاتھی کا سا دانت
شکل مت پوچھ کھانے کا ہے بلی / مُنہ ہے چیپوں سے جیسے روٹی جلی
گال کلچے سے پھر توے سے سیاہ / کاسۂ سر ہے جیسے اوندھا کڑاہ
نوند کانی جو کھول جائے لپٹ / آہنیں ہے تنور اُس کا پیٹ
راہ مطبخ میں پاوے ہے جو کبھی / چاٹ جاتا ہے دیگچوں تک بھی
کھینچے باورچیوں کے کہا کیا ناز / کتری گئی اُس کے جوتوں پر پیاز
کھانا نکلے پر آوے ہے کیسے / چیل ڈوٹے ہے گوشت پر جیسے
خام طمعی سے اک کرے ہے آہ / دیکھ کر شب کو نانِ ہالۂ ماہ
کھلنے پر جب وہ جی چلاتا ہے / لاٹھی پاٹھی بھی کھائے جاتا ہے
نہیں پہنچے جو کھانا کھانے لگ / ہڈیوں پر لڑے ہے جیسے سگ
بھوک کا باؤلا جو آتا ہے / لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے
ٹھنڈیوں کو نگہ سے کھا جاوے / چنے لوہے کے بھی چبا جاوے
دہر کا جلنا آگ سے مانوں / بھوک اُس کی جلے تو میں جانوں
کیا کہا کیا جینے کی کہیئے چکھنا ہے / لیک پیٹ اُس کو بارے رکھنا ہے

جب مرے گا وہ بھوک کا روگی
رُوح توشے کی روٹی میں ہوگی
کھانے کی بُو جو ناک میں پیٹھے
مر گیا ہووے تو بھی اُٹھ بیٹھے
عقل باور اگرچہ کرتی نہیں
وہ مرے بھُوک اُس کی مرتی نہیں
بھوکے اُس کا جو دم نکل جاوے
گور میں بھی کفن نکل جاوے

---

## در بیان مُرغ بازاں

دلّی سے ہم جو لکھنؤ آئے
گرم پر خاش مُرغ باز پائے
آدمی جو بڑے کہاتے ہیں
مُرغ مارے بغل میں آتے ہیں
جیسے منگل کو بالی کی ہے دھوم
گلیوں میں روزِ حشر کا ہے ہجوم
مُرغ بازوں کو ہے قیامت جوش
جس کو دیکھو تو مُرغ در آغوش
مُرغ لڑتے ہیں ایک دو لاتیں
سینکڑوں ان سفیہوں کی باتیں
اُن نے پر جھاڑ یہ بھڑکنے لگے
اُن نے کی نوک یہ کڑکنے لگے
وہ جو سیدھا ہوا تو یہ ہیں کج
ساتھ اُس کے بدلتے ہیں سج دھج
مُرغ کی ایک پر فشانی ہے
ان کی صد رنگ بد زبانی ہے
ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ
ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ
جُھکتے ہیں آپ کو تراتے ہیں
لاتیں گویا کہ یہ ہی کھاتے ہیں
ایک کے مُنہ میں مُرغ کی منقار
ایک کے لب پہ ناسزا گفتار
مُنہ پہ آیا جو کچھ وہ بکنے لگے
تیکھی نظروں سے سب کو تکنے لگے
طرفہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے
بعد نصف النہار رخصت ہے
کھانچے سر پر بغل میں مارے مُرغ
لے گئے جیتے ہارے سارے مُرغ

---

# ہجوِ لشکر

جس کسو کو خدا کرے گمراہ
آوے لشکر میں رکھ اُمیدِ رفاہ
یاں نہ کوئی وزیر ہے نے شاہ
جس کو دیکھو سو ہے بحالِ تباہ
طرفہ مردم ہوئے اکٹھے آہ

فوج میں جس کو دیکھو سو ہے اُداس
بھُوک سے عقل گم نہیں ہیں حواس
بیچ کھایا ہے سب نے سازولباس
چیتھڑوں بن نہیں کسو کے پاس
یعنی حاضر براق ہیں گے سپاہ

مفلسی سے رہا ہے کس میں حال
خورش و خواب ہیں گے خواب وخیال
چار دن عمر کے ہوئے ہیں وبال
زندگی اپنے طور پر ہے محال
مرگ ملتی نہیں ہے خاطر خواہ

# ہجو خانۂ خود

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال
اس خرابے میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسفِ جاں ہے

کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

کیا تھمے مینہ سقف چھلنی تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام

اس چکش کا علاج کیا کہیے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے

جا نہیں بیٹھنے کو مینہ کے بیچ
ہے چکش سے تمام ایواں کیچ

آنکھیں بھر لا کے یہ کہیں ہیں سب
کیونکہ پروار ہے گا یارب اب

جھاڑ باندھا ہے مینہ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے بات

باڑیں کانپتی ہیں جو تھر تھر
اُن پہ ردا رکھے کوئی کیونکر

کیچ لے لے کے جُوں تُوں چھوپا ہے
چھوپا کاہے کو بلکہ تھوپا ہے

تس کو پھر پرچھتی بھی ہے نہیں
ٹوٹا اک بُوریا سا ڈالو کہیں

ڈھانکو دیوار یا اُٹھا رکھو
یا ہمارے لئے بچھا رکھو

ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سو شکستہ تر از دلِ عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک

کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے

کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا

کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے

کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں

اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے

رکھ کے دیوار ادھر ادھر سے
لا کے یارب بناؤں کس گھر سے

چارپائی جب اُس میں بچھوائی
پہلے چلپاسہ ہی نظر آئی

سام ابرص کہ ہے دو لئے خراج
ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج

پیکر اپنی خدا لئے رکھی ہے
ڈانس ایک ایک جیسے مکھی ہے

آگے اُس حجرے کے ہے اک ایوان
وہی اس تنگ خلق کا ہے مکاں

کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ
اُس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ

کبھی کوئی سنپولیا ہے پھرے
کبھی چھت سے ہزار پائے گرے

کوئی تختہ یہاں سے ٹوٹا ہے
کوئی واسا کہیں سے چھوٹا ہے

دبلے مرنا ہمیشہ مدِ نظر
گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر

مٹی تو وہ جو ڈالی چھت پر ہم
تختے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم

مضطرب ہو گئے جو بچھائی بہت
ہر کڑی نے کڑی اُٹھائی بہت

برسے اس بیٹھ میں گرخستی ہے
تختے تختا ہوئے یہ سختی ہے

کہیں اڑواڑ ہیں پھر جو حد سے زیاد
چل ستوں سے مکان وہ ہے یاد

اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر

کنگنی دیوار کی ہینٹ بے حال
پڑری کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال

طوطا مینا تو ایک بابت ہے
پودنا پھدکے تو قیامت ہے

کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار
تھرتھراوے جھنجھری سی دیوار

مٹی اُس کی کہیں کہیں بھسکی
جی ڈھا اور چھائی بھی ڈھسکی

سان کر خاک لگ گئے دو چار
بارے جلدی درست کی دیوار

اچھے ہوں گے کھنڈر بھی اس گھر سے
برسے ہے اک خرابی گھر در سے

گھر کبھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور
ہے خرابی سے شہر میں مشہور

جس سے پوچھو اسے بتا دے شتاب
ساری بستی میں ہے یہی تو خراب

ایک چھپر ہے شہرہ وقتی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا

بانس کی جا دیے تھے سرکنڈے
سو دے بیٹھوں ہیں سب ہوئی ٹھنڈے

گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب
پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب

مینھ میں کیوں نہ بھیگئے یکسر
پھونس تو بھی نہیں ہے چھپر پر

مٹی ہو کر گرا ہے سب والا
رہ رہے ہاں جو ہووے ڈھب والا

واں یہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا

حال کس کو ہے اوتی کا یاد
گمری اس جھگڑے میں گئی برباد

کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالا
کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا

ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئی لڑاؤں فند کر دوں

بس کہ بد رنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی

کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے ہے یہ کہ میلا ہوں

مجھ سے کیا واقعی ہوا چارا
آسماں جو پھٹے تو کیا چارا

بان جھینگر تمام چاٹ گئے
بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے

تنکے جاندار ہیں جو بیش و کم
ان پہ چڑیوں کو جنگ ہے باہم

ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور
ایک منگری پہ کر رہی ہے شور

کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی
چارپائی ہمیشہ سر پہ رہی

بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو
کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو

ڈیوڑھی کی یہ خوبی در ایسا
چھپر اس چونچلے کا گھر ایسا

جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ

کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روزِ سیاہ لاتا ہوں

کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے

ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
ایک انگوٹھا دکھا دے انگلی پر

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے بل مارا

ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں
ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں

ہاتھ تکیے پہ گہہ بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر

سلسلا یا جو پائینتی کی اور
وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور

توشک اندر گرگوں ہی میں سب پھاٹی
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
ساری کھاٹوں کی چولیں نکلی ندان

نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو
پائے پٹی لگانے کونے کو

جب نہ تب پنڈے پر لئے پالے
سیتلا کے سے دانے مرجھائے

سو یہ تنہا نہ بان میں کھٹمل
آنکھ منہ ناک کان میں کھٹمل

کہیں بھڑکا کہ جی سے تاب گئی
آنکھ سے ناگاہ خواب گئی

ایک ہتیلی پہ ایک گھائی میں
سینکڑوں ایک چارپائی میں

پر جو بارش ہوئی تو آخر کار
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار

آہ کھینچی خرابی کیا کیا نہ
تھے جو ہمسائے وے ہیں ہم خانہ

ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے
جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے

دو طرف سے نخاکنوں کا رستا
کاش جنگل میں جا کے میں بستا

ہو گھڑی دو گھڑی تو دھنکاروں
ایک دو کُتّے ہوں تو میں ماروں

چار جاتے ہیں ، چار آتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں

کِس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتّوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

کوٹھا بُوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا
پانی جز جز میں اُس کے بیٹھ گیا

کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا

میں تو حیران کار تھا اپنا
کوئی اُس دم نہ یار تھا اپنا

اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یکسر
خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر

چرخ کی کجروی نے پیسا تھا
پر خُدا میرا مجھ سے سیدھا تھا

کتنے اک لوگ اس طرف دھائے
یا ملک آسمان سے آئے

مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں
کام نے شکل پکڑی باتوں میں

صورت اُس لڑکے کی نظر آئی
ہم جو مُردے تھے جان سی پائی

آنکھ کھولی اِدھر اُدھر دیکھا
اس خرابی کو بھر نظر دیکھا

قدرتِ حق دکھائی دی آکر
یعنی نکلا دُرست وہ گوہر

داشت کی کوٹھری میں لا رکھا
گھر کا غم طاق پر اُٹھا رکھا

مومیائی کھلائی کچھ ہلدی
فرصت اُس کو خدا نے دی جلدی

غم ہوا اس کے دوستداروں کو
پر بندھا یہ خیال یاروں کو

کہ مری بود و باش یاں نہ رہے
گو تصرف میں یہ مکاں نہ رہے

شہر میں جا بہم نہ پہونچی کہیں
چار نا چار پھر رہا میں وہیں

اب وہی گھر ہے بے سر و سایہ
اور میں ہوں وہی فرومایہ

دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس
خوابِ راحت ہی یاں سے سو سو کوس

قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا     گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

---

## مثنوی ہجو خانۂ خود کہ بہ سبب شدّتِ باراں خراب شدہ بود

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے     اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے

ظلمتیں اُس کی سب پہ روشن ہیں     زندہ در گور ہم کئی تن ہیں

اب جو آیا ہے موسمِ برسات     دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات

صحن میں آب نیزہ بالا ہے     کوچۂ موج ہے کہ نالا ہے

بیٹھ میں گھر کے پانچ چھ چھپّر     ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر

بر فلک تنکے تھے کچھ ایک سنے     سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے

دل ہے کچھ مکڑیوں کا احساں مند     کہ جنھوں نے کئے ہیں جھانکے بند

پھوس کچھ ہے کہیں سو آٹا ہے     بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے

کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو     باندھتا ہوں مچان رہنے کو

ٹھیکے دینے کو جا اڑے ہیں ہم     سر پہ ٹھٹر لئے کھڑے ہیں ہم

ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے     بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے

ناگلے سب کھڑے ہیں پانی میں     خاک ہے ایسی زندگانی میں

اب تو اپنا بھی حال ہے بدتر     سر پہ گٹھری ہے نے یہ ہے چھپر

بیٹھ بیجار گئی جو ٹوٹ پڑا     کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا

واسے پایان کار ٹوٹ گئے     طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ گئے

یوں دھنسا گھر کہ بارِ خاطر تھا     آہ کس کا غبارِ خاطر تھا

اُکھڑی دہلیز سب منڈیر گری     لہر پانی کی جھاڑو دیتی پھری

ساری بنیاد پانی نے کاٹی
اینٹ کے گھر کو کر دیا ماٹی

جب اجاڑے پہ آ کے چھت ٹھہری
ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھہری

آؤ اب چھوڑ کے یہ گھر نکلیں
کسو ٹٹی پہ بیٹھ کر نکلیں

دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب
ہے کنارا یہاں سے کرنا خوب

سن کے ہر اک کے جی میں در آیا
خاطروں میں یہ حرف ٹھہرایا

گٹھری کپڑوں کی میں اٹھائی تھی
سر پہ بھائی کے چارپائی تھی

بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا
اس کا سارا فگار کاندھا تھا

ساتھ کوئی چراغ لے نکلا
کوئی سر پر اجاغ لے نکلا

چھاج کی کر کے کوئی اوٹ چلا
مینھ کے مارے کوئی لوٹ چلا

منہ پہ چھلنے کو ایک نے روکا
ایک نے سرکی کا کیا کھوپا

ایک نے چھینکے حال حال لیے
پائے پٹی گلے میں ڈال لیے

ایک نے بوریا لپیٹ لیا
اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا

اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر
الگنی سب کے ہاتھ میں دے کر

صف کی صف نکلی اس خرابی سے
تا کہ پہونچیں کہیں شتابی سے

میر جی اس طرح سے آتے ہیں
جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں

جس نے اس وقت آنکھ کو کھولا
ہنس کے بے اختیار وہ بولا

سن کے اس بات کو نہائے ہم
بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم

تب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب
نہیں ملتا ہے گھر بقدر حباب

جس میں خوش یک نفس معاش کریں
طور پر اپنے بود و باش کریں

# مثنوی در ہجو نااہل

سُنیو اے اہلِ سخن بعد از سلام
چھیڑتا ہے مجھ کو اک تخم حرام

کام مجھ کو کچھ نہیں ہے اور سے
بلکہ اس بھی طرز سے اس طور سے

شاعری کو میری ہو گئے جلنتے
تم چنانچہ سب مجھے ہو مانتے

میں ہمیشہ سے رہا ہوں باوقار
کن دنوں تھا ہجو کا کرنا شعار

تھا تحمل مجھ کو میں درویش تھا
دردمند و عاشق و دلریش تھا

پر کروں کیا لاعلاج جی سے ہے اب
غصے کے مارے چڑھی ہے مجھ کو تپ

ایسے کتنے ہیں جو اب شاعر بنے
مدّتوں یہ لونڈے آئے مجھ کنے

ایک باتوں سے مری آدم ہوا
اک نظر سے شہرۂ عالم ہوا

ایک نے دیواں کی میرے نقل لی
اس دوانے کی کنھوں نے عقل لی

ایک میرے طرز پر کہنے لگا
دوسرا پیرو مرا رہنے لگا

سارے عالم میں ہوں میں چھایا ہوا
مُستند ہے میرا فرمایا ہوا

شہر میں آیا میں بعد از بست سال
گم تھا یاں سررشتۂ قال و مقال

کتنے اک نو مشق تھے گرم سخن
سو بچارے آپ ہی ناآگاہ فن

مدّعی میرا ہوا یہ بے ہُنر
مردۂ صد سالہ سا بے نور تر

کاسہ لیس مایۂ خبث و حسود
قلیۂ دہ روزہ سے بھی بد نمود

باپ اُس کا سخت ناداں نادرست
کوڑی کی سی گندی بلی فاق و سست

مستی اُس کی ساری اب جھڑ جائیگی
دُھوم ساری گلیوں پڑ جائے گی

ہاتھی کی ٹکر کو ہاتھی ہی اُٹھائے
چیونٹی کا کیا جگر جو مُنہ پہ آئے

ایک ڈھکے ہیں کہاں وہ کامنی — پودنے کی سی ہے اُس کی ضامنی
یہ قبولِ خاطرِ لُطفِ سخن — دے ہے کب سب کو خدائے ذوالمنن
ایک دو ہی ہونے ہیں خوش طرز و طور — اب چنانچہ میر و مرزا کا ہے دور
ہیں نے اُلٹی اجگروں کی دم میں صف — ادھ موئی سی چھپکلی کیا ہو طرف
رکھتی ہے میری شرافت اشتہار — گو یہ ناسپار تشبیہ ہے کیا چمار
بیت کہنا چاہتا ہے سو ہنر — شاعری سمجھا تھا کیا خالہ کا گھر
نامبارک ہی نہیں سادہ بھی ہے — الّو ہے اور الّو کی مادہ بھی ہے

---

# مثنوی اژدر نامہ

یہ موذی کئی ناخبردار فن — نئی ناگنیں جن کے ٹیکوں پہ پھن
نہیں جانتی ہوں میں مارِ سیاہ — زمانہ ہے آتش کا میری نگاہ
نفس ہے مرا افعی پیچدار — گیا جس سے خصم قوی من کو مار
جدھر بھر نظر دیکھوں لگ جائے آگ — دم دم کشی لب پہ کھیلیں ہیں ناگ
جہاں میں ہوں وہ جا ہے پر شر و شور — عصا سے چلے راہ واں مار و مور
مری آنکھ سے زہر ٹپکا گیا — جلا آگے میرے کبھو کب دیا
سُن اس ماجرے کو سبھوں نے کہا — کہاں بیچوے یہ کہاں اژدہا
نہ خصمی مری اژدروں سے ہوئی — طرف مجھ سے ہو جونک کیا ادھ موئی
اگر شور زاغاں سے ڈر جائے! — تو کیا اجگروں کا رہے اعتبار
نہ کس طور اژدر کو تلواسہ ہو — حریف اس کے سوکھی سی چلپاسہ ہو

کہاں چھپکلی اژدہے سے لڑی — کہیں اژدر پہ ایسی قیامت پڑی
ہزار اجگر اندوہ سے جائے لٹ — ولے ایسے کیڑے مکوڑے ہیں چٹ
جہاں شور اژدر سے ہے دھوم دھام — کوئی کنسلائی سے نکلے ہے کام
بہ ظاہر بہ لائے تو ہیں پر نکال — ولے ہوں گے ان کے جیوں کے وبال
حریفی انہوں سے ہو اژدر کی کب — وہ کھینچے جو یکدم تو کھنچ جا ہیں سب
مری قدر کیا اُن کے کچھ ہاتھ ہے — جو رُتبہ ہے میرا مرے ساتھ ہے
کہاں پہونچیں مجھ تک یہ کیڑے حقیر — گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

---

# مخمس در حالِ لشکر

مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش
آئے لشکر میں ہم برائے تلاش
آن کے دیکھی یاں کی طرفہ معاش
ہے لب ناں پہ سو جگہ پرخاش
نے دمِ آب ہے نہ چمچۂ آش

مرنے کے مرتبے ہیں احباب
جو شناسا ملا سو بے اسباب
تنگ دستی سے سب بحالِ خراب
جس کے ہے پال تو نہیں ہے طناب
جس کے ہے فرش تو نہیں فراش

زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال
کنجڑے جھینکیں ہیں روتے ہیں بقال
پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال
ایک تلوار بیچے ہے اک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش

جبّے والے جو تھے ہوئے ہیں فقیر
تن سے ظاہر رگیں ہیں جیسے لکیر

ہیں معذّب غرض صغیر و کبیر
مکھیاں سی گریں ہزاروں فقیر
دیکھیں ٹکڑا اگر برابر ماش

عفو مطلق نہیں کسو سر میں
زور باقی نہ اسپ و اشتر میں
بھوک کا ذکر اقل و اکثر میں
خانہ جنگی سے امن لشکر میں
نہ کوئی رند نہ کوئی اوباش

لعل خیمہ جو ہے سپہر اساس
پالیں ہیں رنڈیوں کی اُس کے پاس
ہے زنا و شراب بے وسواس
رعب کر لیجئے یہیں سے قیاس
قصہ کوتاہ رئیس ہے عیاش

جتنے یاں ہیں امیر بے دستور
پھر بحُسن سلوک سب مشہور
پہونچنا اُن تلک بہت ہے دُور
بات کہنے کا واں کسے مقدُور
حاصل اُن سے نہ دل کو غیر خراش

چار چُچے ہیں مستعدِ کار
دس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار
ہیں وضیع و شریف سارے خوار

لوٹ سے کچھ ہے گرمیٔ بازار
سو بھی قندِ سیاہ ہے یا ماش

در پہ عمدوں کے روز و شب شر و شور
صرف یکسر فریب و رشوت غور
بے لئے دیکھیں نے کسو کی اور
فردہ شو پر وہ سب کفن کے چور
رحمتہ اللہ بر اوّلین بناش

یک بہ یک گر کسو کی موت آئی
اُس کے مُردے کی پھر ہے رسوائی
کیونکہ پہونچی ہے جن کو امرائی
سب وہ اولاد حاتم طائی
کون دے کر کفن اُٹھاوے لاش

بالضرورت گیا میں جس کے گھر
آدمی کی نہ جنس تھا وہ خر
بات کرنے لگا تو وہ نیچی نظر
بے مروّت سفیہ تُندِ نظر
قابلِ صد ہزار شاش و تراش

ہے جنہیں کچھ بھی رویتِ دربار
سو فریبندہ مکری و غدار
کاذب و مفت بر ہے دل آزار
ڈول اُن کا ہے یہ کہ کریے خوار

کام اُن کا ہے یہ خراش وتراش

جس پہ ٹھہرے ہے آ کے سرداری
اُن سے ہم کو تھی چشم دلداری
معرفت اُن کے بعد صد خواری
فرد و دستخط ہوئی جو اکساری

جیسے کھینچے لکیریں کوئی نقاش

اس لکھے کا نہیں ٹھکانا کچھ
وہم میں بھی نہیں ہے پانا کچھ
جس پہ دستخط نہ آنے جانا کچھ
بن نہ آیا مجھے بہانا کچھ

غیر اس کے کہ لے اٹھوں بشاش

واں سے اُٹھکر میں پال میں آیا
سخت تغیر حال میں آیا
بار ہا یہ خیال میں آیا
کہ زیاں شہ کے مال میں آیا

واسطے میرے سو مرا یہ قماش

بخشدوں جامہ تک جو ہو قدرت
آٹھوں آنے ہیں خرچ یک ساعت
دس روپے دوں گدا کو بے مہلت
منقضی ہووے کب مری ہمت

صاحبانِ کرم کے تئیں شاباش

ہو جو اِن لوگوں میں گدا کا گزر
سہم رہ جائیں سب نہ دیکھیں اُدھر
دیر کے بعد یہ کہیں ہل کر
شاہ جی لے خدا سبھوں کی خبر
سو بھی یہ بات ہے پس از کنگاش

یاروں کی جو دکا بیاں کیا ہے
وہم ہیں اُن کے بھی جہاں کیا ہے
آشکارا ہے سب نہاں کیا ہے
دیکھتے ہیں کہیں کہ یاں کیا ہے
ایسی صحبت میں ہم نہ ہوتے کاش

بس قلم اب زباں کو اپنی سنبھال
خوشنما کب ہے ایسی قال و مقال
ہے کڈھب چرخ روسیہ کی چال
مصلحت ہے کہ رہیئے ہو کر لال
فائدہ کیا جو راز کریئے فاش

# مخمس دیگر

دستخطی فرد کا سنو احوال
بے دماغی ہی میں تو دی تھی ڈال
ایک مشفق کو تھا ادھر کا خیال
مہربانی سے اُن نے کھوج نکال
شیخ جی گاڑھے سو عجائب مال

شیخ کو اس بھی سن میں ہے گی ہوس
تنگ بوٹی سے چولی جاوے چس
ہوئے تھا سن شریف ساٹھ برس
دانت ٹوٹے گیا ہے کلہ دھنس
دیکھ رنڈی کو بہہ چلے ہے رال

جامے کو خوب سا چُنانے ہیں
خال رُخسار پر بنانے ہیں
مہندی بھی تنپلی سی لگاتے ہیں
ناز کرتے قدم اُٹھاتے ہیں
دیکھا کرتے ہیں آرسی میں جمال

دل میں دُھن جو جو عیش عشرت کی
پوچھتے ہیں دوائی شہوت کی

باتیں ہیں رنڈیوں کی صحبت کی
دیکھے کوئی کتاب حکمت کی
کرتے ہیں ہمنشیں استعمال

محوِ رعنائی کتنے ہیں اللہ
مستی سے کرتے ہیں مسوڑے سیاہ
رکھتے ہیں سر پہ اب ہمیشہ کلاہ
شانہ سے کام ہے گہ و بے گاہ
کپڑے نارنجی سر پہ اودی شال

فرو چرکیں لباس تنگ معاش
ساتھ رکھتے ہیں ایک موئے تراش
قینچی لیتے ہیں گاہ و گہ منقاش
ہر سر مو پہ اس سے ہے پرخاش
لوگ کہتے ہیں شیخ ہیں چنڈال

آشنا میرے بھی پُرانے تھے
میں وے اک عمر اک ٹھکانے تھے
یار تھے دوست تھے یگانے تھے
صحبتیں تھیں بہم زمانے تھے
روز و شب ہمد گر تھی قال و مقال

اب وے مختار کے ہوئے مختار
ان پہ ٹھہرا ہے سلطنت کا مدار
وہی اس عہد میں ہیں کار برآر

اس طرف سے مرا ہوا جو گزار
نکلے سُن نام بہرِ استقبال

جب ملاقات درمیاں آئی
دستخطی فرد ہیں نے دکھلائی
لے کے میری تسلی فرمائی
پھر نفر پاس اپنے رکھوائی
اور لگے کہنے رکھئے استقلال

فرد نواب کو دکھاؤں گا
حال صاحب کا سب جتاؤں گا
ہے مقدر نوکری لاؤں گا
لے کے دفتر میں آپ جاؤں گا
آگے میرے کِسے سخن کی مجال

قدر والا ہمارے ہی ہے معلوم
خلق خادم ہے اور تو مخدوم
اس سعادت سے جو رہے محروم
ہے یقینی کہ وہ الاغ ہے شوم
خر کو ہو گا مرکبِ دجال

تم نبی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام
ہے غلامی تمہاری اپنا کام
تم کو مسجود جانتے ہیں انام
تم سبھوں کے ہو پیشوا و امام
تم سے سب کو نجات کا ہے سوال

بارے رُخصت کیا بصد اعزاز
اور کہا تم ہو خلق میں ممتاز
ہے تمنا کہ تم سے ہوں دمساز
دل ہمارا ہو کاش محوِ نیاز
کرے تم پر نثار جان و مال

شیخ نے کر سلوک حد سے زیاد
قید اندوہ سے کیا آزاد
دی بھلا روزگار کی بیداد
جان غم کش ہوئی نہایت شاد
کم ہوا کوئی روز سر سے وبال

پھر جو دو دن میں میں گیا اُن پاس
شیخ جی نکلے ایک اشرالنّاس
نے وہ تعظیم و خلق نے وہ پاس
بولے کچھ زیرِ لب اُداس اُداس
رہ گیا چپ میں دیکھ کر یہ حال

میرے تئیں بے دماغ جو پایا
سر کیا نیچے یعنی شرمایا
جب خجالت سے کچھ نہ بن آیا
تب بہانہ صداع کا لایا
پھر یہ بولا کہ کیوں ہے چہرہ لال

میں کہا وجہ ہے کہا کہیئے

میں کہا جو رکب تمک سینے
چند پامال چرخ کج رہیے
جی میں ہے اب لگایئے پہیے
تاکہ گردوں کی کچھ ہو سیدھی چال

تھی جو تم سے توقع یاری
سو تو آئی ظہور میں ساری
ہوئی جو فرد دستخطی جاری
تو بھی یہ دن جو ایسے ہیں بھاری
کا مت یک طرف فقیر شال

دستخطی فرد کا سُنا جب نام
کہنے لاگا کہ اب قریب ہے شام
بیٹھنے کا ہوا ہے وقت تمام
پھر کسی روز کیجیے گا کلام
اب تو میرے نہیں حواس بحال

تھا جو سختی سے فقر کی ناچار
گھر گیا شیخ جی کے سو سو بار
نہ رہا کوئی نحچ شہر میں یار
نہ کہا جن نے میرا حال زار
تنگ آیا میں مفلسی سے کمال

کچھ طرح اور جب نہ ذہن آئی
میں ہوا شیخ جی سے محرمائی

کھینچی کیا کیا اُنہوں کی مرزائی
پر تسلی مری نہ فرمائی
مُفت عزت گئی ہوا پامال

ایک مدت تھی آج کل پر بات
اب تو ہے صبح اب ہوئی ہے رات
ہے بہت شیخ کی غنیمت ذات
جمع آدم میں اتنے کب ہیں صفات
مفتری و دروغی و مختال

ایک دن میں کہا جو ہو مضطر
کہیئے اس در سے جاؤں اب کیدھر
ہنس کے بولے بہت تلطف کر
سر منڈائے ہو تم بھی اس گھر پر
آگے آویں گے جتنے ہوں گے بال

راتوں کے تئیں مصیبتیں گزریں
اور دنوں کو قیامتیں گزریں
کچھ نہ پوچھو جو حالتیں گزریں
باتوں باتوں میں مُدتیں گزریں
وعدہ دو چار دن نہ ماہ و سال

پھر جو اس فرد کا ہوا مذکور
کہنے لاگے کہ نائب دستور
جانتا ہے تمہیں کہ ہو مشہور

پر کہے ہے رکھو مجھے معذور

جاری کرنا ہے اس کا امر محال

آٹھ آنے ہیں شاہ پر بھاری
اس کی لوگوں نے کی ہے اب خواری
آپ ہے تو یہ ہے گرفتاری
فوج ہے گی تو قحط کی ماری

کیوں نہ حبس جار ہے ہیں واں تھا کال

عمدے جو ہیں دنوں کو بھرتے ہیں
سو بھی اسباب گروی دھرتے ہیں
ہیں سپاہی سو بھُو کے مرتے ہیں
لوہو پی پی کے زیست کرتے ہیں

ایک تلوار بیچ ہے اک ڈھال

رہ گیا میں سو جی جلاتا ہوں
کچھ کہے کوئی سر ہلاتا ہوں
یعنی ہر ایک کے تئیں بلاتا ہوں
کام سرکار کا چلاتا ہوں

کار پرداز ہیں سفیہ و ضلال

بادشاہ بھیک مانگتا آیا
روز روزینہ بند فرمایا
معتمد اپنا مجھ کو ٹھہرایا
سو پڑا ایچ میں یں گھلایا

جس کو دیکھو رکھے ہے مجھ سے ملال

ملکی اور سارے صاحبان بنول
پھرتے ہیں مجھ سے خوار و زار و ملول
کہیئے حضرت سے کچھ بھی ہو جو حصول
کوڑی دینا اُنھیں نہیں ہے قبول
آپ مرتے ہیں اُن کے اہل و عیال

یاں مرے در پہ یاروں کا ہے ہجوم
صبح سے شام تک رہے ہے دھوم
جو بھی ڈول ہے تو ہے معلوم
ایک دن باقدوم فرح لزوم
نکلے گا یاں سے شہہ بجاہ و جلال

حاجت اک عالم اپنی لاتا ہے
جو ہے سو جان کھائے جاتا ہے
کون یاں راہ حرف پاتا ہے
اور جسے کوئی مُنہ لگاتا ہے
کاٹتا ہے وہ پہلے چومے گال

اُس کے اُوپر ہے شہہ تماشائی
اور چاہے ہے خرچ بالائی
ہر طرف پھیلی ہے رسوائی
کل چنانچہ ہمیں نظر آئی
لال خیمے کے گرد و دسہ پال

دینے کا ہو کہیں ٹھکانہ بھی
جُود کو چاہیے زمانا بھی
یاں نہیں شہ کے گھر میں دانا بھی
کبھو ہوتا ہے پینا کھانا بھی
ورنہ بھوکے رہے ہیں بیٹھے نڈھال

حال یہ ہے جو اس پہ ہو منظور
پھر بھی نواب سے کروں مذکور
گاہ باشد کہ ہوں اُنھیں مقدور
پر سماجت ہے اب خرد سے دور
لُطف کیا میں کہوں وے دیویں ٹال

میں کہا بس بہت خراب ہوا
پردے میں واں سے بھی جواب ہوا
دل ہوا دماغ جی کباب ہوا
بارے ہونا جو تھا شتاب ہوا
کٹ رہے گا مرا بھی یہ جنجال

دل سے اپنے بھی اب بھُلا دیجئے
فرد میری مجھے منگا دیجئے
ان خیالات کو اُڑا دیجئے
بند چڑیا کی سی چھُڑا دیجئے
بس بچھایا بہت فریب کا جال

ہنس کے بولے کہ فرد ہے حاضر
اور سمجھئے نہ مجھ کو بھی قاصر
جان کا ہوں تمہاری ہیں ناظر
جمع فرماؤ خاطرِ عاطر
اب نہیں پھر یہ کام لوں گا سنبھال

تب سے اب تک وہ فرد لاتا ہوں
گاہ بے گاہ اُن کے جاتا ہوں
وقت پاتا ہوں تو جتاتا ہوں
پر جواب اُن سے صاف پاتا ہوں
اب کی بار ی کا ہے یہ قیل و مقال

---

# ننگ نامہ

کُتوں کے چاروں اور رستے تھے
کُتے ہی واں کہے تو بستے تھے
دو کہیں تھے کھڑے کہیں بیٹھے
چار لوگوں کے گھر ہیں ہیں بیٹھے
ایک نے چھوڑے باسن اکونے
کھود مارے گھروں کے سب کونے
سانجھ ہوتے قیامت آئی ایک
شور عف عف سے آفت آئی ایک
گلہ گلہ گھروں میں پھرنے لگے
روٹی ٹکڑے کی بو پہ گرنے لگے
ایک نے آکے دیگچہ چاٹا
ایک آیا سو کھا گیا آٹا
ایک نے دوڑ کر دیا چھوڑا
پھر پیا آکے تبل اگر چھوڑا

گھر میں چھینکے اگر تھے توڑ دیے — ہانڈی باسن گرا کے توڑ دیے
جب کہ ہڈی پہ چار چار لڑیں — گوشت پر کھیڑ دیے سے دوڑ پڑیں
کتوں کی کیا سما جتوں کو کہیں — چیچڑی سے رات دن لگے ہی رہیں
باہر اندر کہاں کہاں کتے — بام و در چھت جہاں تہاں کتے
جھڑ جھڑاوے ہے کان کو کوئی — رووے ہے اپنی جان کو کوئی
ایک طرف ہے چپڑ چپڑ کی صدا — یعنی کتا ہے چکنی چاٹ رہا
ایک چھینکے کو منہ میں لے آیا — ایک چولھے کو کھود نا پایا
ایک کے منہ میں ہانڈی ہی کالی — ایک نے چلنی چاٹ ہی ڈالی
ٹینل کی کتی ایک لے بھاگا — ایک چکنے گھڑے سے جالاگا
آدمی کی معاش ہو کیونکر — کتوں میں بود و باش ہو کیونکر

بستی دیکھی سو ایسی تھی آباد — کہ بیابان سخت سے وے یلو
چار چھپر کہیں چماروں کے — سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے
پھر چلو آگے تو نہیں ہے کچھ — ڈھنڈسا اور جو کہیں ہے کچھ
ٹوٹی پھوٹی کوئی حویلی ہے — سو بھی میدان میں اکیلی ہے
ایک دو مردے سے پڑے ہیں واں — زرد ہو ہو گئے ہیں بے لب ناں
لوگ ایسے مکان سب ایسے — ایسی جاگہ سے اٹھیں دل کیسے
اور جو چار گھر نظر آئے — ان کی خوبی کھلے وہیں جائے
وہ بھی کوئی چمار تھے کوئی — فاقوں کے زیر بار تھے کوئی
صورتیں کالی سوکھے سوکھے سے — سارے کنگال اور بھوکے سے
چار داتوں کے واسطے جی دیں — جان کھا جائیں کچھ نہ جب تک لیں

اور آگے گئے تو تھا بازار　　اس میں بنیوں کی تھیں دکانیں چار

ایک کے پاس دال کچھ آٹا　　تس کو بھی مکھیوں نے تھا چاٹا

ایک کے ساناں اور تھوڑے چنے　　چھبڑوں میں خاک دھول ایک گنے

ایک کنجڑے کے چار گٹھی پیاز　　تس پر اُس کو ہزار فخر و ناز

کیا کہوں مرچ تھی نہ ادرک تھی　　اُس مچھندر میں کچھ بھی بھدرک تھی

ایک دوکان تھی پساری کی　　اُن نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی

اُس سے جاکر جو مانگیے ہلدی　　زرد مٹی کو باندھ دے جلدی

دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے　　بس تم اس بستی میں میاں جی رہے

یاں جو کچھ ہے چلن سو دیتا ہوں　　میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں

# مخمس در شہر کاماآ حسبِ حالِ خود

قابل ہے میری سیر کے اطوارِ روزگار
چالیں عجب طرح کی چلے ہے عجب شعار
کرتا ہے بدسلوکی سبھوں سے یہ بے مدار
لاتا ہے روز فتنۂ تازہ بروئے کار
دل داغ داغ رہتے ہیں اس سے جگر فگار

کاما سے تلخ کام اٹھایا مرے تئیں
دلّی میں بے دلانہ پھرایا مرے تئیں
ہم چشموں کی نظر سے گرایا مرے تئیں
حاصل کے بیس سُرمہ بنایا مرے تئیں
ہیں مُشتِ خاک مجھ سے اسے اس قدر غُبار

لشکر میں مجھ کو شہر سے لایا پئے تلاش
یاں آکے گزری میری عجب طور سے معاش
پانی کسو سے مانگ پیا ہیں کسو سے آش
اس واقعے سے آگے اجل پہنچی ہوتی کاش
ناموس رہتی فقر کی جاتا نہ اعتبار

مدت رہا تھا ساتھ جنھوں کے خراب حال
دانستہ ان سبھوں نے کیا مجھ کو پائمال

آخر کو آیا مجھ میں انھوں میں نپٹ ملال
یہ زندگی سہل ہوئی جان کا وبال
اس جمع میں کبھو کو میں پایا نہ دستیاب

جانا نہ تھا جہاں مجھے سو بار واں گیا
ضعفِ قوی سے دست بدیوار واں گیا
محتاج ہو کے ناں کا طلب گار واں گیا
چارہ نہ دیکھا مضطر و ناچار واں گیا
اِس جان ناتواں پہ کیا صبر اختیار

در پر ہر اک دنی کے سماجت مری گئی
نالائقوں سے ملنے لیاقت مری گئی
کیا مُفت ہائے شانِ شرافت مری گئی
ایسا پھرایا اُس نے کہ طاقت مری گئی
مشہورِ شہر اب ہوں سُبکسار و بے وقار

کن نے کی اپنے حال پہ شفقت سے یک نگاہ
نکلے ہے کس سے طور پہ اپنے سخن کی راہ
بولا نہ کوئی ہم سے کہ تم کیوں ہوئے تباہ
اسلوب اپنے جینے کا ہو کس طرح سے آہ
ہم ایک ناتوان و ضعیف اور غم ہزار

حاجت مری روا دلِ پُر درد نے نہ کی
تاثیر اشکِ سُرخ و رُخِ زرد نے نہ کی
تدبیر ایک دم بھی دمِ سرد نے نہ کی

دل جوئی میری حیف کسی فرد نے نہ کی
طاقت رہی نہ دل میں گیا جان سے قرار

دل سر بسر خراب ہے تعمیر کیا کروں
آشفتگیٔ حال کی تعبیر کیا کروں
خوں نابہائے چشم کی تقریر کیا کروں
زردیٔ رنگ چہرہ کی تحریر کیا کروں
آیا جو میں چمن میں خزاں ہوگئی بہار

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ
دل سوزشِ درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ
ہے نام مجلسوں میں مرا میرؔ بے دماغ
از بس کہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

---

# دوسری مثنویاں

## مثنوی خواب و خیالِ میرؔ

خوشا حال اُس کا جو معدوم ہے — کہ احوال اپنا تو معلوم ہے
رہیں جانِ غم ناک کو کاہشیں — گئیں دل سے نومید سو خواہشیں
زمانے نے رکھا مجھے متصل — پراگندہ روزی پراگندہ دل
گئی کب پریشانیٔ روزگار — رہا میں تو ہم طالعِ زلفِ یار
وطن میں نہ اک صبح میں شام کی — نہ پہنچی خبر مجھ کو آرام کی
اٹھاتے ہی سر پہ پڑا اتفاق — کہ دشمن ہوئے سارے اہلِ وفاق
چلاتے تھے مجھ پر جو اپنا دماغ — دکھانے لگے داغ بالائے داغ
زمانے نے آوارہ چاہا مجھے — مری بے کسی نے نباہا مجھے
رفیقوں سے دیکھی بہت کوتہی — غریبی نے اک عمر کی ہمرہی
مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا — غریبانہ چندے بسر لے گیا
بندھا اس طرح آہ بارِ سفر — کہ نے زادِ رہ کچھ نہ بارِ سفر
دل اک بار سوئے قرارِ بتاں — غبارِ سرِ رہ گزارِ بتاں
گرفتارِ رنج و مصیبت رہا — غریبِ دیارِ محبت رہا
چلا اکبرآباد سے جس گھڑی — در و بام پر چشمِ حسرت پڑی
کہ ترکِ وطن پہلے کیونکر کروں — نگہ ہر قدم دل کو پتھر کروں

بس از قطعِ رہ لائے دلّی میں بخت | بہت کھینچے یاں میں نے آزارِ سخت
جگر جورِ گردوں سے خوں ہو گیا | مجھے رُکتے رُکتے جنوں ہو گیا
ہوا خبط سے مجھ کو ربطِ تمام | لگی رہنے وحشت مجھے صبح و شام
کبھو کف بلب مست رہنے لگا | کبھو سنگ در دست رہنے لگا
کبھو غرقِ بحرِ تحیّر رہوں | کبھو سر بجیب تفکّر رہوں
بہ وہمِ غلط کار یاں تک کھنچا | کہ کارِ جنوں آسماں تک کھنچا
نظر رات کو چاند پر گر پڑی | تو گویا کہ بجلی سی دل پر پڑی
مہِ چاردہ کارِ آتش کرے | ڈروں یاں تلک میں کہ جی غش کرے
نظر آئی شکل ایک مہتاب میں | کمی آئے جس سے خور و خواب میں
اگرچند پرتو سے مہ کے ڈروں | و لیکن نظر اس طرف ہی کروں
ڈروں دیکھ مائل اُسے اس طرف | بجدے کہ آجائیں ہونٹوں پہ کف
رہی فکرِ جاں میرے احباب کو | اُڑا دیویں سب گھر کے اسباب کو
جو دیکھوں تو آنکھوں سے لوہو بہے | نہ دیکھوں تو جی پہ قیامت رہے
اُسے دیکھوں جیدھر کروں میں نگہ | وہی ایک صورت ہزاروں جگہ
رہے سامنے اک طرح پر کبھو | رکھے وضع سے پاؤں باہر کبھو
بغل میں کبھو آرمیدہ رہے | کبھو اپنے بر خویش چیدہ رہے
کبھو صورتِ دلکش اپنی دکھائے | کبھو اپنے بالوں میں مُنہ کو چھپائے
کبھو گرمِ کینہ کبھو مہربان | کبھو دوست نکلے کبھو خصمِ جاں
کبھو یک بیک یار ہو جائے وہ | کبھو دست بردار ہو جائے وہ
گلے میں مرے ہاتھ ڈالے کبھو | طرح دشمنی کی نکالے کبھو
کبھو چیں بہ ابرو کبھو ہنس کے بات | کبھو بے وفائی کبھو التفات

جو میں ہاتھ ڈالوں وہاں کچھ نہیں
بجز شکلِ وہمی عیاں کچھ نہیں

ہر اک رات چندے یہ صورت رہی
اُسی شکلِ وہمی سے صحبت رہی

دمِ صبح ہو گرم رہ سوئے ماہ
کہ در پیش آوے یہ روزِ سیاہ

کہ جھومر کروں بیدِ مجنوں کی طرز
رہے یاد اس سرو موزوں کی طرز

رہوں زرد میں گاہ بیمار سا
پریشاں سخن گہ پریدار سا

پری خواں کو لا کوئی افسوں پڑھائے
کسو سے کوئی جا کے تعویذ لائے

طبیبوں کو آخر دکھایا مجھے
نہ پینا جو کچھ تھا پلایا مجھے

جنوں آہ درپے ہوا جان کے
مجوّز ہوئے یار زندان کے

کیا بند اِک کوٹھری میں مجھے
کہ آتش جنوں کی نگروان بجھے

نہ آوے کوئی ڈر سے میرے کنے
کہ کیا جانیے کیسی صحبت بنے

سرِ شام بیٹھا تھا میں ایک روز
افاقت نہ آئی تھی مجھ کو ہنوز

کہ یاروں نے برجستہ تدبیر کی
مرے خون میں کچھ نہ تقصیر کی

اگرچند کہنے کو خوں کم کیا
لیا لوہو اتنا کہ بے دم کیا

کئی روز بالیں پہ یہ سر رہا
خمار ایک مدّت تلک پھر رہا

پس از چند آنکھیں ٹھہرنے لگیں
نگاہیں بھی کچھ کام کرنے لگیں

لگی جان سی آنے اعضا کے بیچ
کوئی روز رہتا تھا دُنیا کے بیچ

غلط کاریٔ وہم کچھ کم ہوئی
وہ صحبت جو رہتی تھی برہم ہوئی

وہ صورت کا وہم اور دیوانگی
لگی کرنے در پردہ بیگانگی

بس از دیر آنکھوں میں آنے لگی
نہ دو دو پہر مُنہ دکھانے لگی

نہ دیکھے مری اور اُس پیار سے
غریبانہ سر مارے دیوار سے

کبھیں ٹک تسلّی کبھیں بے قرار
کبھیں شوق سے میرے بے اختیار

کہیں واسطے میرے رونی ہے خون — کہیں دست زیرِ زنخ ہے ستون

کہیں دل کو اپنے دکھاوے مجھے — مری بے وفائی جتاوے مجھے

کہیں دست بر دل وہ رشکِ قمر — کہیں حسرت آلودہ مجھ پہ نظر

کہیں بے دماغانہ سرگرمِ ناز — کہیں آتشِ شوق سے جاں گداز

کہیں چشمِ گریاں سے دامانِ پاک — کہیں سو جگہ سے گریبان چاک

کہیں کام دل کی شکایت سے ہے — کہیں نقشِ دیوار حیرت سے ہے

کہیں مجھ سے کہتی ہے رخصت مجھے — کہ مطلق نہیں غم کی طاقت مجھے

کہیں لب پہ وہ شکوۂ خوں چکاں — کہ ٹپکا کرے جس سے آزارِ جاں

کہیں وہ نگہ جس سے یہ پائیے — کہ یہ درد دل ہے تو ہٹ جائیے

کہیں وہ روش جس سے نکلے عتاب — کہیں وہ طرح جس سے رہیے خراب

کہیں حرف زن اس طرح ناز سے — کہ دیکھا گیا دل کس انداز سے

کہیں وہ ادا جس سے معلوم ہو — کہ جیسے وہ عاشق کہ محروم ہو

کہیں وہ سخن جو جگر خوں کرے — کہیں طرز ایسی کہ مفتوں کرے

کہیں وضع ایسی کہ بیگانہ ہے — کہیں آشنا ہے تو دیوانہ ہے

کسو جا ہے جلوے میں اس آن سے — کہے تو کہ بے زار ہے جان سے

کسو وقت اِس کا یہ اسلوب ہے — کہ شرمِ محبت سے محجوب ہے

کبھو بے قراری ہے اس رنگ سے — کہ پھرتی ہے سر مارتی سنگ سے

کبھو بے ادائی و دشنام ہے — کبھو یار کے ہاتھ پیغام ہے

کہ اے بے وفا آہ دل نرم کر — محبت کی بھی منہ سے کچھ شرم کر

کبھو وہ تبختر کہ پروا نہیں — کبھو کیونکہ کہیے کہ سودا نہیں

کبھو یہ سخن جس سے ہو مستفاد — کہ اے بے وفا حرف سن یاد باد

کہ ظاہر ہیں میرا اب توانا گیا
کہ وہ دوستی کا زمانہ گیا

غرض نا اُمیدانہ کر اک نگاہ
وہ نقشِ توہم گیا سوئے ماہ

نہ آیا کبھو پھر نظر اس طرح
نہ دیکھا اسے جلوہ گر اس طرح

مگر گاہ سایہ سا مہتاب میں
کبھو وہم سا عالمِ خواب میں

دلِ خو پذیرِ وصالِ مدام
رہے خواب میں روز و شب صبح و شام

اگر وصل خواب فراموش تھا
ولیکن وہی خواب کا جوش تھا

پلک سے پلک آشنا ہے وہی
زخود رفتگی کی ادا ہے وہی

کھڑا ہوں تو سوتا ہوں اک ذوق میں
رگِ خواب دل ہے کفِ شوق میں

جو بیٹھا ہوں خواب گراں ہے مجھے
وہ غفلت جہاں در جہاں ہے مجھے

خیال اُس کا آوے کہ سُن ہو رہوں
تلے سر کے پتھر رکھوں سو رہوں

مجھے آپ کو یوں ہی کھونے گئی
جوانی تمام اپنی سوتے گئی

دکھایا نہ اُس مہ نے رُو خواب میں
نہ دیکھا پھر اُس کو کبھو خواب میں

بہت بے خود و بے خبر ہو چکا
ہم آغوشِ طالع بہت ہو چکا

نہ دیکھا کبھو میرؔ پھر وہ جمال
وہ صحبت تھی گویا کہ خواب و خیال

---

# موہنی بلّی

ایک بلی موہنی تھا اُس کا نام ‎ ‎ اُن نے میرے گھر کیا آکر مقام

ایک دو سے ہو گئی اُلفت گزیں ‎ ‎ کم بہت جانے لگی اُٹھ کر کہیں

ربط پھر پیدا کیا میرے بھی ساتھ ‎ ‎ دیکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ

آئے ہے مجھ پاس یہ اُٹھ کر سویر ‎ ‎ گربۂ زردِ فلک نکلے ہے دیر

چھیچھڑا ٹکڑا جو کچھ پایا کرے ‎ ‎ فقرہ میرا دیکھ کر کھایا کرے

بختوں سے ٹوٹا ہے چھینکا بھی اگر ‎ ‎ اُن نے ادھر کی نہیں مطلق نظر

دخل کیا ہے جھانکے یہ چھینکے کی اور ‎ ‎ ٹکڑے کو دیکھے نہ گو بھوکی ہو زور

برسوں یاد آوے گی یہ پاکیزہ خو ‎ ‎ آگے آئی ہی نہیں چلتے کبھو

شوق ہیں ہمسائیاں اس کے رہیں ‎ ‎ جو گئی بھی ٹک تو مانگے سے کہیں

پھرنے کو تو پھرتی کیا دلی نہ تھی ‎ ‎ بر جلے پاؤں کی یہ بلی نہ تھی

رفتہ رفتہ کوٹھوں پر جانے لگی ‎ ‎ پہروں پہروں ہیں یہ پھر آنے لگی

حاملہ ہو کر کئی بچے دیئے ‎ ‎ ایک دو بھی سو نہ ان میں سے جیئے

حفظ اس کی کوکھ کا لازم ہوا ‎ ‎ جھاڑنے پھونکنے کا ہر اک عازم ہوا

نذریں مانیں نقش لائے ڈھونڈ کر ‎ ‎ نیل کے ڈوروں میں باندھے پیٹ پر

چھیچھڑوں پر بعض نے افسوں لکھے ‎ ‎ بعضوں نے تعویذ لے کر خوں لکھے

بی بلائی سے بہشت کی التجا ‎ ‎ گربۂ محراب سے چاہی دعا

گوشت کی چیلوں کو پھینکیں بوٹیاں ‎ ‎ ماش کی موٹی پکائیں روٹیاں

لڑکیاں بٹھلائیاں کھاٹوں تلے ‎ ‎ اس طرح جوں دبکی بلی کم بلے

دبتے ٹکڑا منہ کو ہر اک کھولتے　　اور بولی بلبیوں کی بولتے

بوہریرہ کے تئیں مانا بہت　　بلّیوں کو بھی دیا کھانا بہت

پانچ بچے اُس نے اس نوبت دیئے　　یارے سب وے قدرتِ حق سے جیئے

دیر میں میں نے جو یہ ٹک غور کی　　بلیّاں پانچوں ہیں یہ اک طور کی

دو مہینے تک بہت تھی احتیاط　　گُنتے بلی سب سے موقوف اختلاط

در سے نکلیں سب ہوئے بازی کے گرم　　زرد و زرد اُن کی دمیں مُنہ نرم نرم

لچھے ریشم کے سے چندیں رنگ خال　　کچھ سفید و کچھ سیہ کچھ زرد و لال

لے گئے ایک ایک کر سب تین تو　　مُنّی، مانی، رہ گئیں مجھ پاس دو

مُنّی کی پھر ایک صاحب نے پسند　　تھی بھی نازک ایسی ہی طالع بلند

مانی کچھ بھاری تھی نکلی بُرد بار　　رہ گئی یاں فقر کو کر اختیار

بُوریے پر میرے اُس کی خوابگاہ　　دل سے میرے خاص اُس ایک راہ

میں نہ ہوں تو راہ دیکھے کچھ نہ کھائے　　جان پاوے سُن مری آواز پائے

سب سے آگے آن پہنچے در تلک　　دیکھے میرے پاؤں سے لے سر تلک

آنکھ سے معلوم ہو مشتاق ہے　　بلی یا اعجوبۂ آفاق ہے

ربط ہے اپنے بھی جی کو اُس کے ساتھ　　بیٹھے ہے تو پیٹھ پر میرا ہے ہاتھ

کیا دماغ اعلیٰ طبیعت کیا نفیس　　کیا مصاحب بے بدل کیسے جلیس

یہ نفاست یہ لطافت یہ تمیز　　آنکھ دوڑے ہے نہ ہو کیسی ہی چیز

چوہا چڑیا اس نے کچھ کھایا نہیں　　حج کو جانا اس کے تئیں آیا نہیں

# مثنویاتِ جذباتِ عشق

## مثنوی دریائے عشق

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہِ سرد ہوا

کہیں آنکھوں سے خون ہو کے بہا
کہیں سر میں جنون ہو کے رہا

کہیں رونا ہوا ندامت کا
کہیں ہنسنا ہوا جراحت کا

کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے
کہیں یہ خونچکاں شکایت ہے

تھا کسی دل میں نالۂ جانکاہ
ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ

تھا کسو کی پلک کی تمنا کی
ہے کسو خاطروں کی عمنا کی

کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا
کہیں موجب شکستہ رنگی کا

ایک عالم میں دردمندی کی
ایک محفل میں چاسپندی کی

اک زمانے میں دل کی خواہش تھا
اک سمیں میں جگر کی کاہش تھا

کہیں بیٹھے ہے جی میں ہو کر چاہ
کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ

خار خارِ دل غریباں ہے
انتظارِ بلا نصیباں ہے

کشش اس کی ہے اک اعجوبہ
ڈوبا عاشق تو یار بھی ڈوبا

کام میں اپنے عشق یکتا ہے
ہاں یہ نیرنگ ساز یکتا ہے

جس کو ہو اس کی التفات نصیب
ہے وہ مہمان چند روزہ غریب

ایسی تقریب ڈھونڈ لاتا ہے
کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے

اک جا اک جوانِ رعنا تھا
لالہ رُخسار و سرو بالا تھا

عشق رکھتا تھا اُس کی چھاتی گرم
دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم

شوق تھا اُس کو صورتِ خوش سے
اُنس رکھتا تھا وضعِ دلکش سے

تھا طرحدار آپ بھی لیکن
رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن

کوئی ترکیب اگر نظر آتی
صورتِ حال اور ہو جاتی

دیکھتا گر وہ کوئی خوش پُرکار
رہتا خمیازہ کش ہی لیل و نہار

زُلف ہوتی کسو کی گر برہم
دیکھتے اُس کے حال کو درہم

دیکھتا گر کہیں وہ چشمِ سیاہ
دل سے بے اختیار کرتا آہ

سر میں تھا شورِ شوق دل میں تھا
عشق ہی اُس کے آب و گل میں تھا

الغرض وہ جوانِ خوش اسلوب
ناشکیبا رہے تھا بے محبوب

ایک دن بے کلی سے گھبرایا
سیر کرنے کو باغ میں آیا

کسو گل پاس وہ صنم ٹھہرا
کہیں سبزے میں ایک دم ٹھہرا

ایک خیابان میں سے ہو نکلا
ایک سائے تلے سے رو نکلا

نہ تسلی ہوا دلِ بیتاب
نہ تھما چشمِ تر سے خونِ ناب

دل کی واشد سے بے توقع ہو
ہر شجر کے تلے بہت سا رو

دیکھ گلشن کو نا اُمیدانہ
مُنہ کیا اُن نے جانبِ خانہ

دل کے رُکنے کا اُس کو اک غم تھا
راہ چلتے خیال درہم تھا

ناگہ اُس کوچے سے گزار ہوا
آفتِ تازہ سے دوچار ہوا

ایک غرفے سے ایک مہ پارہ
تھی طرف اُس کے گرم نظّارہ

پڑ گئی اُس پہ اک نظر اُس کی
پھر نہ آئی اُسے خبر اُس کی

تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی
وہ نظر ہی وداعِ طاقت تھی

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
صبر رُخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

بے قراری نے کج ادائی کی
تاب و طاقت نے بے وفائی کی

مُنہ جو اُس کا طرف سے اُس کے پھرا
مضطرب ہو کے خاک پہ یہ گرا

وہ تو رکھتی نہ تھی خیال اُس کا
بے طرح ہووے گو کہ حال اُس کا

جھاڑ دامن کے تئیں وہ مہ پارہ
اُٹھ گئی سامنے سے یکبارہ

وہ گئی اُس کے سر بلا آئی
خاک میں مل گئی وہ رعنائی

دل پہ کرنے لگا طپیدن ناز
رنگ چہرے سے کر چلا پرواز

ہاتھ جانے لگا گریباں تک
چاک کے پھیلے پاؤں داماں تک

طبع نے اک جنوں کیا پیدا
اشک نے رنگ خوں کیا پیدا

سوزشِ دل نے جی میں جا گہ کی
داغ نے آ جگر کو آتش دی

بستر خاک پر گرا وہ زار
درد کا گھر ہوا دل بیمار

خاطرِ افگار • خار خار ہوئی
جاں تمنا کشِ نگار ہوئی

اُس کے مُنہ پر پڑی جو اُس کی نگاہ
نا اُمیدی کے ساتھ سر کی آہ

خو ہوئی نالۂ حزیں کے ساتھ
رابطہ آہِ آتشیں کے ساتھ

ہونٹھ سوکھے تو خوب ناب ملا
خواب و خور دونوں کو جواب ملا

خلق اُس کی ہوئی تماشائی
پر نہ وہ دیکھنے کبھو آئی

کچھ کہا گر کسو نے شفقت سے
رو دیا اُن نے ایک حسرت سے

جا کے اُس کے قریب در بیٹھا
قصد مرنے کا اپنے کر بیٹھا

دل نہ سمجھا کہ اضطراب کیا
شوق نے کام کو خراب کیا

جو کہ سمجھے تھے اُس کو دیوانہ
رحم کرتے تھے آشنایانہ

عاشق اُس کو کسو کا جان گئے
سب بُرا اس ادا کو مان گئے

کیونکہ باہم معاش تھی سب کی | ایک جا بود و باش تھی سب کی
وارث اُس کے بھی بدگمان ہوئے | درپئے دشمنیِ جان ہوئے
مشورت تھی کہ مار ہی ڈالیں | دفعتاً اُس بلا کے تئیں ڈالیں
پھر یہ ٹھہری کہ ہوں گے ہم بدنام | سُن کے آخر کہیں گے خاص و عام
کیا گنہہ تھا کہ یہ جواں مارا | کن نے مارا اُسے کہاں مارا
ہووے یہ خونِ خفتہ گر بیدار | کھینچنی ہووے خفت بسیار
کیجے ایک ڈھب سے اُس کو تنگ | تا نہ عاید ہو اپنی جانب ننگ
تہمتِ خبط رکھیے اُس کے سر | کیجیے سنگسار اُس کو پھر
دے کے دیوانہ اُس جواں کو قرار | ہو گئے سارے درپئے آزار
ایک نے سخت کہہ کے تنگ کیا | ایک نے آ کے زیرِ سنگ کیا
ایک آیا تو ہاتھ میں شمشیر | ایک بولا کہ اب ہے کیا تاخیر
کی اشارت کہ کودکانِ شہر | آئے لبریز غصہ و پُر قہر
گرچہ ہنگامہ اُس کے سر پہ تھا | ایک روئے دل اُس کا اودھر تھا
محو تھا اُس کے یہ خیال کے بیچ | تھا گرفتار اپنے حال کے بیچ
ہونٹھ پر حسن کا بیاں اُس کا | تھا سر و سنگ آستاں اُس کا
ایک دم آہِ سرد بھر اُٹھنا | نالۂ گرم گاہ گاہ کر اُٹھنا
جی میں کہتا کہ آہ مشکل ہے | اس طرف ایک نگاہ مشکل ہے
دوست کو میرے نام سے ہے ننگ | دشمنوں سے ہے جی پہ عرصہ تنگ
چشمِ تر سے لہو بہا کرنا | صبح کے باد سے کہا کرنا
کاے نسیمِ سحر یہ اُس سے کہہ | مت تغافل کر اور غافل رہ
ان بلاؤں میں کوئی کیونکہ جیے | جان پر آ بنی ہے تیرے لیے

جان دوں تیرے واسطے سو تو
آنکھ اُٹھا کر ادھر نہ دیکھے کبھو

رفتہ رفتہ ہوا ہوں سودائی
دُور پہونچی ہے میری رسوائی

نام کو بھی ترے نہ جانا آہ
تجھ سے کیونکر سخن کی نکلے راہ

نا اُمیدانہ گر کروں ہوں نگاہ
دیکھتا ہوں ہزار روز سیاہ

سخت مشکل ہے سخت ہے بیداد
ایک میں خوں گرفتہ سو جلاد

کوئی مشفق نہیں کہ ہووے شفیق
بےکسی بن نہیں ہے کوئی رفیق

نالہ ہوتا ہے گہ گہے دل جو
گریہ آنسو سے پونچھتا ہے کبھو

آہ جو ہمدمی سی کرتی ہے
اب تو وہ بھی کمی سی کرتی ہے

چشم رکھتا ہے وصل کی یہ دل
جی ہے اب کیوں اسیر آب و گل

ورنہ ترکیب یہ کہاں ہوتی
صورت اک معنی نہاں ہوتی

اب ٹھہرتا نہیں ہے پائے ثبات
ایک میں اور کتنے تصدیعات

سنگباراں سے سخت ہوں دل تنگ
شیشۂ دل نہیں ہے پارۂ سنگ

محرم یک نگاہ بیش نہیں
کم ہے سینے میں جا کہ ریش نہیں

کیونکہ کہیے کہ تو نہیں آگاہ
اک قیامت بپا ہے یاں سر راہ

کچھ چھپا تو نہیں رہا یہ راز
ایک جہاں اس سے ہے خبر پرداز

بس تغافل ہوا ترحم کر
گوشۂ دل جانب تظلم کر

کون کہتا ہے رہ نہ محو ناز
پر نہ اتنا کہ جی سے جائے نیاز

اُن بلاؤں پہ اُن نے صبر کیا
اختیار اپنے جی پہ جبر کیا

اس طرف کو نہ دیکھنا چھوڑا
اس کے اندوہ سے نہ منہ موڑا

اور یہ ماجرا ہوا مشہور
شور رسوائیوں کا پہونچا دور

دیکھ کر اس کو بیخود و بیخواب
جانا ہر اک نے عاشق بیتاب

منہ پر اُس کے جو رنگ خون نہیں
عشق ہے اس کو یہ جنون نہیں

ہے نگہ اُس کی جس طرف مائل
اُس طرف ہی گیا ہے اُس کا دل

جب ہوا ذکر افل و اکثر میں
چاہ ثابت ہوئی اُسی گھر میں

عشق بے پردہ جب فسانہ ہوا
مضطرب کدخدائے خانہ ہوا

گھر میں جا بہر دفع رسوائی
بیٹھ کر مشورت یہ ٹھہرائی

یاں سے یہ غیرت مہ تاباں
جا کے چندے کہیں رہے پنہاں

شب محافے میں اُس کو کر کے سوار
ساتھ دے ایک دایۂ غدار

پار دریا کے جلد رخصت کی
اس طرح فکر رفع تہمت کی

گھر تھا اک آشنا کا مدِ نگاہ
واں ہو روپوش تا یہ غیرت ماہ

ہووے جب اس بلا سے خاطر جمع
نور افزائے خانہ ہو جوں شمع

گھر سے باہر محافہ جو نکلا
اس جواں ہی کے پاس ہو نکلا

طپشِ دل سے ہو کے یہ آگاہ
ہو لیا ساتھ اُس کے بھر کر آہ

واں کے رہنے سے اُس کو کام نہ تھا
وہ گلی اُس کا کچھ مقام نہ تھا

دست افشاں وہ پائے کوباں یہ
تھا محافے کے ساتھ گرم رہ

قطرہ زن اشک سا وہ راہ تمام
درپئے یار تھا یہ بے آرام

ہر قدم تھا زبان پر جاری
خواب ہے یا کہ ہے یہ بیداری

ہمسری اُس کی تھی میسر کب
ہے مجھے واژگوں سے عجب

شوقِ مفرط نے بے تہی کی سخت
ناشکیبی نے دل سے باندھا رخت

رفتہ رفتہ سخن ہوئے نالے
اُڑنے لاگے جگر کے پرکالے

اضطرابِ دلی نے زور کیا
اُن نے بے اختیار شور کیا

دل کے غم کو زبان پر لایا
آفت تازہ جان پہ لایا

کائے جفا پیشہ و تغافل کیش　　اک نظر سے زیاں نہیں کچھ بیش

مُنھ چھپایا ہے تُو نے اس پر بھی　　نگہہ التفات ایدھر بھی

صبر کس کس بلا سے کر گزروں　　چارہ اس بن نہیں کہ مر گزروں

ناز و خوبی نے دل دیا نہ تجھے　　رحم سے آشنا کیا نہ تجھے

اب تغافل نہ کر تلطف کر　　حال پر میرے ٹک تاسف کر

گوش زد دایہ کے ہوئے یہ سخن　　تھی وہ اُستاد کار حیلہ و فن

پاس اُس کو بُلا تسلّی کی　　وعدۂ وصل سے تشفی کی

لیک در پردہ اُن نے یہ ٹھانی　　کیجیے اس سے خصمیِ جانی

یہ تو دل تفتۂ محبت تھا　　سخت وارفتۂ محبت تھا

وقت نزدیک تھا جو آپہونچا　　تا سرِ آب پا بپا پہونچا

کشتی اک آن کر ہوئی موجود　　ہو فلک سے ہلال جیسے نمود

کی کنارے پہ لا کے استادہ　　تھا محافہ رکوب آمادہ

اس سفینہ میں جلد جا پہونچا　　یہ بھی واں ساتھ ہی لگا پہونچا

بیچ دریا میں دایہ نے جا کر　　کفش اس گل کی اس کو دکھلا کر

پھینکی پانی کی سطح پر اک بار　　اور بولی کہ او جگر افگار

حیف تیرے نگار کی پاپوش　　موج دریا سے ہووے ہم آغوش

غیرتِ عشق ہے تو لا اُس کو　　چھوڑ مت یوں برہنہ پا اُس کو

سُن کے یہ حرفِ دایۂ مکّار　　دل سے اُس کے گیا شکیب و قرار

بے خبر کارِ عشق کی تہہ سے　　جست کی اُن نے اپنی جاگہ سے

تھا سفینے میں یا کہ دریا میں　　موجِ زنجیر ہوگئی پا میں

کہتے ہیں ڈوبنے اُچھلتے ہیں　　لیکن ایسے کوئی نکلتے ہیں

دایہ حیلہ گر ہوئی دل شاد — واں سے کشتی چلی برنگِ باد

خارِ خارِ دلی سے فارغ ہو — لے گئی پار اُس گلِ نو کو

یہ نہ سمجھی کہ عشق آفت ہے — فتنہ سازی میں اِک قیامت ہے

قصہ کوتاہ بعد یک ہفتہ — آئی وہ رشکِ مہ زخود رفتہ

کہنے لاگی کہ اب تو اے دایہ — ہوگیا غرق وہ فرو مایہ

اب تو وہ ننگ درمیاں سے گیا — آرزومند اس جہاں سے گیا

تھے جو ہنگامے اس کے حد سے زیاد — ساتھ اُس کے گئے وے شور و فساد

شور فتنے تھے اس تلک سارے — اب تو بدنامیاں نہیں بارے

دل تڑپتا ہے مُتصل میرا — مُرغِ بسمل ہے یا کہ دل میرا

وحشتِ طبع اب تو افزوں ہے — حال جی کا مرے دگرگوں ہے

بیدماغی کمال ہوتی ہے — جان تن کا وبال ہوتی ہے

دل کوئی دم میں خون ہووے گا — آج کل میں جنون ہووے گا

بے کلی جی کو تاب دیتی ہے — طاقتِ دل جواب دیتی ہے

جی میں آتا ہے ہوں بیابانی — پر کہوں ہوں کہ ہے یہ نادانی

مصلحت ہے کہ مجھ کو لے چل گھر — ایک دو دم رہیں گے دریا پر

گاہ باشد کہ دل مرا وا ہو — ورنہ کیا جانئے کہ پھر کیا ہو

دایہ بولی کہ اے سراپا ناز — حُسن کا در پہ تیرے روئے نیاز

اب تو میں فتنے کو سُلایا ہے — اس بلا کے تئیں بٹھایا ہے

کون مانع ہے گھر کے چلنے کا — شدرہ کون ہے نکلنے کا

یہ نہ سوچی کہ بد بلا ہے عشق — گھات میں اپنی لگ رہا ہے عشق

جس کسو سے یہ پیار رکھتا ہے — عاقبت اُس کو مار رکھتا ہے

صبح گاہاں وہ غیرت خورشید    اس جگہ سے رواں ہوئی نومید
پہونچی نصف النہار دریا پہ    روئی بے اختیار دریا پر
حد سے افزوں جو بے قرار ہوئی    دایہ کشتی میں لے سوار ہوئی
حرف زن یوں ہوئی کہ اے دایہ    یاں گرا تھا کہاں وہ کم مایہ
موج سے تھا کدھر کو ہم آغوش    تھا تلاطم سے کس طرف ہم دوش
تجھ کو آیا نظر کہاں آکر    پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جاکر
مجھ کو دیجو نشان اُس جا کا    میں بھی دیکھوں خروش دریا کا
فکر میں گرچہ دایہ تھی کامل    لیک تہہ سے سخن کے تھی غافل
یہ نہ سمجھی کہ ہے فریبِ عشق    ہے یہ مہ پارہ ناشکیبِ عشق
بیچ دریا کے جا کہا یہ حرف    یاں ہوا تھا وہ ماجرائے شگرف
سُنتے ہی یہ کہاں کر کر    گر پڑی قصد ترکِ جاں کر کر
موج ہر اک کمندِ شوق تھی آہ    لپٹی اُس کو بہ رنگِ مارِ سیاہ
جا ہم آغوش مردہ یار ہوئی    تہہ میں دریا کے ہم کنار ہوئی
پاک کی زندگی کی آلائش    ہو کے دست و بغل کی آسائش
سر پٹکنی جو گھر گئی دایہ    آفت اک لے گئی نئی دایہ
خلق یک جا ہوئی کنارے پر    حشر برپا ہوئی کنارے پر
دام داروں سے سب نے کام لیا    آخر اُن کو اسیر دام کیا
نکلے باہم ولے موئے نکلے    دونوں دست و بغل ہوئے نکلے
ربط چسپاں بہم ہویدا تھا    مر گئے پر بھی شوق پیدا تھا
ایک کا ہاتھ ایک کی بالیں    ایک کے لب سے ایک کو تسکیں
جو نظر اُن کو آن کرتے تھے    ایک قالب گمان کرتے تھے

حیرت کارِ عشق سے محروم		شکل تصویر آپ میں تھے گم

---

# مثنوی شعلہ عشق

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور		نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت سے کس کو ہوا ہے فراغ		محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ
محبت کی ہیں کارپردازیاں		کہ عاشق سے ہوتی ہیں جاں بازیاں
محبت سے ہی دل کو رو بیٹھیے		محبت میں جی مفت کھو بیٹھیے
محبت لگاتی ہے پانی میں آگ		محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ
محبت سے ہے انتظامِ جہاں		محبت سے گردش میں ہے آسماں
محبت سے رونے گئے یار خوں		محبت سے ہو ہو گیا ہے جنوں
نئے اس کے چرچے حکایت سنی		گہے شکر گاہے شکایت سنی
کب اس عشق نے تازہ کاری نہ کی		کہاں خون سے غازہ کاری نہ کی
عجب کام پٹنے میں اس سے ہوا		عجب اہلِ عالم کو جس سے ہوا

که واں اک جواں تھا پرس رام نام
خوش اندام و خوش قامت و خوش خرام

جدھر نکلے رنگیں ادائی کے ساتھ		چلے جائیں جی خوش نمائی کے ساتھ
نگہ گرم اُس کی جدھر جا لڑی		کہے تو کہ اُودھر کو بجلی پڑی
فدا اُس پہ جی جان ہر ایک کا		کہ مقصودِ دل تھا بد و نیک کا
کئی گرد و پیش اس کے وارفتگاں		کئی ایدھر اُودھر جگر تفتگاں
انہوں میں سے اک عاشقِ زار تھا		اُس آفت سے اُس کو سروکار تھا

محبت میں تھا جذب کا یہ اُسے — مرادِ دل اپنی تھی حاصل اُسے
شب و روز ہم بسترِ کامِ دل — ہمیشہ ہم آغوشِ آرامِ دل
بہم ربط پنہاں بہم اختلاط — نہ کم ہوتی گرمی نہ کم اختلاط
کہاں حُسن میں تھا وفا کا یہ پاس — یہ سُنیئے کہ ہے گا خلافِ قیاس
بہت سے بہت اُس کا مالوف تھا — اُسی کی تسلّی سے مصروف تھا
کہ ناگہ وہ دلبر ہوا کہ خُدا — رہا اپنے عاشق سے چندے جُدا
زن و شو سے اخلاص باہم ہوا — اُس آشفتہ سے رابطہ کم ہوا
وفا نے جو تکلیف کی ایک زور — گیا اپنے عاشق کہ وہ دل فروز
کئی دن میں جا کر جو اُس سے مِلا — کیا اُس نے حد سے زیادہ گِلا
کہ اے نازنیں آہ کن نے کہا — کہ تُو حال سے میرے غافل رہا
مگر سدِّ رہ تھا کسو کا فریب — مِلا کوئی تجھ سے بھی دشمن شکیب
کہا اُن نے تھی کدخُدائی مری — نہ تھی بے سبب یہ جُدائی مری
رکھا اب مجھ کو معذور ناچار ہوں — محبت کا ہیں تو گرفتار ہوں
نہ فرصت مجھے صبح اب ہے نہ شام — طرف اس کے ہے دل کو میلِ تمام
اُسے بھی مرے ساتھ اخلاص ہے — دلوں کو بہم رابطہ خاص ہے
نہ دیکھے جو مجھ کو تو مر جاوے وہ — وہیں جی سے اپنے گزر جاوے وہ
جو پہنچے مری جھوٹ اُسے بد خبر — تو کر بیٹھے بیچ اپنے جی کا ضرر
یہ سُن کر کہا اُس دل افگار نے — ستم کشتۂ دوریِ یار نے
کہ مجھ کو نہیں تیری باتیں قبول — یہ مکرِ زناں ہیں تُو ان پر نہ بھول
وفا کن نے ان ناقصوں ہیں سے کی — موا شوئے کس کا کہ وہ پھر نہ جی
پئے امتحاں عاقبت یک نفر — مقرر ہوا تا کہ جا اُس کے گھر

کہے غرق دریا ہوا پرس رام
ہوئی زندگی کی صبح اُس کی شام

سُنا اُس کے ہمسر نے جب یہ سُخن
ہوا موج زن بحر رنج و محن

نگہ اک طرف در کے مایوس کی
دم سرد کھینچا گیا ڈوب جی

ہوئی غم میں اُس جملہ تن ناز کے
گئی جان ہمرہ سخن ساز کے

وہ آیا جو تھا دل پریشاں گیا
کہ اس واقعے سے پشیماں گیا

خبر لے گیا اُس کنے زود تر
جو تھا در پئے امتحاں بے خبر

گیا ہوش سُن کر پرس رام کا
دوانہ ہوا عشق کے کام کا

گئے ہوش و صبر اس کے اک بارگی
طبیعت میں آئی اک آوارگی

سراسیمگی سے بگولا ہوا
پھرے اس طرح جیسے بھُولا ہوا

نہ جی کو تسلّی نہ دل کو قرار
کفِ غم میں سر رشتۂ اختیار

کبھو یاد کر اُس کو نالاں رہے
کبھو ٹک جو بھُولے تو حیراں رہے

کبھو یاں کبھو واں بحالِ خراب
وہی بے قراری وہی اضطراب

رہے گھر تو آشوب گہ وہ گلی
چمن میں جو لے جائیں تو بے کلی

کبھو متصّل ہونٹ پہ آہِ سرد
کبھو دست بر دل کہ دل میں ہے درد

ہوئی رفتہ رفتہ جو وحشت زیاد
لگا بھاگنے سب سے وہ نامراد

کچھ اپنے بد و نیک کی سُدھ نہیں
نکل جائے تنہا کہیں کا کہیں

کبھو جا کے صحرا سے لادیں اُسے
کبھو رونے دریا پہ پاویں اُسے

کبھو خاک ملتا ہے مُنہ پر کھڑا
کہیں ہے خرابی میں بے سُدھ پڑا

سرِ شام اک روز دریا گیا
ہوئی رات واں سے نہ آیا گیا

کنارے پہ رہتا تھا اک رام داس
رہا رات اُس کے بہ قربِ جوار

کہا اُس کی عورت نے اُس رات کو
نہیں تجھ سے جی چاہتا بات کو

تجھے فکر کچھ اب ہماری نہیں
تُو جاتا نہیں شام سے اب کہیں

ترا شب کو دریا میں پڑتا تھا دام
تو چلتا تھا بارے معیشت کا کام

تو جاتا نہیں شب کو جس روز سے
معیشت ہے اندوہِ جاں سوز سے

نہیں طاقتِ صبر ہم کو تنک
بہت دیر ملتا ہے نان و نمک

وہ بولا کہ میں بھی پریشان ہوں
بہت تنگ دستی سے حیران ہوں

کہوں کیا کئی روز سے شام کو
اُٹھاتا ہوں میں اس سبب دام کو

کہ یک شعلۂ تند پُر پیچ و تاب
فلک سے اُترتا ہے نزدیک آب

کوئی دم تو رہتا ہے سرگرم گشت
کبھی سوئے دریا کبھی سوئے دشت

ٹھہرتا جو ہے پھر کنارے پہ واں
کہے ہے پرس رام تو ہے کہاں

یہ آتش مرے دل کی کیوں کر بجھے
عدم میں بھی میں نے نہ پایا تجھے

کیا عشق نے مجھ کو آتش کا باب
نہ چھڑکا مری آگ پر تُو نے آب

گیا وہ یہ کہہ کر سوئے آسماں
رہے ہو مجھے رات دن خوفِ جاں

سنا حال شعلے کا صیاد سے
دُھواں اک اُٹھا جانِ ناشاد سے

ہوا شعلۂ شوق دل سے بلند
رہا ٹوٹتا آگ میں جوں سپند

گئی رات جُوں تُوں ہوئی صبح جب
زیادہ ہوئی عشق کی تاب و تب

محبت نے کی اشتعال اک کہ وہ
سراسیمہ آیا چلا اس جگہ

جہاں سے اُٹھی تھی یہ آتش سلگ
پھر اس کے جگر کو لگی گھر کو لگ

تبسّم کناں واں پہ اُن نے کہا
کہ کلفت میں غم کی بہت میں رہا

چلو سیرِ کشتی کو ہنگامِ شب
لبِ آب خالی کریں دل کو سب

ہوئے عاقبت سوئے دریا رواں
نہ پیدا کسو پر یہ رازِ نہاں

کہ اک آگ سُلگی ہے واں یک کنا
محبت کمیں میں ہے سرگرم کار

کِسو اشتعالک کی ہے منتظر
ہوئے ناؤ پر شامگہ جب سوار
جہاں قفل ہو راہِ دریا تو واں
اُسے ساتھ لو تو بڑی بات ہے
لیا آخرالامر ہمراہ اُسے
تنک دُور چل کر کیا یہ سوال
کہاں شعلۂ سرکش آتا ہے یاں
کہاں لے ہے دریا پہ اک دم قرار
یہ صیاد سے تھا ہی محوِ سراغ
کہ ہو کر فروغ اک سوئے آسماں
کوئی دم میں دریا پہ آیا فرود
لبِ آب وہ شعلۂ جاں گداز
پُکارا کہاں ہے پرس رام تُو
کہ ہیں جملہ تن آتشِ تیز ہوں
بھڑکتی ہے جب آگ دل کی مرے
مگر سوزشِ دل ہو کم آب سے
سو یہ آب رکھتا ہے روغن کا کام
یہ بے تاب سُن کر ہوا بے قرار
ہوا ہم دم اُس آتش انگیز سے
کہ میں ہوں پرس رام خانہ خراب
مرے بھی جگر میں یہی سوز ہے

جہاں سر کو کھینچا قیامت ہے پھر
کہا اُن نے یاں ایک ہے دام دار
کفایت ہے اُس گُل بدن کی زباں
کہ دریا میں پھرتا ہے اور رات ہے
بٹھایا قریب اپنے یہ کہہ اُسے
مجھے ہے ترے حرفِ شب کا خیال
کدھر پیچ و تاب آکے کھاتا ہے یاں
کدھر مضطرب ہو کرے ہے گُزار
جگر آتشِ شوق رکھتی تھی داغ
تڑپنے لگا جیسے آتش بجاں
ہوا نیزہ بالا سبھوں کا نمود
تڑپ کر بہت بازبانِ دراز
محبت کا ٹک دیکھ انجام تُو
دلِ گرم سے شعلہ انگیز ہوں
لبِ آب اُتروں ہوں غم میں ترے
تجھے جی مرا اس تب و تاب سے
کیا عشق نے آہ دشمن کا کام
سفینے سے اُترا بصد اضطرار
کہا اُس بلائے دل آویز سے
مرا دل بھی اس آگ سے ہے کباب
یہی مجھ کو جلنا شب و روز ہے

محبت تری برقِ خرمن ہوئی — تری دوستی جی کی دشمن ہوئی

سخن مختصر کچھ وہ شعلہ چلا — کچھ اک اپنی جاگہ سے یہ دل چلا

بہم گرمجوشی سے یک جا ہوئے — کہ گزری تھی مدت بھی تنہا ہوئے

وہ شعلہ رہا ایک جا مشتعل — کہے تو تسلی ہوئے جان و دل

یکایک بھڑک کر وہ جلنے لگا — پھر ایدھر اُدھر پھرنے چلنے لگا

گیا پاس پانی کے آ کر صعود — رہی روشنی سی کوئی دم نمود

پھر آگے کسو پر نہ پیدا ہوا — نہ جانا کہ وہ شعلہ پھر کیا ہوا

خبردار ہو اہلِ کشتی تمام — لگے کہنے باہم نہیں یہ بس رام

اُٹھے ڈھونڈنے ہو کے سب ناصبور — کنارے پہ دریا کے نزدیک و دور

نہ پایا کہیں اُس کو حیراں ہوئے — نہایت ہی خاطر پریشاں ہوئے

وہ صیاد بولا کہ دوں میں نشاں — گیا تھا سوئے شعلہ یہ نوجواں

یہ اور آگ دونوں ہوئے ہم سخن — وہ شعلہ ہوا اس پہ آتش فگن

لپٹ اُس کو شعلہ ہی وہ لے گیا — عجب طور کا داغ یہ دے گیا

اگر ہے یہ قصہ بھی حیرت فزا — ولے میر یہ عشق ہے بد بلا

بہت جی جلائے ہیں اس عشق نے — بہت گھر لٹائے ہیں اس عشق نے

فسانوں سے اس کے لبالب ہے دہر — جلائے ہیں اُس تُند آتش نے شہر

محبت نہ ہو کاش مخلوق کو — نہ چھوڑے یہ عاشق نہ معشوق کو

# مثنوی عشقیہ

عجب عشق ہے مردِ کار آمدہ | جہاں دو توں اس کے ہیں برہم زدہ

جہاں جنگ صف کی یہ ظالم لڑا | صف اُلٹی جہاں ایک مارا پڑا

جواں کیسے کیسے موئے عشق میں | بہت گھر خراب ہوئے عشق میں

بہت عشق میں لوگ روگی ہوئے | بہت خاک مل مُنہ پہ جوگی ہوئے

گئے دشت میں کچھ نمار مو ہُوئے | کچھ اک شہر میں پھر کے یکسُو ہوئے

بہت جان ناکام دیتے گئے | تمنّائے دل ساتھ لیتے گئے

بہت اہلِ اسلام کافر ہوئے | بہت اوّل عشق آخر ہوئے

ہت جُرمِ اُلفت پہ مارے گئے | جُو اعشق بازی کا ہارے گئے

ہوئے خانداں کیسے کیسے خراب | جواں جُوں جوانی گئے کیا شتاب

گیا عشق جس دن سے مرتے رہے | جیون ہی کا اندیشہ کرتے رہے

کیے عشق نے جی سے مارا نہیں | یہ وہ درد ہے جس کا چارہ نہیں

دوا عشق کی سخت نایاب ہے | سرِ عاشقاں سنگ کا باب ہے

کہیں بادشہ اس سے درویش ہیں | کہیں اس سے درویش دل ریش ہیں

کہیں پڑ گئے اس سے فتنے فساد | رہے زیرِ شمشیر حد سے زیاد

اُٹھا عشق کا شور عزلت گزیں | گئے دشت گردی کو کر ترک دیں

ہوا عشق سے مجلسِ حالِ دہر | تواجد لگے کرنے شیخانِ دہر

گیا عشق میں ترک صوم و صلوٰت | گئے اہلِ مسجد سوئے سومنات

مُسلماں ہوئے عشق میں برہمن | گئے کعبے کو چھوڑ دینِ کہن

نہ سبحہ نہ زنار نے کفر و دیں
جہاں سب ہے عشق اور کچھ بھی نہیں

کہیں اس کو لڑتے سے پایا معاف
کہیں ان نے میدان مارے ہیں صاف

کہیں مومنانہ اسے وردِ دیں
کہیں کافرانہ ہوا بے یقیں

غرض عشق ہے طرفہ نیرنگِ ساز
کہیں ناز یک سر کہیں بے نیاز

حکایت ہے عشقی حکایات میں
کہ افغاں پسر ایک گجرات میں

جواں خوش تھا پُر کار و پرہیزگار
بہت حُسن کا اُس کے واں اشتہار

بہ صورت بہ طاعت بہ دامانِ پاک
نہ دامن پہ مانندِ گُل گردِ خاک

اگر ہووے حُورِ بہشتی دوچار
وہ دریائے حُسن اس سے ڈھونڈی کنار

رہے محوِ پاکیزگی و صلوٰت
نہ ہوں ترک سہواً کبھی واجبات

جوانی کا ہنگام طاعت کا صرف
لبِ سُرخ پر دلبروں کا نہ حرف

بہت پاک دامن معیشت ہوئی
نظافت نزاہت میں مدّت ہوئی

کہ ناگاہ اس راہ یک زن گئی
جیون پر خُدا جانے کیا بن گئی

جواں کی نظر شرم گیں جا لڑی
وہ شرمائی آنکھ اُس کے اوپر پڑی

نہ دل مُستقل ناشکیبا ہوا
دلِ طرفِ ثانی بھی بے جا ہوا

حیا دار تھی زن گئی اپنے گھر
وفادار تھا یہ رہا دیکھ اُدھر

کیا چند شرطِ وفا ہی کا پاس
لگے رہنے دونوں گھروں میں اُداس

کئی دن میں ہندو زن آنے لگی
لئے پانی اس راہ جانے لگی

نگاہیں ہوئیں ہم دگر آشنا
محبت کا دونوں نے پانی بھرا

یہی مدّتوں دیکھا دیکھی رہی
دلوں کی کسو سے نہ ہرگز کہی

جیون میں شب و روز مرتے رہے
ولے پاس ظاہر کا کرتے رہے

رہے دیر تک دونوں ناکام عشق
نہ آیا لبوں پر کبھو نامِ عشق

یہ کیا دخلِ اظہارِ اُلفت کریں　　یہی بستہ لب مشقِ حیرت کریں
ہوا ناگہاں شوہرِ زن مریض　　نہایت ہوئی تپ طویل و عریض
دموں پر بھی وہ رفتنی کم رہا　　ٹھہر کر گئے دم ہوا ہو گیا
جلانے کی تیاری کرنے چلے　　جلی زن بھی تا ساتھ اس کے جلے
لگی جلنے چھوڑا نہ اصرار کو　　خبر پہنچی اُس نو گرفتار کو
اُٹھا واں سے بے تاب آیا چلا　　اسے دیکھ جلتے بہت جی جلا
کہا ہم کو کیا کہنی ہو اس گھڑی　　نظر اُس کی جلتے جو اُس پر پڑی
کہا آئے ہو تو چلے آؤ تم　　شتابی کرو جو ہمیں پاؤ تم
یہ بے تاب تھا آگ پر پھر پڑا　　پتنگا سا اُس شعلے پر گر پڑا
لگے آئے تھے کتنے الفار ساتھ　　وہیں کھینچ لائے اُسے ہاتھوں ہاتھ
چلے ادھ جلا لے کے سب اُس کو گھر　　ہوا گرم ہنگامہ اک یہ ادھر
قدم کتنے چل کر وہ آتش بجاں　　ہوا یوں سخن زن کہ اے دوستاں
نہیں متصل راہ چلنے کی تاب　　کہ ہوں نیم سوز آگ کا میں کباب
کہیں مجھ کو سائے میں ٹھہرائیے　　جو دم ٹھیرے تو آگے لے جائیے
توقف کیا سب نے زیرِ درخت　　کہا واقعی رنج کھینچا ہے سخت
اُٹھانے کو کہنے تو کہلائے تھا　　دل اس کا اُدھر ہی کھنچا جائے تھا
اگر آنکھیں کھلتیں تو ادھر نظر　　ہوئی خاک معشوقہ جل کر جدھر
گیا منتظر اُس کو وہ دن تمام　　نظر کر کے کیا دیکھتا ہے کہ شام
خراماں چماں آتی ہے وہ پری　　وہی ناز عشوہ وہی دلبری
اسی طرز و انداز و خوبی کے ساتھ　　اُٹھایا اُسے ہاتھ میں لے کے ہاتھ
گئی اُس طرف لے جدھر تھی چلی　　نظر کرتے تھے واقعی یہ سبھی

ولے ماہیت کو کس کا جگر — کہ حیران سب رہ گئے دیکھ کر
ہوئے جاتے جاتے نظر سے نہاں — گیا عشق کیا جانے لے کر کہاں
بہت سے ہوئے لوگ گرم سُراغ — کنھوں نے نہ پایا نشاں غیر داغ

---

# مثنوی معاملاتِ عشق

عشق لایا ہے آفتیں کیا کیا — اس سے آئیں قیامتیں کیا کیا
عشق نے چھاتیاں جلائی ہیں — آگیں کس کس جگہ لگائی ہیں
عشق کے دل فگار سارے ہیں — ان نے کیا کیا جوان مارے ہیں
سیر قابل ہیں اس کے دیوانے — سُننے کے گوں ہیں اُن کے فسانے
وصل میں جن کے دل رہیں بے جا — فصل ہو تو انہوں کا حال ہو کیا
اس بلا سے مجھے بھی کام ہوا — عاشق زار میرا نام ہوا
قصہ میرا بھی سانحہ ہے عجب — کس پہ گزُرا ہے یہ ستم یہ غضب
ایک صاحب سے جی لگا میرا — اُن کے عشووں نے دل ٹھگا میرا
ابتدا میں تو یہ رہی صحبت — نام سے اُن کے تھی مجھے اُلفت
خوبی اُن کی جو سب کہا کرتے — گوش میرے اُدھر رہا کرتے
بخت برگشتہ پھر جو یار ہوئے — اک طرح مجھ سے وے دوچار ہوئے
کیا کہوں طرز دیکھنے کی آہ — دل جگر سے گزُر گئی وہ نگاہ
چُپکے مُنہ اُن کو دیکھ رہنا میں — جی میں کیا کیا یہ کچھ نہ کہنا میں
وے تو ہر چند اپنے طور کے تھے — پر تصرف میں ایک اور کے تھے

کرتے ظاہر ہیں احتیاط بہت
مجھ سے بھی رکھتے اختلاط بہت

بات کی طرز میری ہی بھاتی
میری آزردگی نہ خوش آتی

پیار چتون سے پھر نکلنے لگا
دیکھنا دل کو میرے ملنے لگا

نہیں دیکھوں تو بات دہر کہیں
بے دماغ اور بے گمان رہیں

کچھ کچھ آزار مجھ کو دینے لگے
قسم اقسام مجھ سے لینے لگے

میں جو کھاتا قسم تو ہو برہم
کہنے لگتے کہ کیا گدا کی قسم

ایک دو دن میں بعد رفعِ ملال
لُطف سے پوچھتے کبھو کچھ حال

جو گزرتی تھی مجھ پہ میں کہتا
یا کوئی اشک آنکھ سے بہتا

دیکھ کر روتے آپ بھی روتے
دل دہی کرتے جب تلک سوتے

ایک مدت تلک یہ صحبت تھی
کبھی اُلفت کبھو یہ کلفت تھی

رفتہ رفتہ سلوک بیچ آیا
ہاتھ پاؤں کو اپنے لگوایا

گاہ بے گاہ پاؤں پھیلاتے
میری آنکھوں سے تلوے ملواتے

چل کر آتے تھے جب کبھو ایدھر
پاؤں رکھتے تھے میری آنکھوں پر

دیکھنے میں تو پائمالی تھی
حُسن سے چال یہ نہ خالی تھی

چلتی چھاتی تو ہوتا میں سائل
کہ ٹک اے سرو ہو ادھر مائل

کفِ پا رکھئے یاں تو احساں ہے
تیرے پاؤں تلے مری جاں ہے

ہنس کے سینے پہ پاؤں رکھ دیتے
دل مرا یوں بھی ہاتھ میں لیتے

اب جو ثابت ہوئی ہے میری چاہ
اس کو مدّ نظر ہے مجھ سے نباہ

نہیں آزار کی روا داری
مہر درزی ہے یا وفاداری

پر جو معشوقی آب و گل میں ہے
چھیڑ رکھنے کا شوق دل میں ہے

خواہ ناخواہ وہ نہیں منظور
کہ رہے دل شُدہ مرا رنجور

یہ بھی شوخی سے ہے گہے گاہے — پر اس انداز سے کہ جی چاہے
ایک دن فرش پر تھا میرا ہاتھ — باتیں کرتے تھے وے بھی میرے ساتھ
پانوں سے ایک اُنگلی مل ڈالی — لُطف سے درد وہ نہ تھا خالی
درد سے کی جو میں نے بیتابی — دستِ نازک سے دیر تک دابی
یاد آتے ہیں ایسے لطف جواب — گزرے ہیں جانِ غم زدہ پہ غضب
تن بدن دیکھ جی نہ رہتا تھا — میں جو گستاخ ہو کے کہتا تھا
کہ یہ جا گہ تم اس فقیر کو دو — متبسّم ہو کہتے وے یہ لو
یہ بھی کیا کیا خیال رکھتے ہیں — آرزوئے محال رکھتے ہیں
پھر گھڑی بھر میں کہتے ہو نہ ملول — مار کھانے کی باتیں سب ہیں قبول
جب سلوک ان کا یاد آتا ہے — کیا کہوں جی ہی بھول جاتا ہے
دوستی رابطہ وفا اخلاص — ساتھ میرے تھا اُن کو رابطہ خاص
میں تقاضائی ملنے کا رہتا — مختلط ہونے کو سدا کہتا
میری تسکیں تھی ہر زماں منظور — آپ بھی کرتے ملنے کا مذکور
وصل کے وعدے ہی رہا کرتے — آج کل رات دن کہا کرتے
دل تو تھا رحم آشنا ازبس — کُڑھتے تھے جان کر مجھے بیکس
جانتے تھے کہ ہے یہ دل دادہ — سینہ خستہ خاک اُفتادہ

دیکھتے مجھ کو جو پریشاں دل
کہتے اے میر کچھ نہیں حاصل

دیکھ ٹک تو ہی تیرا حال ہے کیا — جانے دے اب بھی یہ خیال ہے کیا
آفتِ جاں ہے دوستی کرنا — کب تلک گھٹ کے اس طرح مرنا
ہیں جو دیوانہ اُن کے رو کا تھا — شیفتہ بیچد ار مو کا تھا

کچھ نہ سمجھی گئی کہن اُن کی — اب جُدائی جو ہے کٹھن اُن کی
یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں — وعدہ بن ہی ہلاک ہوتا ہوں
میں بھی مقدور تک وفا کی ہے — جانِ غم ناک پر جفا کی ہے
برسوں تک میں پھرا ہوں سرگرداں — روز و شب دونوں تھے مجھے یکساں
نے فقط جان سے جہان سے گیا — زن و فرزند خانمان سے گیا
کیچ پانی ہو مینھ ہو یا برسات — روز روشن ہو یا اندھیری رات
اُن تلک میرے تئیں پہونچ رہنا — بیٹھے مُنہ دیکھنا نہ کچھ کہنا

آشنا یار سارے بیگانے
کہ ہوئے میر جی تو دیوانے

رشتۂ ربط اُنھوں نے توڑ دیا — مِلنا جُلنا سبھوں سے چھوڑ دیا
نظر آتے نہیں ہیں مدّت سے — اُنس پیدا کیا ہے وحشت سے
صبح ہوتے ہی گھر سے چلتے ہیں — جیسے کھوئے گئے نکلتے ہیں
چلے جاتے ہیں دیکھتے ہی راہ — پر کہیں کی کہیں پڑے ہے نگاہ
مِل گیا جو کوئی تو بچ نکلے — سڑی خبطی دوانے بچ نکلے
شوق سے اُن کے حال دیگرگوں — پارہ پارہ دل و جگر سب خوں
رنگ ہر دم مزاج کا کچھ اور — کل کا کچھ اور آج کا کچھ اور
کیا بیاں کریئے بےقراری کا — ذکر کیا حال اضطراری کا
جی پڑا ترے ساتھ سونے کو — دل پریشان جمع ہونے کو
پاس اُن کے رہوں تو دل کو قرار — پھر نہ ٹھہرے ٹک ایک کریئے ہزار
گئی برباد عزت اُن کے لئے — خلف لوگوں نے منھ پہ طعنے دیئے
گھوڑے پر سے جو اُٹھ نہ سکتے تھے — وے بھی کناس پوچ بکتے تھے

سفر آیا جو اُن کے تئیں درپیش ساتھ اس رنج میں بھی تھا درویش

کیا کہوں جو اذیتیں دیکھیں ہر قدم پر قیامتیں دیکھیں

بارے کچھ پڑ گیا ہمارا ربط ہو سکا پھر نہ دو طرف سے ضبط

تب ہوا بیچ سے یہ رفع حجاب جب بدن میں رہی نہ مطلق تاب

ایک دن ہم وے متصل بیٹھے اپنے دل خواہ دونوں مِل بیٹھے

شوق کا سب کہا قبول ہوا یعنی مقصودِ دل حصول ہوا

واسطے جس کے تھا میں آوارہ ہاتھ آئی مرے وہ مہ پارہ

گہہ گہے دست دی ہم آغوشی ہمسری ہم کناری ہمدوشی

چند روز اس طرح رہی صحبت پیار اخلاص رابطہ اُلفت

کچھ کہوں جو اُنہوں کی ہو تقصیر
نارسائی تھی طالعوں کی میرؔ

ہو گئے بخت اپنے برگشتہ پھر کیا آسماں نے سرگشتہ

بات ایسی ہی اتفاق پڑی کہ ہوئی سر پہ فرقت آن کھڑی

لگی کہنے کہ مصلحت ہے یہ کتنے روزوں جدا تو مجھ سے رہ

یوں بھی آتا ہے عشق میں درپیش کہ نشانِ بلا ہوں اُلفت کیش

میں اُٹھانا نہیں ہے تجھ سی ہاتھ گر تہمت تو ہے میری جان کے ساتھ

اس جدائی کا مجھ کو بھی غم ہے کیا کروں آبرو مقدم ہے

میں کہوں کیا مجھے نہ اپنا ہوش جیسے تصویر سامنے خاموش

آنسو آنکھوں میں پر نہ بہنے جاؤں وے کہیں کچھ تو ہاں کئے جاؤں

ان سے رخصت ہوئے جو بعد شام تیرہ دیکھا جہان کو ہر گام

دل ٹھہرتا نہ تھا ملالت تھی جان کو رفتگی کی حالت تھی

یوں ہوا اُن کے کوچہ سے آنا — جیسے ہووے جہان سے جانا
اب جو گھر میں ہوں تو فسردہ سا — چارپائی پہ ہوں تو مردہ سا
جی اُنہوں میں فسردہ قالب یاں — متحرک ہو کیا تنِ بےجاں
حال دل کا کہوں جو ہمدم ہو — کروں پیغام کچھ جو محرم ہو
جی میں کچھ آیا رو کے بیٹھ رہا — دل زدہ چپکا ہو کے بیٹھ رہا
کوئی آیا جو واں سے جی آیا — سو نہ آیا کبھی کبھی آیا
دیکھیے چند یوں رہیں گے جُدا — چاہیے ہے کیا ہمارے حق میں خدا
خونِ دل کب تلک پئیں گے ہم — رنگ یہ ہے تو کیا جئیں گے ہم
آہ کیا کیا بیاں کروں خوبی — دل دہی حال پُرسی محبوبی
تُند ہو کر نہ بات کو کہنا — ملتفت حالِ زار پر رہنا
لُطف مبذول حال پر ہر آن — تازہ ہردم مروّت و احسان
لب سے جاں بخش حرف سے دلجو — لُطف سے پوچھنا کہ خوش ہے تو
یاد کر روؤں اُن کی کون سی بات — کس طرح کاٹوں ہجر کے اوقات
ملنا اُن سے ہو پھر گھٹے غم بھی — آئے جیتوں میں جانیے ہم بھی
مدّتِ ہجر اگر تمام ہوئی — ورنہ اپنی تو صبح شام ہوئی

---

## مثنوی جوشِ عشق

ضبط کروں میں کب تک آہ اب — چل اے خامے بسم اللہ اب
کر ٹک دل کا رازِ نہانی — ثبتِ جریدہ میری زبانی
یعنی میرا اک خستۂ غم تھا — سرتاپا اندوہ و الم تھا

آنکھ لڑی اُس کی اک جاگہ
بے خود ہو گئی جانِ آگہ

صبر نے چاہی دل سے رُخصت
تاب نے ڈھونڈی اک دم فرصت

خونِ جگر ہو بہنے لاگا
پلکوں ہی پہ رہنے لاگا

خواب و خورش کا نام نہ آیا
ایک گھڑی آرام نہ پایا

چاکِ جگر سے محبّت ٹپکی
آنسو کی جاگہ حسرت ٹپکی

سوز سے چھاتی تابہ گویا
اور پلک خون تابہ گویا

آہ سے اُس کی مشکل جینا
درد فقط تھا سارا سینہ

دل میں تمنّا داغ جگر میں
شیون لب پہ یاس نظر میں

نالے شب کو اُس کے سُن کر
مر گئے کتنے سر کو دُھن کر

آہ و فغاں ہے اُس کے لب پر
روز ہے اب تک آفت سب پر

رُو و جبیں پہ خراشِ ناخن
داغوں سے خوں کے قیامت گلبن

زخم سینہ دل تک پہونچا
کوئی نہ اُس گھائل تک پہونچا

آبلہ دل کا جب کوئی پھوٹا
فوآرہ لہو کا چھوٹا

غم نے تو دل میں کیا ہے چھوڑا
پر یہ تھا اک پکّا پھوڑا

سو نہ گیا یک دم وہ بےکل
بخت نہ جاگے اُس کے اک پل

کام رہا ناکامی ہی سے
تسکیں بے آرامی ہی سے

رُخساروں پر خون رواں ہو
دل میں ہو سو مُنہ پہ عیاں ہو

دشنۂ غم سے سینہ کوچا
ناخن سے مُنہ سارا نوچا

دست بدل ہر آن رہے وہ
بے طاقت بے جان رہے وہ

رنگ شکستہ بس کہ فسردہ
کہنے کو زندہ لیکن مُردہ

دیدۂ تر کے دریا قائل
ساحل خُشک لبی کے سائل

خاک بسر آشفتہ سری سے
شورِ قیامت نوحہ گری سے

سر تا پا آشفتہ دماغی
داغِ جنوں دے جس کو چراغی

غم سے گرچہ دم بھی کہیں تھا
چاہے ہیں اک تار نہیں تھا

گل اُن نے از بس کہ کھائے
پھولوں کی چھڑیاں ہاتھ بلائے

دل کے غبار نے راہ جو پائی
شہر میں گویا آندھی آئی

سر پر اس کے سنگ ہمیشہ
جی پر غصہ تنگ ہمیشہ

آہ سرد کرے وہ عُریاں
بید سا کانپے موئے پریشاں

دشت تلک گئی آبلہ پائی
دُور کھنچی اُس کی رُسوائی

جن نے دیکھا اُس کو یک دم
اُن نے کہا یہ بھُول کے سب غم

چندے یہ ناشاد رہے گا
پر مدت تک یاد رہے گا

جلنا اُس سے کرے نہ کنارہ
جیسے چراغِ وقف بچارہ

غیر سے بولے نہ یاروں ہی سے
بات کہے تو اشاروں ہی سے

کیوں کر غم سے ہو آزادی
جان کے ساتھ اس کی ناشادی

کوئی نہ اُس پر سایہ گستر
اپنا ہی ہاتھ اپنے ہی سر پر

نے کعبے نے دیر کے قابل
مذہب اُس کا سبر کے قابل

کیسا کہیے کیسا کچھ تھا
القصہ وہ ایسا کچھ تھا

وہ کیسا تھا جس پر عاشق
جی سے تھا یہ عاشقِ صادق

دیدۂ گُل تھی جا اُس کی
نکہتِ گُل گردِ رہ اُس کی

چشم برہ سارا چمن اُس کا
نقشِ قدم تھا یاسمن اُس کا

آگے اُس کے کبھو نہ آیا
یہ رُو گل نے کہاں سے پایا

گل آشفتہ اُس کے رُو کا
سُنبل اک زنجیری مُو کا

جب وہ چہرہ تابندہ ہو — ماہِ دو ہفتہ شرمندہ ہو
کیا کوئی شوخی اس کی بتادے — کچھ ٹھیرے تو کہنے میں آوے
کیا ہے اُس کے آب و گل میں — آرزو اُس کی سب کے دل میں
سب کو میل اُس بُت کی ادا کا — بندہ کون رہا ہے خُدا کا
دیکھے نہ عاشق زار کو اپنے — پُوچھے نہ وہ بیمار کو اپنے
عاشق ظلم و جور و جفا کا — دشمنِ جانی اہلِ وفا کا
بارے سفر کا مائل ہوکر — حبِّ وطن کو جی سے دھوکر
رُخصت کو اُس پاس بھی آیا — جلنے کے تئیں اور جلایا
وقتِ وداع قیامت گزرا — سر سے آبِ حسرت گُزرا
اک دم بے خود ہوکے رہا وہ — اس سے آگے آپ گیا وہ
آنکھیں لگیں ناسور ہو بہنے — دیکھ اُس گُل کو لگا یہ کہنے
ظلم ہے لوہو پیتے رہیے — جان گئے پر جیتے رہیے
عُمرِ عزیز چلی یوں جاوے — اور فلک آنکھوں سے دکھاوے
آخر کرکے خُدا کے حوالا — آئینے پر پانی ڈالا
تاکہ رُو دکھلاوے شتابی — راہِ دُور سے آوے شتابی

یار گئے پر میر جواب ہے
جان سے خالی اک قالب ہے

راقمِ غم ہے وہ دل تفتہ — نامہ بر اس کا رنگ رفتہ
غم سے فرصت اس کو کہاں ہے — قاصدِ اشک ہمیشہ رواں ہے
جب دردِ دل اُن نے لکھا ہے — شعلہ خط میں لپیٹ دیا ہے
سوز کہے آوے جب وہ بیاں پر — شعلہ آگ جوں شمع زباں پر

راہ پہ بیٹھا وہ سرگشتہ
دیکھے راہِ عمرِ گزشتہ

آگے تھا کب ہجراں دیدہ
آہ وہ تازہ ظلم رسیدہ

کیا کیا بے طاقت ہوتا ہے
ہر دم جی رخصت ہوتا ہے

حال عجب ہے رنجوری سے
مرنے قریب ہے وہ دوری سے

جب وہ دردِ دل کو جتاوے
باتوں پر اُس کے رونا آوے

داغِ دروں ہے گلشن گلشن
گل پہ چھینٹے وہ دامن دامن

چھوڑے نہ راہ و رسمِ وفا کو
دے پیغام ہمیشہ صبا کو

پاس اُس کے گر تیرا ہو جانا
بھولے ہوؤں کو یاد دلانا

زیرِ لب اُس کے بات یہی ہے
شام سحر دن رات یہی ہے

کھینچیں گے کب تک یہ سختی ہم
پھر بھی ملیں گے جیتے جی ہم

بس اے خامہ رکھ لے زباں کو
تاب نہیں ہے اہلِ جہاں کو

قصۂ غم کو نہایت کب ہے
اس سے خموشی اب نسبت ہے

# مثنوی اعجازِ عشق

کِسو معتبر سے روایت ہے اک
کہ درویش سے یہ حکایت ہے اک

کہ اک ملک میں میں فضا را گیا
جواں ایک واں مُفت مارا گیا

وہ جس طور مارا گیا اب کہوں
تعجب میں اُس کے کہاں تک رہوں

سُن اب آہ جو کچھ اُس کے جی پر ہوا
مصیبت زدہ بن اجل ہی ہوا

اُٹھا سیر کرنے کو میں ایک روز
پشیمانی اس کی ہے مجھ کو ہنوز

نظر جا پڑی جو مری ایک سُو
سرِ راہ بیٹھا تھا اک خوب رُو

فقیروں کی سی جھولی ایک اُس کے پاس
بدن میں نہایت مکلّف لباس

سر اوپر تھا ہنگامہ اک اُس کے جمع
پتنگے اکٹھے ہوں جوں گردِ شمع

لقب اُس کا دیوانۂ عشق تھا
کہ شہرت میں افسانۂ عشق تھا

جوانی کے گلشن کا وہ تازہ گُل
کرے جس کی خاکِ قدم غازہ گُل

اُسی کی سی مقدور تک سب کہیں
سدا اُس کا مُنہ دیکھتے ہی رہیں
وہ اک دُودماں کا تھا روشن چراغ
جلاتے تھے سارے اُسی پر دماغ

ولے اُس کے دل ہیں اک آتش نہاں
کہ دیکھئے جلا اس سے سارا جہاں
سب آرام چاہیں اسے اضطرار
سراپا تلک ایک دل بے قرار

نہ کچھ ہوش گھر جانے کا اُس کو تھا
تشتت نہ مر جانے کا اُس کو تھا
نہ طاقت تھی تن ہیں نہ کچھ جی ہیں تاب
نہ دل پاس نے صبر و آرام و خواب

ہر راہ دل قیمہ قیمہ لیے
یہ کہتا تھا مر جائیے بس جیے
سُن اُس نوگلِ عشق کی بے کلی
رہا کرتی ماتم سرا وہ گلی

دل و صبر و ہوش و توان و حواس
رہیں اُس کی وحشت سے سارے اُداس
نہ ناموس کا ننگ نے نام کا
بلا دوست و دشمن تھا آرام کا

شب و روز فریاد کرنا اُسے
کئی بار اک دم میں مرنا اُسے

یہ قصہ جہاں میں فسانہ ہوا
مجھے بھی سخن کا بہانہ ہوا

ولے گاہ وہ شمع مجلس فروز
کئی بیتیں پڑھتا تھا وہ سینہ سوز

کہ جن کا یہ مضمون تھا دوستان
جلے ہے گی تقریر کرتے زبان

بڑی آتشِ عشق سرکش ہے یاں
جگر کیوں نہ جل جائے آتش ہے یاں

نظر آ کہیں جا رہا ہے یہ جی
ہوا ہوں میں سارے قبیلے کا ننگ

سدا خون دل میں طپیدہ ہوں میں
کہ آہ بلب نارسیدہ ہوں میں

تری دوری میں پہنچی ہے اے حبیب
وداعِ دمِ واپسیں بھی قریب

جگر تو ہو پانی بہا غم کے بیچ
یہ دم بھی ہوا ہے کوئی دم کے بیچ

سمجھنا یہ بھی اے مرے سر پہ خاک
کس اُمید پہ میں ہوا ہوں ہلاک

تو جب سے در اُوپر نظر آ گئی

رہیں آفتیں میرے سر پہ نئی
نہ نامہ نہ پیغام نے رسم و راہ
یونہیں ہوتی جاتی ہے حالت تباہ

دل و دیدہ سب مدعی ہو گئے
تماشائی مجھ پر بہت رو گئے
کئی بار جاں لب پہ آ پھر گئی
کہاں ہے تو اے گل ہوا پھر گئی

یہ حیران ہوں صبر آتا نہیں
تصور ترا جی سے جاتا نہیں
خراشش جگر سے ہے چھاتی میں درد
کسک جس سے ہو جائے ہے رنگ زرد

رہا کرتی ہے داد بیداد یاں
دلِ شب سے گزرے ہے فریادیاں
سر رہ تک آ دیکھ یہ خستہ حال
کہ ہے نقشِ پا کی طرح پائمال

مجھے آہ اک اس کے دل کی لگی
کہے تو کہ سینے میں برچھی لگی
گیا زہرہ تاب دل آب ہو
کہا آگے جا کر میں بیتاب ہو

کہ اے ناز پروردِ مہر و وفا
کوئی اپنے جی پر کرے ہے جفا

مثل ہے کہ جی ہے تو ہے گا جہاں
وگرنہ موئے پر ہے کیا میری جاں
تلف یوں نہیں جان کرتا کوئی
نہیں اس سلیقے سے مرتا کوئی
سخن حسرت آلود کہنے پہ آ
کچھ اب دل کی باتیں زباں پر بھی لا
وگرنہ تو گھٹ گھٹ کے مرجائے گا
یہ ہے عشق کام اپنا کر جائے گا
تو ہے صرصر غم سے آتش بجاں
دیا سا نہ بجھ جائیو اے جواں
کہیں دل لگا ہو تو یہ مجھ سے کہہ
کہوں اس سے جا کر غمیں تو نہ رہ
جہاں کو تو بھیجے وہاں جاؤں میں
کہے کام جو تو بجا لاؤں میں
خدا جانے کیا جی میں بات آگئی
کہ یہ میری دل جوئی ہوتی گئی
یہ سُن کر جوانِ زخود رفتہ نے
جگر سوختہ اور دل تفتہ نے
کیا سوزِ دل کو لبوں پہ نمود
زباں تاب کھانے لگی جیسے دُود
سخن ہونے لاگے نمودار کچھ

لگا کرنے پیچیدہ گفتار کچھ
کہ جس سے بہ معنی ہوئے مُستفاد
کہ اے غم گُسارِ دلِ نامراد

جو دل جوئی میری ہے مدِّ نظر
تو یاں اک محلّہ ہے ٹک قصد کر
نہیں اُس کو درکار کچھ جستجو
سرا ایک ترسا کی ہے قبلہ رُو

زبانی مری در پہ یہ جا کے کہہ
کہ احوال سے میرے غافل نہ رہ
ترے واسطے خُوب رسوا ہوا
مرے سر پہ ہنگامہ برپا ہوا

تسلّی شکیبائی مطلق نہیں
پر اب تابِ تنہائی مطلق نہیں
کہے سے جواں کے غرض قصد کر
گیا بندہ ترسا کے دروازے پر

سُن آواز دستک کی اک رشکِ حور
مہ چار دہ سی نپٹ با شعور
دوچار آ کے مجھ سے ہوئی ایک بار
گیا جس کے دیکھے سے صبر و قرار

ہوئی دیکھے سے جب حقیقت عیاں
کہا میں کہ تاجر پسر تھا جہاں

بشر کیا کہ دیکھ ایسی آفت کے تئیں
فرشتہ بھی رو بیٹھے عصمت کے تئیں

کہا میں نے پیغام جو آیا بن
یہ خوبی سے اس کی کروں کیا سخن

سُنا وہ جگر سوز پیغام جب
کئے آشنا حرف سے لعل لب

پڑھی اک رُباعی یہ کر اعتبار
کہ مضمون جس کا یہ موزوں ہو یار

کہ ہجراں میں جو بے قراری کرے
سرِ راہ فریاد و زاری کرے

نہ سونے دے نالوں سے ہمسایہ کو
بھلی مرگ ایسے فرومایہ کو

محبت کی رہ میں یہ پہلا ہے کام
کہ سر سے گزر جائیے شاد کام
نہیں شرط اُلفت میں چین جبیں
اگر پیش آوے دم واپسیں

گیا میں جواب اس سے لے کر ادھر
سرِ رہ تھا پامالِ غم وہ جدھر
حقیقت بیاں کی سب اس جائے کی
جواں نے یہ سُنتے ہی اک ہائے کی

گئی ساتھ اس ہائے کے اُس کی جان
گرا خاک پر ہو کے بے دم جواں

بکے تھا مگر رہ سفر کر گیا
کہ اک بات کی بات میں مر گیا

نہ سوجھا مجھے اور کچھ اس سوا
کہ کریے بیاں طرف ثانی سے جا
ملامت کروں اُس کو ہیں اک جہاں
کہ اے بے حقیقت گئی اُس کی جاں

ترے نازِ بے جا کا تو کیا گیا
پر اک بے گنہ اس میں مارا گیا
غرض جُوں تُوں کر قطع میں راہ کی
گیا تھی جہاں منزل اُس ماہ کی

کی آواز دستک کہ بارِ دگر
ہوئی گھر میں القصّہ میری خبر
درِ خانہ پر آئی ایک پیر زن
لگی کرنے عشقِ جواں سے سخن

کہ کیوں دوسری بار آیا ہے تو
شگوفہ مگر اور لایا ہے تو
کوئی رہ گیا تھا پیامِ جواں
جو تو پھر شتابی سے آیا یہاں

بیاں کر جو کہنا ہو تجھ کو شتاب
کہ ہے منتظر غیرتِ آفتاب
کہا میں نے لے پیر زن کیا کہوں
عزادار اس نوجواں کا میں ہوں

پیام اُس کا لایا تھا میں اس لئے
کہ نہ بے اجل مرنا ہے ٹک جیے

سو یاں سے گیا ایسا لے کے جواب
کہ جس سے نکلتا تھا ناز و عتاب

نہ تھی تاب حرف دُرشت اُس کے تئیں
کیا غم نے تھا نیم کشت اُس کے تئیں

نہ مشغول یونہی وہ زاری سے تھا
وہ بے تاب بے اختیاری سے تھا

نہ سمجھی یہ رشک پری اُس کے تئیں
دکھائی دی عشوہ گری اُس کے تئیں

چڑھا اُن نے تیور اک انداز سے
کہا بے مزہ ہو کے یوں ناز سے

کہ جس کو نہ ہو تاب لانے کی تاب
شتابی سے مرنا ہے اُس کا صواب

ہوا سامنے اُس کے میں حرف زن
یہ اُس کی زباں سے کہا میں سخن

جواں سنتے ہی کر کے ایدھر نگاہ
سفر کر گیا جان سے بھر کر آہ

یہی ماجرا کہنے آیا ہوں میں
خبر اُس کے مرنے کی لایا ہوں میں

کہہ اس سے کہ اے کشتۂ غم کی جاں
گیا آخر الامر جی سے جواں

یہ کہہ دس قدم واں سے میں تھا چلا
کہ اک شور کانوں میں میرے پڑا

گزرنے لگی دل سے آواز آہ
لگا ہونے آنکھوں میں عالم سیاہ
صدا ایک نوحے کی آنے لگی
کہ یعنی وہ دختر ٹھکانے لگی

محبت نے کام اپنا پورا کیا
کہ ان دونوں لعلوں کو چورا کیا

---

## از مثنوی در جشن ہولی

آؤ ساقی قرار ہے باہم
کہ تماشا کناں پھریں خرم
زنِ رقاص پر نگاہ کریں
کِسو سادے سے چل کے راہ کریں
کِسو دلبر کے کھینچ لیویں ہاتھ
کِسو محبوب کو اُٹھا لیں ساتھ
کِسو خوشرو کے منھ پہ منھ رکھ لیں
کنج لب کا کہیں مزا چکھ لیں
خوش تنوں سے کریں ہم آغوشی
کِسو نازک بدن سے ہم دوشی
کہیں دو جام مے سے ہوں سرمست
جائیں گے تھوڑی دور دست بدست
مچلے بن جائیں گے کِسو کو دیکھ
پھر ملیں گے کِسو کے رو کو دیکھ
اب گلابی کو لیں گے بھر بھر ہم
باقی ساقی پئیں گے بھر کر ہم
کہیں آرائش آ کے دیکھیں گے
کاغذیں باغ جا کے دیکھیں گے
کِسو مہوش سے ہو دیں گے گلباز
کھینچیں گے ایک دو دم اُس کے ناز

دل نہیں مجھ کو ملا یہ کوئی جی کا ہے وبال
گفتنی ہو تو کہوں اے میر میں کچھ اس کا حال

خود بخود جاتا ہے کہتا آرزو کیا ہے اُسے
چاہتا ہے سیم و زر یا کوئی دلبر خوش جمال

یاد میں میری ہوا ہو کچھ سبب تو ہے بجا
عشق بازی مُفلسی آزردگی رنج و ملال

نے کبھو کے گیسو و کاکل کا وابستہ ہوں میں
نے کسی کے چاند سے مکھڑے کا مجھ کو ہے وبال

کیا کروں ایذائے بے موجب غرض تجھ سے بیاں
نے غمِ دردِ جُدائی ہے نہ اندوہ وصال

نیستم عاشق بظاہر لیک می کاہد دلم
عمر بگزشت و نمی دانم چہ می خواہد دلم

---



ختم شد